

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہیند) نمبر ۱۹۱

حکایاتِ اغانی

جلد اول

کتاب رنات المثالث و المثانی فی روایات الاغانی (جز اول)

کا اُردو ترجمہ

از

جناب رئیس احمد صاحب جعفری ندوی

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہیند) دہلی

قیمت مجلدہ ربیعا جلد اول

۱۹۳۲ء

ابوالفرج اصبہانی

مصنف روایات الاغانی

(۲۸۳-۵۳۵۶-۸۹۶-۶۹۶۶)

ماخوذ از۔

وفیات الماعین (ابی خلکان) تاریخ کامل (ابن اثیر) تاریخ بغداد

کشف الظنون، فی اسماہ المکتب و الفنون، (خامی خلیفہ) کتاب النجوم الزاہرہ

(ابوالحسن ابن تفری بروی) نیز کتاب الاغانی کا ایک قلمی نسخہ!

ابوالفرج علی بن اسمین، بن محمد، بن احمد، بن التمیم، بن عبدالرحمن، بن مروان،

بن عبداللہ بن مروان، بن محمد بن مروان، ابن الحکم، ابن ابی المعاصر، بن امیہ بن

عبد شمس، بن عبد مناف، قرشی، اموی، امام دوران، علامہ وقت، لقب بہ کاتب

اصبہانی، صاحب کتاب الاغانی خاندان نبی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد ابوالفرج

کے اجداد میں سے تھا، اس کی ولادت معتقد باللہ کے ہمد میں اصفہان میں ہوئی۔

بنداد میں نشوونما کے مراحل طے کیے، حدیث کی سماعت بھی کی، ہمد اور اس فن میں بلکہ

یعنی اور نکتہ سنی کا ثبوت دیا، ادب اہل عمر ہی سے ہدیۃ السلام (بغداد) کو وطن بنالیہ

وہ وہاں چوٹی کے ادیبوں اور مصنفوں میں شمار ہونے لگا، علماء کی بہت بڑی تعداد سے روایت کی، شاعری کا پایہ بھی بہت بلند تھا، افراد و قبائل کے حسب و نسب پر بھی بڑا عبور تھا، باوجود اموی ہونے کے شیعہ تھا، جس پر ابن اثیر نے حیرت کا اظہار کیا ہے، قبائل کے حرب و پیکار کی تاریخ پر بھی بہت چمکی نگاہ تھی، انساب و سوانح کا بھی بڑا عالم تھا۔

تنوخی کا قول ہے، جن شیعہ ارباب فضل و کمال کی میں نے زیارت کی ہے، ان میں ابو الفرج اصبہانی ایک ایسا شخص تھا، جو بے شمار اشعار کا حافظ تھا، اور غانی اپنے رائے کا بہت بڑا دانت کار اور مورخ۔ فن حدیث میں بھی اسے اچھا خاصہ درک تھا، آثار صحابہ و تابعین کا بھی وہ عالم تھا، احادیث سندہ کا بھی ماہر تھا۔ اور فن نسب میں بھی اسے غیر معمولی عبور تھا، سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس کی سی قوتِ حافظہ کسی میں نہیں دیکھی، مذکورہ بالا علوم و فنون کے علاوہ، لغت نحو، داستان گوئی، سوانح و سیر، اور معاری کے فنون میں بھی وہ اپنی نظیر آپ تھا، اور لوازم علم مجلسی سے بھی باخبر تھا، از قسم بیطارسی، شکاری، پرندوں کا علم، طب اور نجوم وغیرہ، اس کے اشعار میں علم کے کلام جیسی کجنگل اور ظریف شعر جیسی خوبیاں تھیں، کتابیں اچھوتی اور بے مثل لکھیں، انھی میں سے کتاب الاغانی ہے، جس کے متعلق ارباب نظر کا اتفاق ہے، کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکتی ہے۔

ابو محمد المہلبی کا قول ہے کہ میں نے ابو الفرج سے پوچھا یہ روایات و آثار تمہنے کتنے عرصہ میں جمع کئے؟ کہا، پچاس سال میں،! زندگی میں پہلی مرتبہ

۱۵ ابو محمد الحسن بن ہارون، الاسدی المہلبی، مغزالدولہ کی وزارت کے منصب پر بغداد میں فائز ہوا

(۳۲۹ھ) ۹۴۵ء) پھر سے میں وفات پائی، (۳۵۲ھ) ۹۶۳ء)

جب انھیں اس نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر سیف الدولہ کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے ایک ہزار دینار صلہ بھیجا۔ یہ خبر جب صاحب بن عباد کو پہنچی، تو اس نے کہا، سیف الدولہ نے ناقدری کی، ابوالفرج تو اس سے کہیں زیادہ کا مستحق تھا، قابل رشک محاسن اور بچھے نئے نقروں کے استعمال میں اس کا کون حریف ہو سکتا ہے؟ اس کے الفاظ و فقرات ایک زاہد گوشہ نشین کے لینے مایہ تفریح ہیں، عالم خشک کے لئے اضافہ معلومات و مواد کا سبب ہیں، انشا پر داز اور جو بانیے ادب کے لئے پونجی اور تجارت ہیں۔ سپاہی اور دلاور کے لیے ہمت و شجاعت کی ڈھال ہیں، اندر تہی دست کے لیے ریاضت و صناعت ہیں، یاوشاہ کشور کشا کے لئے اسباب سرور و لذت ہیں، میرے کتب خانے میں ایک لاکھ ستر ہزار کتابیں ہیں، اس سے بڑھ کر کوئی میری انیس نہیں، کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس کی مجھے جستجو ہو، اور وہ اس میں نہ مل گئی ہو۔ جو واقعات و حالات علمائے اپنی ان گنت کتابوں میں تحریر کیے ہیں، وہ سب اس میں حین تالیف اور لطف بیان کے ساتھ موجود ہیں۔ سیف الدولہ کا تو یہ حال تھا کہ چاہے سفر میں ہو یا حضر میں۔ اس کتاب کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کا ایک مسودہ بنبراد کے ایک بازار میں چار ہزار درہم میں فروخت ہوا،

۱۰ ابو القاسم بن اسمیل بن عباد اللطائفی، اپنے فضائل و مکالم کے اعتبار سے نازک روزگار اور عجیب شخصیت کا مالک تھا، اسے "الصاحب" اس لئے کہتے تھے کہ ابو الفضل بن علی کا صاحب خاص تھا، اور اس لیے بھی کہ بچپن سے مؤید اللہ بن بویہ کا ساتھی تھا، بعد میں منصب وزارت پر بھی فائز ہوا، جب مؤید اللہ نے وفات پائی، اور اس کا بھائی نضر الدولہ تخت حکومت پر قابض ہوا تو اس نے بھی اسے وزارت پر قائم رکھا۔ وفات کا سال ہجری ۳۸۵ء ہو اور عیسوی ۹۹۵ء۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ ابن جہاد تیس اڈتوں کے بوجھ جتنی کتابیں، جو ادب و اثنا سے متعلق ہوتی تھیں، ہر سفر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا، لیکن جب اسے کتاب اللغافنی دستیاب ہوئی، تو اس نے سب کو سینت کر رکھ دیا، اور یہی کتاب اس کی ندیم اور دساز بن گئی، کیوں کہ اس سے وہ دوسری کتابوں سے مستغنی ہو گیا۔

ابوالفرج کی منجملہ اور تصانیف کے ایک کتاب "زہد الملوک والاعیان فی اخبار النبیان المفینات الاوائل الحسان" ہے، جس میں مشہور و معروف گانے والیوں کے حالات زندگی اور ان کے طرزِ موسیقی، پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایسے دل چسپ لطیف اور پُر کیف حالات تحریر کیے ہیں، جن سے ممکن نہیں کہ آدمی

سے کتاب اللغافنی کے خلاصے اور منتخب مرتب کرنے کا کام ایک جماعت ہمیشہ انجام دیتی رہی، اسی کے ایک فرد وزیر الحسین بن علی بن حسین، ابوالقاسم ہیں، جو ابن طبری کے نام سے مشہور ہیں، سال وفات، ۳۲۶ھ سنہ ۹۳۷ء

قاضی جمال الدین محمد بن سالم (المتوفی ۶۹۷ھ، ۱۳۹۷ء) نے بھی اس کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا، جس کے متعلق ابوالفدا نے تعریفی الفاظ استعمال کیے ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ ابانوفیہ میں موجود ہے، شروع کے اوراق سولہ کے پانی سے دلکش بنائے گئے ہیں، ہر صفحے میں ۲۱ سطر ہیں۔

ابوالقاسم عبداللہ معروف بہ ابن باقیہ، کاتب علمی لامتونی ۷۳۶ھ، ۱۳۳۵ء سے بھی ایک جلد میں اس کا خلاصہ کیا تھا، ابن خلکان نے اسے سراہا ہے، امیر عزم الملک (المتوفی ۷۳۶ھ، ۱۳۳۵ء) نے بھی ایک خلاصہ لکھا تھا، ابن خلکان نے اس کی بھی تعریف کی ہے۔

جمال الدین محمد بن مکرم (المتوفی ۷۴۷ھ، ۱۳۴۷ء) نے بھی "مختار اللغافنی" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔

الرشید نے بھی ایک کتابچہ تیار کیا تھا، اسی مکرم نے اس کا ذکر کیا ہے، ابن المنذیر نے بھی ایک ایسی ہی کتاب لکھی جو اور دغوار نے بھی ایک خلاصہ لکھا۔

لطف اندوز نہ ہو، ایک کتاب "الامام الشواعر" بھی ہو، نیز "کتاب الایارات" کتاب
 "دعوة التجار" بھی بہت مشہور ہیں، علاوہ انہیں "مجدد الخانی" "اخبار نجلۃ البرکی"
 "مقابل الطاہرین" "کتاب الحائات" اور "کتاب آداب الغریب" بھی کم معروف
 نہیں ہیں۔

اندلس کے شاہان بنی امیہ کے لیے بھی اس کے متعدد کتابیں لکھیں جو
 چوری چھپے وہاں بھی گئیں، اور اسی طرح وہاں سے انعام بھی آیا، ان میں سے کتاب
 نسب بنی عبد شمس "کتاب ایام العرب الف و سبعمائة یوم" "کتاب التمدیل
 والانتصاف" "کتاب نسب بنی شیبان" "کتاب نسب المہاجرہ" "کتاب
 نسب بنی تغلب و نسب بنی کلاب" و کتاب الغنم المغنیس ہیں۔

اوپر جن تصانیف کا تذکرہ ہوا، ان کے علاوہ بھی ابوالفرج کی متعدد تصانیف
 ہیں، جن کا اصحاب تراجم و سیر نے ذکر نہیں کیا ہے، لیکن ہم کشف المنون و غیرہ کے
 حوالے سے اس کی بہت سی کتابوں میں سے ذیل میں چند کا ذکر کرتے ہیں:-

(۱) مجموعہ الاخبار و النوادر (۲۱) الممالیک الشعرا (۳۱) ایمان الفرس (۴۲) الفرق
 و المعیار بین اللادفاد و الاحرار (۵) تحفۃ الوسانی فی اخبار الولائد (۶) تفصیل ذی الحجۃ
 (۷) کتاب الطفلیتین (۸) مناجیب الحفیان (۹) دیوان ابوتام بھی ابوالفرج کے
 مرتب کیا، جس کی ترتیب حروف پر نہیں، بلکہ انواع کلام پر رکھی، مصرعے جو نسخہ

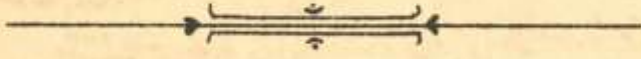
سلا سنہ ۳۱۷ھ میں یہ کتاب طبرستان سے شائع ہو چکی ہے۔
 سلا آغانی میں اس کتاب کا ذکر ایک موقع پر اس طرح ہے:- "میں نے اس کی تشریح کتاب نسب میں
 کر دی ہے جس کے بعد کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔" ابن خلکان نے تو اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا کتاب التمدیل
 اور جہرۃ النسب دو الگ الگ کتابیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتاب ایک ہی ہے صرف نام دو ہیں۔
 خود ابوالفرج کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ خالد بن عبد اللہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ
 اس کی پوری تفصیل جہرۃ انساب العرب میں ہے لکھی ہے جس کا نام کتاب التمدیل والانتصاف رکھا ہے۔

ابولفرج اصبہانی

ذکر ہمیشہ ہوتا رہے گا، اس کی یادگار کبھی محو نہ ہوگی!

وما مات من البقی لنا ذخر علمہ

واحیالہ ذکرنا علی غابر الدہر!



شامع ہوا، در وہی ہر، (۱۰)، ابونواس کا دیوان بھی اسی طرح پر اس نے مرتب کیا،
(۱۱) نیز بخری کا دیوان بھی۔

ابوالفرج وزیر ہلبی ہی کے دامن کرم سے وابستہ رہا۔ اس کی شان میں
اس نے متعدد قصائد لکھے ہیں، ایک جگہ اس کی مبع کرتے ہوئے لکھتا ہے۔
جب ہم سائل بن اس کے دامن میں پناہ لیتے ہیں، وہ مدد کرتا ہے اور
احسان نہیں جتنا۔

۲۸۴ء میں ابوالفرج کی ولادت ہوئی، اسی سال مشہور شاعر بخری کی
وفات ہوئی، بعد کے دن ۱۴ ذی الحجہ ۳۵۷ء میں بہ مقام بغداد وفات پائی، وفات
سے قبل مرض جنون میں مبتلا ہو گیا تھا، ۵۶۷ء وہ سن ہے جس میں دو بہت
بڑے عالم، اورتین بہت بڑے بادشاہ، اس جہان فانی سے رخصت ہوئے،
علماء میں ایک تو خود ابوالفرج اصبہانی اور سرے ابوالیقلی، بادشاہوں میں
(۱) سیف الدولہ (۲) معز الدولہ بن بویہ (۳) کافور الاخشیدی۔

کبھی کبھی ہجو سے بھی ابوالفرج اپنا دامن آلودہ کر لیتا تھا۔ جب ابو عبد اللہ
البریدی، منصب وزارت پر فائز ہوا ابوالفرج نے ایک قصیدہ ہجو یہ لکھا جس کا
پہلا شعر یہ تھا،

ای آسمان تو ٹوٹ کیوں نہیں پڑتا ؟

ای زمین تو دھنس کیوں نہیں جاتی ؟

کہ ابن البریدی وزارت پر آگیا،

کوئی شبہ نہیں ابوالفرج کے انتقال سے ادب کے بستان و چین ویران ہو گئے،
انساب کے مشگوف نے اور پھول مرجھا گئے، ادب کے دہر تہیم ہو گئے۔ لیکن جس
نے ایسی زندہ جاوید کتابیں یادگار چھوڑی ہوں وہ مر نہیں سکتا، اس کا

(۱) تین گوئیے

علاء الدین اسحاق روایت کرتے ہیں کہ میرے والد اپنے والد ابراہیم موصلی کے پاس ایک روز تشریف لائے، سلام کیا اور ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ ابراہیم نے کہا، بیٹا میں نے تو کسی کو اپنی اولاد سے اتنا سبکی نہیں دیکھا جتنا میں ہوں، تمہاری سعادت اور اطاعت سے میں بہت خوش ہوں، کسی بات کو جی چاہتا ہوں تو کہو، میں اسے پورا کروں گا۔

اسحاق نے کہا، ”میں آپ پر قربان، خدا، آپ کو تادیر ہمارے لیے زندہ رکھے، ایک تینا ہو، یہ بڑے میاں آج مرے یا کل، اور میں نے اب تک ان کا

علاء ابراہیم موصلی عہد عباسیہ کا مشہور مغنی، ۲۵۱ھ میں ولادت ہوئی، اور بہ عہد خلیفہ ہارون الرشید ۲۵۱ھ میں وفات پائی، ابراہیم کا باپ، میمون فارس کا رہنے والا تھا، یہ موصلی اس لیے مشہور ہوا کہ عنفوان شباب ہی سے غنا و موسیقی کی طرف متوجہ ہوا، گھروالوں نے تنگ کیا، تو بھاگ کر موصل پہنچے، وہیں رہ پڑے، اور موصلی کہلائے لگے۔

راگ نہیں سنا، لوگ کیا کہیں گے؟ بس میری تو یہ آرزو!

ابراہیم - " بڑے میاں کون؟ "

اسحق - " ابن جامع ہے۔ "

ابراہیم - ہاں بھی سچ کہا، اچھا سواری تیار کرو،

ہم باپ بیٹے روانہ ہوئے اور ابن جامع کے پاس پہنچے۔ والد نے ان سے کہا، " میں آپ کے پاس ایک حاجت لے کر آیا ہوں، چاہیے تو برا بھلا کہہ لیجئے۔ اور مرضی ہو تو مجھے نکال باہر کیجئے۔ مگر حاجت بہر حال آپ کو پوری کرنی پڑے گی۔ دیکھئے بھائی صاحب، یہ ہو آپ کا غلام اور برادر زاد، اسحق، نے آپ کے راگ سننے کا اشتیاق ظاہر کیا، میں اسے لے کے یہاں پہنچ گیا، اب عزت آپ کے ہاتھ ہے۔ "

ابن جامع نے کہا، " اچھا تمہرو، پہلے میں تم دونوں کو کھانا کھلاؤں اور نبیذ پلاؤں، تب سناؤں گا، اور اگر اتنے میں خلیفہ کا قاصد آگیا، تو ہم وہاں چل دیں گے، ورنہ آج کا سارا دن یہی تفریح رہے گی " ہم نے یہ شرط منظور کر لی۔

تھوڑی دیر کے بعد ابن جامع نبیذ اور کھانا لے کر آیا، ہم نے خوب مزے لے لے کر کھایا پیا، جب خوب سیر ہوئے تو اس نے اپنے راگ سننے شروع کیے۔ اسمیل بن جامع، کنیت ابو القاسم، عہد عباسیہ کے چونی کے گوتوں میں تھا، خلیفہ ابوالشیر نے ایک روز ابن جامع سے اس کا نسب دریافت کیا، کہا، مجھے تو معلوم نہیں، میرے بھتیجے اسحق موصلی سے پوچھیے، پھر اسحق سے مخاطب ہو کر کہا، بیٹا، اپنے چچا کا نسب بتاؤ، ہاروں نے کہا، اسے بڑے گھوسٹ تھے اپنا سب بھی معلوم نہیں، دوسرے سے پوچھتا ہے۔ اور دوسرا بھی کون؟ ایک عجی!

کئے وہ گارہا تھا، اور درو دیوار جھومتے نظر آ رہے تھے، میرا باپ بھی اس فن کا استاد تھا، لیکن ابن جامع کا گمان سن کر وہ میری نظروں میں حقیر ہو گیا، ابن جامع کی ہر ہر تان میری نظر میں اس کی عظمت اور وقار بڑھا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ریا تو میں لینے باپ کو اس فن میں یگانہ روزگار سمجھ رہا تھا۔ یا میں اسے جاہل مطلق سمجھنے لگا۔

ابن جامع گارہا تھا، اور ہم کیفیت و سرور کی دنیا میں کھونے ہوئے تھے، اتنے میں خلیفہ کا قاصد طلبی کا فرمان لے کر پہنچا، ان دونوں کے ساتھ ہم بھی روانہ ہوئے، راستے میں والد نے پوچھا:-

”کہو بیٹا! ابن جامع کو کیسا پایا“

”اگر آپ برہم نہ ہوں تو عرض کروں“

”کہو، کہو، میں ناراض نہیں ہوں گا“

”آپ سے بڑھ کر میری نگاہ میں اس فن کا ماہر کوئی نہیں تھا، لیکن ابن

جامع کو سننے کے بعد آپ کچھ نہیں رہے۔“

باپ آئی گئی ہو گئی:-

دوسرے روز صبح کو والد نے مجھے بلوایا، دیکھتا کیا ہوں کہ ان کے

سامنے درہوں اور دیناروں کا ڈھیر لگا ہوا، کہنے لگے:-

”سردی کا موسم ہے، تم ہو آج کل خالی ہاتھ، یہ لو“

یہ کہہ کر وہ ڈھیر انھوں نے میری طرف بڑھا دیا، اور کہا:-

”جاؤ جس طرح جی چاہے اسے خرچ کرو“

میں اٹھا، والد کے دست و پیشانی کو میں نے چوما، اور پرنے کر چل پڑا، ابھی

میں دہلیز ہی تک پہنچا تھا کہ انھوں نے آواز دی

”اسحق!“ میں قریب گیا تو فرمایا:-

”جلنے ہوتا سا مال میں نے تمہیں کس صلے میں دیا ہے؟“

”میں آپ پر قربان جاؤں جانتا ہوں۔“

”بتاؤ تو!“

”میں نے آپ کے اور ابن جاسع کے بارے میں سچی سچی بات کہہ دی،

یہی نا؟“

”ہاں یہی ایشاباش بیٹا، جاؤ، خدا تمہیں سلامت رکھے!“

(۲) ابوالعقابہؓ

مخارق بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک روز ابوالعقابہ آیا، کہنے لگا،

”میں چاہتا ہوں کبھی ایک دن میرے ساتھ گزار دو۔“

”بسر و چشم، کب؟“

”لیکن مجھے اندیشہ ہے تم ٹال جاؤ گے!“

”نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا خواہ خلیفہ ہی مجھ کو کیوں نہ طلب

کرے۔“

”اچھا توکل ہی سہی۔“

سویرے تڑکے مجھے ابوالعقابہ کے قاصد نے آکر جگایا اور اپنے ساتھ لے

گیا، میں ایک صاف ستھرے کمرے میں جو فرش فروش سے آراستہ تھا، بٹھایا گیا،

لے نام اسمعیل بن قاسم، کنیت ابواسحق، لقب ابوالعقابہ زاد بوم کوفہ، شعور اب کلام ہند

بویس، لطیف معانی، سہل الفاظ، بے تکلف انداز بیان، متروک اور قدیم الفاظ کے استعمال

کا خاص شوق، نہایت دولت مند، لیکن بے حد نجیب! زہدیات میں اس کا کلام بے نظیر ہے۔

کچھ عرصے کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ ابوالعتاہیہ نے پچھنے لگانے اور فصد کھونے کا کام شروع کر دیا ہے، ارادہ کیا اس حال میں بھی اسے دیکھوں، لیکن موقع نہ ملا۔

تھوڑے دنوں کے بعد وہ بیمار ہوا، مجھے معلوم ہوا کہ اس کی خواہش ہے کہ میرا گانا سنے، میں اس کی عیادت کے لیے گیا، ملازم باہر نکلا، کہنے لگا، ”کہتے ہیں اگر تم میرے پاس آئے تو میرا غم تازہ ہو جائے گا، شدتِ مرض کے سبب تمہارے راک سننے کا اب مجھ میں یارا نہیں ہے، تمہارا حفوظ“ میں چلا آیا، پھر نہ مل سکا، اور وہ خدا سے جا ملا!

(۳) خدا کی دین!

وردانی روایت کرتے ہیں، مشہور مغنی مالک بن ابی السرح بنی طور کا تھا، ایک مرتبہ بہت بڑا کال پڑا، مالک کی ماں اسے اور اس کے یتیم بھائی بہنوں کو لے کر چل کھڑی ہوئی، حمزہ بن عبد اللہ کا مکان، در یوزہ گروں کے لیے بابِ اجابت تھا، مشہور مغنی معبد بھی اس کے دامنِ فیض سے وابستہ تھا، ہر روز اسے نئے نئے راک رانگیاں سنایا کرتا تھا، مالک بھی تلاشِ معاش یا حصولِ امداد کی عرض سے حمزہ کے دروازے پر پہنچا، کانوں میں معبد کی آواز پڑی، ٹھٹھک کر کھڑا ہوا، اور کھڑے کا کھڑا رہ گیا، اب بچائے در یوزہ گری کرنے کے اس کا یہی کام رہ گیا تھا، حمزہ کے دروازے پر کھڑا ہو کر، معبد کا گانا سنتا، جب شام ہو جاتی، خالی ہاتھ ماں کے پاس پہنچتا ماں اسے خوب پٹیتی،

لہ عبد ولید، ابن یزید، اور ابوالعباس سفاح کا بہترین مغنی!

پٹ پٹا کے دھول جھاڑ کے صاحبِ نواز کے معبد کے الحان اور ترنم، اسی کے زیرِ ہم
اسی کے راگ اور راگنیوں کی نقل اُتارا کرتے، لیکن صرف آواز کے اُتار چڑھاؤ
سے سارا کام نکال لیتا تھا، اشعار سے واقف نہ تھا۔

حمزہ آتے جاتے دیکھتا ایک لڑکا آتا ہے، دن بھر دروازے پر کھڑا رہتا ہے،
اور واپس چلا جاتا ہے، ایک روز اپنے غلام سے اسے بلوایا، پوچھا،
”تم کون ہو؟“

”تھڑ زوہ خاندان کا ایک فرد! ماں ہے، بھائی بہن ہیں، میں فکرِ معاش
میں سرگرداں آپ کے دروازے تک پہنچا، یہاں میں نے ایسی آواز سنی جس
نے میرے پاؤں پکڑ لیے“

”جو آواز سنی اس کی نقل بھی کر سکتے ہو؟“

”کیوں نہیں، لیکن مجھے کوئی شعر یاد نہیں،“

”اگر تم سچے ہو تو بڑے سمجھ دار ہو“

پھر حمزہ نے معبد کو بلوایا، اور اس سے کہا، کچھ سناؤ، اس نے تمبیل کی، پھر مالک
سے کہا، ”اب تم! مالک نے ہوا ہوا معبد کی آواز میں معبد کا گانا سنا دیا،
فرق صرف یہ تھا کہ شعر کوئی نہیں تھا، حمزہ نے معبد سے کہا، اس لڑکے کو اپنے
پاس رکھو، اس کی تربیت کرو، اگر یہ جو ہر قابل کسی اور کے ہاتھ لگا تو وہ اپنا نام
اس سے روشن کرے گا، بات معبد کی سمجھ میں آگئی، راضی ہو گیا، پھر حمزہ نے
مالک سے پوچھا، ”ہمارے ہاں رہو گے؟“ مالک نے کہا، ”سنیے سرکار، اگر
میں آپ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جو غلط ہو تو آپ خوش ہوں گے؟“
حمزہ نے کہا، ہرگز نہیں!“

”اگر میں آپ کی ایسی تعریف کروں جو واقعہ کے خلاف ہو تو بھی

آپ خوش نہیں ہوں گے؟“

”یقیناً“

”خدا کی قسم آپ کے دروازے پر میں ہمیشہ بھوکا رہا، جب واپس

گیا خالی ہاتھ گیا، اور ماں کے جوتے کھائے۔“

یہ سن کر حمزہ نے اس کے اور اس کے متعلقین کے رہنے کے لیے ایک مکان دیا، اور اس کے گزارے کے لیے غلہ اور دوسرے سامان دیے، اور دو خدمت گار، اور کہا اپنی ماں اور بھائی بہن کو یہیں لے آؤ، اور چین سے رہو۔

اب مالک حمزہ کی مجلسوں میں بار پانے لگا، اور معبد اس کی تربیت کرنے لگا، تھوڑے ہی عرصے کے بعد مالک اس فن میں طاق اور شہرہ آفاق ہو گیا، ایک روز وہ یونہی سیر سپاٹے کے لیے نکلا، ایک مکان سے دردناک اور جگر ٹکار صدا بلند ہو رہی تھی، یہ ایک عورت تھی، جو زیادہ کا نوحہ پڑھ رہی تھی، جسے ہدیہ بن خشرم نے قتل کر دیا تھا، اس حادثے پر زیادہ کے بھائی نے ایک رقت انگیز مرثیہ لکھا تھا، عورت کے طرز کا بھی مالک نے چربہ اتار لیا تھا، پھر اس کو معبد کے طرز پر بھی گنٹنایا، جب حمزہ کے پاس آیا، تو کہا، ”سرکار میں نے ایک نیا طرز ایجاد کیا ہے، سنیے گا؟“ حمزہ نے کہا، ”ہاں ضرور سناؤ“ مالک نے وہی طرز جو معبد کا تھا، اسی پر ہی توڑ کے گانا شروع کیا، حمزہ نے کہا ”شباباش لڑکے، معبد کے طرز پر تم خوب گائے، سبحان اللہ“ مالک نے کہا، ”حضور جلدی نہ کیجیے“ ابھی ایک طرز اور باقی ہو جو معبد کے طرز سے بالکل الگ ہے“ حمزہ نے کہا، ”اچھا وہ بھی سناؤ“ اب مالک نے اسی کے طرز پر گانا شروع کیا، حمزہ بہوت ہو گیا، خوشی کے جوش میں اپنا قیمتی مہاس پر ڈال دیا۔

اسی اثنا میں معبد آگیا، شاگرد کی سرفرازی کچھ پسند نہ آئی، منہ بنا کے

بیٹھ گیا، حمزہ نے تاز لیا، فوراً مالک کو حکم دیا، اور اس نے وہ دونوں گانے پھر سُنائے، معبد نے جب اپنے طرز پر مالک کا گانا سُنا تب تو پھر بڑا کہنے لگا، میں اس لوندے کو اب کچھ نہیں سکھاؤں گا، سیکھے گا مجھ سے اور کہے گا ایجاد میں نے کیا ہے؟“ حمزہ نے کہا، ”خفاست ہو، ابھی ایک اور طرز باقی ہے، اور وہ تمہارے طرز سے بالکل مختلف ہے“ حمزہ کے اشارے پر مالک نے، دوسرے طرز پر گایا، اب تو معبد کی بھی باچھیں کھل گئیں، حمزہ نے کہا ”بہ خدا اگر اسے صرف اتنا ہی آتا ہوتا تو بھی یہ تمہارا حریف بن سکتا تھا، جیسے جیسے دن جائیں گے، اس کا کمال بڑھتا جائے گا، تم اب بوڑھے ہوئے، اگر اس کا کمال تم ہی سے منسوب رہے تو اچھا ہے“ معبد نے سر جھکا لیا، اور کہا، ”حضور بجا فرماتے ہیں۔“

اب حمزہ نے حکم دیا کہ معبد کو انعام اور خلعت سے نوازا جائے، اس سرفروزی سے معبد اور خوش ہوا، مالک کھڑا ہوا، معبد کی پیشانی چوڑی، اور کہا، ”ای بابا عباد، خدا کی قسم جب تک زندہ ہوں، کوئی راگ بھی اپنی طرف منسوب نہیں کروں گا، اور اگر کبھی میرے نفس نے مجھ پر چایا، تو نو ایجاد راگ میں بھی وہی شعر گاؤں گا، جو آپ کا نام اُچھال چکا ہے، اب مجھ سے خوش ہو جائیے۔“ معبد نے کہا تم جیسا کہتے ہو ویسا ہی کرو گے؟ اس نے جواب دیا بے شک بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ پھر جب کبھی مالک گاتا، اور لوگ پوچھتے یہ راگ کس نے ایجاد کیا ہے؟ تو مالک کا ایک ہی جواب ہوتا، ”معبد نے، میرے استاد نے۔“

(۴) معبد کشتی میں!

معبد نے حجاز کی رہنے والی ایک جاریہ کو، جس کا نام ظلیہ تھا، خوب جی

لگا کر گائے کی تعلیم دی، یہاں تک کہ اسے اس فن میں کامل کر دیا۔ عراق کے ایک اہل نظر نے اسے منہ مانگی قیمت پر خرید لیا، پھر کچھ عرصے کے بعد بصرے لے جا کر اسے فروخت کر دیا، وہاں ابوزکریا کے ایک آدمی نے اسے دیکھا، پسند کیا، اور خرید لیا، وہ جہاں بھی جاتا ظبیہ کو اپنے ساتھ لے جاتا، کچھ عرصے کے بعد وہ بیمار پڑی، اور اس دنیا سے رخصت ہو گئی، چند کنیزوں نے اس سے گانا سیکھا تھا، وہی اس کی یادگار تھیں۔

چونکہ ظبیہ سے اس کے مالک کو بے حد محبت تھی، اس لیے وہ معبد کو بھی ماننے لگا تھا، ہمیشہ لوگوں سے اس کا حال دریافت کرتا رہتا اور اس کی قیام گاہ کی جستجو کرتا رہتا تھا، اور اس سے ملاقات کا متمنی رہتا تھا، اس کمال فن کے سبب جس کی ایک ہلکی سی جھلک وہ ظبیہ میں دیکھ چکا تھا، اپنے عہد کے تمام مغنیوں پر معبد کو ترجیح دیتا رہتا تھا،

اڑتے اڑتے یہ خبر معبد کو بھی پہنچی، رخت سفر باندھا اور چل کھڑا ہوا، کمد سے نکل کر بصرے پہنچا، اتفاق سے اسے ایک ایسا آدمی مل گیا جو ابوزکریا کے لیے ایک کشتی کرایہ پر لے رہا تھا، معبد بھی اسی تلاش میں تھا اس آدمی کو معبد پر ترس آ گیا، اس نے ملاح سے کہا "بڑے میاں کو اپنے پاس بٹھالو، اور چلو،" معبد ملاح کے پاس بیٹھ گیا، اور کشتی چل پڑی، کشتی پانی کی موجوں سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی جا رہی تھی، مسافر کی طبیعت جو ترنگ میں آئی، تو ناشتہ سے فراغت کے بعد بنیاد کا ایک دور چلا، پھر لونڈیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ گائیں، کنیزوں نے لحن اور تم کے ساتھ گانا شروع کر دیا، معبد چپ چاپ ایک دل برداشتہ مسافر کی طرح اہل جواز کے لباس میں ملبوس بیٹھا ہوا، یہ لحن داؤدی لہ فارس اور بصرے کے مابین ایک چھوٹا سا شہر،

سن رہا تھا، یہاں تک کہ ایک لونڈی نے معبد کے طرز پر گانا شروع کیا، گائی تو ضرور وہ معبد کے طرز پر لیکن بہک گئی، اب اس سے کہاں ضبط ہوتا، چیخا، "بی بی، ذرا سنبھل کے، مالک کو غقدہ آگیا، کہنے لگا، "تو کیا جلنے گانا کہتے ہیں؟ خاموش بیٹھ،" معبد خاموش ہو گیا، اب لونڈی نے دوسرے استادوں کے طرز پر گانا شروع کیا، معبد نے کوئی مداخلت نہیں کی، گاتے گاتے وہ پھر معبد کے طرز پر اتر آئی، اور پھر اس نے ٹھوکر کھائی، معبد نے کہا بیٹی پھر غلط جا رہی ہو، "لونڈی کے مالک نے ڈاشا" تجھ سے چپ نہیں بیٹھا جائے گا؟" معبد نے پھر سکوت اختیار کر لیا، اب دوسری کنیز نے گانا شروع کیا، یہ بھی معبد ہی کے طرز پر آپڑی، معبد نے کہا، "یہ کیسا تاشا ہے؟ کم بختو، تم ایک راگ بھی ٹھیک سراور تال سے نہیں گاسکتیں؟" آقا پھر بگڑا، "اب اگر تم بولے، تو اس کشتی پر نہیں بیٹھ سکو گے، سمجھ؟" معبد نے پھر چپ سادھ لی، تھوڑی دیر کے بعد جب کنیزوں گا چکیں تو معبد نے الاینا شروع کیا، گانا سن کر لونڈیاں اچھل پڑیں، "واہ بڑے میاں تم تو بڑے استاد نکلے، ایک دفعہ اور بھی سناؤ،" معبد نے کہا، "خدا کی قسم ہرگز نہیں" پھر اس نے دوسری ڈچھیرٹی، کنیزوں نے اپنے آقا سے کہا، "خدا جانتا ہے، یہ تو اپنے فن کا امام ہے، اس سے کہیے نا، پھر گائے، چاہے ایک ہی دفعہ، تاکہ ہم کچھ اس سے حاصل تو کر لیں" آقا نے کہا، تمہیں یاد نہیں ابھی تم میں کتنی مین میکہ یہ نکال چکا ہے، اور ہم بھی اس کے ساتھ کتنا بڑا سلوک کر چکے ہیں! — ابھی ٹھہرو، ذرا رنگ دیکھتی رہو۔" معبد نے اب تیسرا راگ اٹھایا، اب تو آقا میں یارائے ضبط نہ رہا، اچھل کر معبد کے پاس پہنچا، اس کی بیٹھانی چومی، "آپ بزرگ ہیں، ہم نے بے ادبئی کی، ہم آپ کو پہچان نہ سکے،" معبد نے

جھٹک کر کہا، ”تم مجھے پہچانتے یا نہ پہچانتے لیکن برتناؤ تو شریفانہ کرنا چاہیے تھا۔“

”مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہو، معاف کیجیے، آئیے ہمارے پاس

تشریف رکھیے؛“

”نہیں، اب تو نہیں“

آخر بڑی خوشامد در آمد کے بعد معبد ان لوگوں کے پاس گھل مل کر جا بیٹھا، آقا نے اس سے کہا،

”یہ تو بتائیے، آپ نے یہ فن کس سے سیکھا ہے؟“

”حجاز کے استادوں سے، اور آپ کی ان کینیزوں نے؟“

”ایک جا رہی ہے، اس سے میرا جسم و روح کا رشتہ تھا، خدا اس کی تربیت

غیر میں کرے، وہ اس دنیا سے سدھار چکی، اس نے یہ فن معبد سے

سیکھا تھا جب ہی سے میں معبد سے ملنے اور اس کی زیارت کرنے

کا بے حد شائق ہوں، میرا خیال ہے وہ اپنے فن کا امام ہے۔“

”اچھا وہ شخص آپ ہیں؟ آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟“

”نہیں، بالکل نہیں۔“

”میں معبد ہوں، آپ ہی کے پاس جا رہا تھا، آپ کی کینیز میں اس فن

میں کم مایہ ہیں، اب میں ان میں سے ہر ایک کو یگانہ روزگار بنا دوں

گھا۔“

معبد کی یہ باتیں سن کر آقا اور کینیزوں نے جھٹک کر اس کے ہاتھ پاؤں چومے،

اور کہا، ”اب تک آپ نے اپنے تئیں چھپائے رکھا، ہم سے اندازت خاطر

میں بے ادبی ہوئی، ہم برتناؤ بھی اچھا نہیں کر سکے، حالانکہ آپ ہمارے

بزرگ ہیں، کتنے دنوں سے ہیں آپ کا دیدار حاصل کرنے کی تمنا تھی، اسے خدا ہی جانتا ہے۔“

پھر آقائے اسی وقت اس کے لباس کو بدلوایا اور خلعتِ فاخرہ عطا کی، اور تین سو دینار مرحمت کیے، بے مثل تحائف دیے، جب وہ لوگ اہواز پہنچے، معینہ وہیں ٹھہر گیا، اور کینیزوں کو اس فن میں طاق کر کے پھر حجاز واپس آگیا۔!

(۵) عبدالعزیز بن مروان کے دربار میں!

نصیبؒ کا بیان ہے، ابھی میں عنفوانِ شباب کی منزل میں قدم رکھ رہا تھا کہ شعر گوئی کا مجھ چمکا پڑ گیا، مجھ اپنا کلام بہت بھایا، قبیلہ بنی ضمرہ اور خزاعہ کے بعض بڑے بوڑھوں کو جو شعر و سخن کی کسوٹی سمجھ جاتے تھے، میں نے اپنے کچھ اشعار سنائے، لیکن اپنے بنا کر نہیں، قدیم شعرا کے نام سے منسوب کر کے، ان بزرگوں نے بڑی تعریف کی، ”کیا کہنا، یہ ہے شاعری، اسے کہتے ہیں شعر“ جب میں نے ان کے یہ تعریفی الفاظ سنے تو یقین کر لیا واقعی میں اچھا شاعر ہوں اب میں نے ارادہ کیا کہ کسی طرح عبدالعزیز بن مروان کے دربار میں رسائی حاصل کروں، وہ اس وقت مصر میں تھا، میں نے اپنی بہن اُمّامہ سے ذکر کیا، جو بڑی سمجھ دار اور عاقلہ تھی میں نے یہ بھی کہا، اگر میری وہاں رسائی ہو گئی، تو ہم لوگ آزاد ہو جائیں گے، یہی نہیں ہمارے قربت داروں میں جو غلام ہیں انھیں لے نصیبؒ ایک عرب خاندان کا غلام تھا، پھر اسے عبدالعزیز بن مروان نے خرید لیا تھا، فصیح و بلیغ شاعر تھا، مدح و غزل اس کا خاص موضوع ہے، جو کبھی نہیں کہی، پاک باز اور شریف طبیعت شخص تھا! اور درباروں میں محترم۔

بھی آزاد کرالیں گے، اُما سہ نے کہا، ”توب توب، بھیتا کالے کلوٹے تو یہی ہو اب کیا تاشا
 بھی بنا چاہتے ہو؟“ میں نے کہا، ”اچھا میرا کلام تو سنو“ میں نے کلام سنایا، کہنے لگی،
 ”میں ایسا نہیں سمجھتی تھی، خدا پر بھروسہ رکھو، اور سدھارو، وہ کامیاب کرے گا۔“
 میں نے ایک انٹ لیا اور چل کھڑا ہوں دینیے میں فرزوق سے ملاقات
 ہوئی، وہ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، اور کلام سنایا،
 سن کر کہنے لگا، ”انہی شعروں پر اتر رہے ہو، اور بادشاہوں کے دربار میں
 پہنچنا چاہتے ہو؟“

”ارادہ تو یہی ہے“

”کیوں اپنا وقت گنواتے ہو؟ ان اشعار میں کیا رکھا ہے، جاؤ
 گھر بیٹھو“

یہ باتیں سن کر فوراً ندامت سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا، ایک تیشی فرزوق
 کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے چپکے سے ایک کنکری میری طرف پھینکی، میں نے
 نظر اٹھائی، تو اشارے سے مجھے بلایا میں پاس گیا تو کہا، ”میاں صاحب زادے
 یہ تمہارے شعر تھے؟“ میں نے کہا، ہاں میرے تھے۔ اس نے کہا، فرزوق بڑا
 حاسد ہے، میں بھی شعر کا پرکھنا جانتا ہوں، دل نہ تھوڑا کرو، اپنی راہ لو، خدا
 کامیاب کرے گا،“ میں نے اس کی باتوں سے اندازہ کیا کہ سچ کہہ رہا ہے، چنانچہ
 میں نے سفر جاری رکھنے کا عزم کر لیا،

آخر کار میں مصر پہنچا، وہاں عبدالعزیز بن مروان والی تھے، ان کے
 دربار میں بڑے لوگوں سے کتراتا ہوا سب کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا، میں نے دیکھا
 ایک شکیں و وجیہ آدمی، ایک عمدہ نچر پر آیا، وہ جب بھی آتا فوراً اُسے
 لہ عہد بنی امیہ میں عربی زبان کا نامور شاعر۔

کام اچھا کر لے گا، تنو دینار کافی قیمت ہے، امیر نے کہا، "لیکن یہ شاعر بھی ہے؟"
 ایمن نے مجھ سے پوچھا، "کیوں؟ تم شعر بھی کہہ لیتے ہو؟" میں نے جواب دیا،
 "کہتا تو ہوں" ایمن نے امیر سے کہا، "پھر اس کی قیمت تین دینار بھی بہت
 ہے؟" امیر نے پوچھا، "یہ کیوں؟" ایمن نے جواب دیا، "حضور یہ احمق بھی تو
 ہے، یہ شعر کہہ سکتا ہے؟ اور شعر بھی اچھا ہے؟" امیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا،
 "نصیب، اپنا کلام سناؤ" میں نے تعیل کی، امیر نے کہا، "ایمن اب تمہاری
 کیا رائے ہے؟" ایمن نے کہا، "سیاہ ناموں میں اچھا شاعر ہے؟" امیر نے کہا،
 "نہیں، یہ تم سے بھی بڑا شاعر ہے؟" ایمن نے کہا، "یا امیر مجھ سے بھی زیادہ؟"
 امیر نے جواب دیا، "ہاں تم سے کہیں زیادہ" ایمن بولا، "یا امیر یہ زیادتی ہے؟"
 امیر نے کہا، تم غلط کہتے ہو، میں زیادتی نہیں کرتا، اگر میں ایسا کرتا ہوتا تو تم
 میری بات نہ دیکھتے میرے کھانے سے سیر نہ ہوتے، میری مسند پر تکیہ لگا
 کے نہ بیٹھتے، حالاں کہ تم جانتے ہو تم کیا ہو؟ پھر ایمن نے بشر کے پاس
 عراق جانے کی اجازت مانگی، جو مل گئی، عبدالعزیز نے نصیب کو خرید لیا،
 اور خرید کر آزاد کر دیا۔

(۶) معبد کے میں!

معبد کا قول ہے کہ جب میں نے گانا سیکھ لیا، اور لوگ میرے انداز
 غنا کو پسند کرنے لگے، اور دوردور میرا شہرہ ہو گیا، تو میرے جی میں آئی کہ
 مکہ معظمہ جاؤں، وہاں کے مغنیوں کا گانا سنوں، اپنا گانا انھیں سناؤں، اور
 سارے ایمن مرض برص میں مبتلا تھا!

داخل ہونے کی اجازت مل جاتی، جب وہ واپس ہوا، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا، اس نے مجھے دیکھ لیا، پوچھا، ”کچھ کام ہے؟“ ”جی ہاں، میں جواز کار ہننے والا ہوں شاعر ہوں، امیر کی مدح میں میں نے ایک قصیدہ کہا ہے، اس امید میں آیا ہوں کہ شاید میری قسمت چمک جائے، لیکن یہاں مجھے کون پوچھتا ہے۔“ ”اچھا، اپنا کچھ کلام سناؤ،“ میں نے کلام تازہ سنایا، پسند کیا، اور کہا، ”یہ تمہارے ہی شعر ہیں؟ امیر خود شعر و شاعری کے فن سے خاص دل چسپی رکھتا ہے، اس کے دربار میں اس فن کے بڑے بڑے ماہر بھی ہیں، ایسا نہ ہو تم بھی ذلیل ہو اور مجھے بھی رسوا کرو“ میں نے عرض کیا ”آپ مطمئن رہیے، شعر میرے ہی ہیں، پھر اس نے کہا، کل مجھ سے ملو، اور مصر کی شان میں چند شعر کہ کر لاؤ،“

دوسرے روز میں نے اپنا تازہ کلام سنایا، بہت پسند کیا، پیٹھ ٹھونکی، کہا، واقعی تم تو بہت بڑے شاعر ہو، آج تم امیر کے دربار میں ملنا، میں ذکر کروں گا۔“

میں وقت مقررہ پر پہنچ گیا، وہ آیا اور اندر چلا گیا، میرا دل دھڑک رہا تھا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے؟ کہ اتنے میں میری طلبی ہوئی، میں امیر عبدالعزیز کے سامنے پہنچا، امیر نے کہا، ”تم شاعر ہو؟“ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے حکم دیا کہ سناؤ۔ میں نے سنائے۔ اس نے پسند کیا اور بہت خوش ہوا، اسی آشنائیں حاجب نے آکر عرض کیا، امین بن عربیم آیا ہے، اذن باریابی چاہتا ہے۔“ امیر نے کہا، ”آئے دو“ وہ آیا اور بیٹھ گیا، امیر نے پوچھا، ”کیوں امین اس غلام کی قیمت کیا ہوگی؟“ امین نے مجھے دیکھا، اور کہا، ”اؤٹوں کی چرائی کا

سہ درباری شاعر

اس طرح ان سے تعارف پیدا کروں، پناچہ میں نے ایک گدھا خریدا، اس پر بیٹھ کر مکہ روانہ ہو گیا، وہاں پہنچ کر میں نے اپنا گدھا فروخت کر دیا، اور دریافت کیا، یہاں کے گویوں کا اڈا کون سا ہے؟ کہاں ہے؟ جو بندہ یا بندہ، معلوم ہوا قیقان میں فلاں صاحب کے ہاں مجلس جہتی ہے، منہ اندھیرے ناخواندہ مہمان کی طرح وہاں پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا، آواز آئی "کون"؟ "بندہ سنے حاضر ہو ملاحظہ فرمائیے" کچھ بڑبڑاتا ہوا، کسی قدر سہا ہوا، صاحب مکان آیا، دروازہ کھولا، پوچھا، "خدا تم پر رحم کرے، تم کون ہو؟" میں نے کہا، "مدینے کا ایک مسافر!"

"مطلب"؟

"گانا سننے کا شوق ہے، خود بھی کچھ شہد بد جانتا ہوں، مجھے معلوم ہوا آپ کے ہاں بڑے بڑے گویے جمع ہوتے ہیں طبیعت نہ مانی چلا آیا، مناسب سمجھیے تو ایک گوشے میں مجھے بھی بیٹھ رہنے دیجیے"

کچھ دیر اس نے سوچا، پھر کہا، "آجاؤ خدا تمہیں برکت دے" میں ایک گوشے میں جا کے بیٹھ گیا، جب دن اچھی طرح چڑھ آیا، تو ایک ایک کر کے گویے آئے لگے، مجھ اجنبی کو دیکھ کر انہوں نے کچھ ناک بھوں چڑھائی، بعض نے کہا، "یہ کون گھس آیا؟" میزبان نے جواب دیا، "یہ بیچارے مدینے سے آئے ہیں، گانے کا بڑا شوق ہے، بیٹھا رہنے دیجیے، اب یہ لوگ گرم جوشی سے مجھ سے ملے، میں نے گفتگو شروع کی تو اور خوش ہوئے، پہلے شراب کا دور چلا، پھر فی اور فی کی باری آئی، میں بڑے جوش و خروش سے ان کے گانے کی داد دیتا رہا، وہ میری خوش مذاقی پر مسرور ہوئے

رہے، اس طرح کئی دن گزرے، میں نے ایک ایک گائے والے کے ہر ہر راگ کو اپنی گرفت میں لے لیا، پھر میں نے ابن سرج سے کہا، اپنے طرز پر ذرا میری اوٹ پٹانگ بھی تو سُنو، اس نے کہا، ”تم کالو گے؟“ میں نے کہا، ”سُنیے تو سہی، شاید! پھر میں نے اسی کی لڑیوں کا کیا، ابن سرج اور دوسرے لوگ چیخ پڑے، کہنے لگے، خُدا تجھے فارت کرے، خوب گایا،“ اسی طرح باری باری ایک ایک سے میں نے اس کی پسندیدہ لڑنی، اور پھر اسی کو گا گا کر سُنایا، اب شورِ تحمیں اتنا بلند ہوا کہ مکان سے باہر آواز جانے لگی، گویوں نے اعتراض کیا، ”خوب بہت خوب تم نے تو ہمارے راگ ہم سے بھی زیادہ اچھے گائے“ میں نے کہا، ”مجھے بنائے مت، ذرا میرا گانا بھی تو سُنیے“ اب میں نے اپنی لڑیوں سُنانا شروع کیا، کئی گائے سُنا ڈالے، اُنھوں نے کہا، ”خدا کی قسم تم کوئی کامل و اکمل، اور شہور و معروف اُستاد ہو، آخر ہو کون؟“ میں نے کہا، ”خاکسار کو مجد کہتے ہیں“! اب تو میں چُسنے لگا، کہنے لگے، آپ نے اپنے تئیں، ہم سے چھپایا، ہم پہچان نہ سکے کہ آپ، آپ ہیں، پھر میں ان کے پاس ایک بیٹے ٹھہرا، کچھ اُن سے لیا، کچھ اُنھیں دیا، اور دینے واپس آ گیا۔

(۷) ہشام بن عبدالملک کا دربار!

خالد بن صفوان، بن اہتم کہتے ہیں، یوسف بن عمر نے مجھے ہشام بن عبدالملک کے پاس وفدِ عراق کا سرگروہ بنا کر بھیجا میں پہنچا، وہ اپنے ندیموں، جلیسوں، دوستوں، مصاحبوں، عہدے داروں اور سرداروں کو لے کر

تفریح و طرب کے لیے باہر جا رہا تھا، ایک سرسبز و شاداب مقام پر جو سطحِ ارض سے بلند تھا، اور جہاں کو ہستانی مناظر پائے جاتے تھے، وہ اُترا، ابھی بارش کا ایک ڈونگر برس چکا تھا، فضا پر ایک عجیب کیفیت برس رہا تھا، زمین ایسی صاف شفاف تھی، گویا کسی نے کافور کے ٹکڑے لاکر رکھ دیے ہوں، اسی جگہ پر خیمے نصب کر دیے گئے، چھول داریاں لگا دی گئیں، ہشام کے خیمے کی قنات وہی تھی، جسے یوسف بن عمر نے یمن میں تیار کرایا تھا، اسی کے اندر ایک چھوٹا سا خیمہ تھا، سُرخ ریشم کے چار مختلف فرش بچھے ہوئے تھے، ہشام پر ایک جُبہ پڑا ہوا تھا، جو اُون اور سُرخ ریشم سے بنایا گیا تھا، اسی طرح کا عمامہ بھی تھا، لوگ اپنی اپنی جگہوں پر ادب اور قرینے سے بیٹھے ہوئے تھے، میں نے حاضرین کی صف میں سے اپنی گردن ذرا باہر نکالی، ہشام نے مجھے ایسی لگا ہوں سے دیکھا گویا وہ مجھ سے کچھ سُنا چاہتا ہو، میں نے عرض کیا، خُدا نے اپنی نعمتیں آپ پر تمام کیں، آپ کو کامیاب بنایا، جو آرزو آپ نے کی اس کا انجام بخیر کیا، آپ کو اپنے خوف کے لیے چُن لیا، اور ترقی و عروج سے مالا مال کیا، جو پاکیزہ دولت آپ کو بخشی اسے کسی آزار سے خراب و خستہ نہیں کیا، آپ کو مسرت کا جو خزانہ عطا کیا اسے چھیننا نہیں، چنانچہ آپ مسلمانوں کے آرام و راحت کا وسیلہ بن گئے، ستائے جاتے ہیں تو آپ ہی کی چوکھٹ پر پہنچتے ہیں، پریشان ہوتے ہیں تو آپ ہی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، امیر المومنین میں اپنے لیے آپ کے حق کی بجا آوری، آپ کے شرفِ صحبت کی احسان مندی کا، سب سے بہتر اظہار یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کو خدا کی نعمتیں یاد دلاؤں، اور آپ کو متنبہ کروں کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیے، ایک بات اور ہے، جو آپ سے پہلے کے بادشاہوں پر گزری

اگر اجازت ہو تو عرض کروں“

ہشام نے کہا، ”اجازت ہو، کہو!“

میں نے کہا، آپ سے پہلے، بہت پہلے، ایک بادشاہ تھا، جیسے آپ اس فصل بہار میں تفریح و طرب کے لیے لنگے ہیں، ایسے ہی وہ بھی نکلا، فرار کوہ پر خمیدہ زن ہوا، ابر بہار برس کر کھل چکا تھا، زمین کا وہ ٹکڑا اپنی گود میں رنگ برنگ کی کلیاں اور شکوفے لیے ہوئے تھا، منظر بلا کا دل فریب تھا، زمین — یہ معلوم ہوتا تھا، کافر کی بی بی ہوئی ہے، اس شان و شوکت، عروج و تجل، اور جاہ و دولت کے ساتھ بادشاہ کا ابھی عنقوان شباب تھا، اس نے سامنے نگاہ ڈالی، اور دوڑ تک نگاہ کو جھٹکا چلا گیا، پھر اپنے ندیموں سے گویا ہوا — ”سچ بتانا، کسی اور کو بھی یہ نعمتیں حاصل ہیں؟ میری طرح کامیاب و کام گار ختم نے کسی اور کو بھی دیکھا ہے؟ کیا قدرت کی طرف سے یہ نعمتیں کسی اور کو بھی بخشی گئیں، جن سے میں سرفراز فرمایا گیا ہوں؟“

حجاز کا ایک آدمی گویا ہوا، ”اے بادشاہ تو نے ایک بات پوچھی ہے، کیا میں جواب دوں؟“

”ہاں“ بادشاہ نے کہا۔

اس نے کہا، ”آپ اپنے پاس، اپنے ارد گرد، اپنے قبضے میں جو کچھ دیکھ رہے ہیں، کیا اسے لازوال سمجھتے ہیں؟ یا یہ ایسی چیز ہے جو کسی دوسرے سے آپ تک پہنچی ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ آپ سے چھنے گی، اور کسی دوسرے تک پہنچے گی“

بادشاہ نے کہا، ”بات تو ایسی ہی ہے“

آدمی بولا، ”پھر آپ کس چیز پر گھمنڈ کر رہے ہیں؟ ایسی چیز جس سے

لذت یابی بہت کم، جدائی یقینی اور غیر محدود، اور کل جس کا حساب بھی دینا پڑے گا؟“
بادشاہ نے کہا، ”خدا تجھے سمجھے، آخر تو کہنا کیا چاہتا ہے؟“
حجازی نے کہا، ”یہ کہ جب تک بادشاہت کرو، خدا کی اطاعت پیش نظر
رکھو، جو تمہارا پروردگار ہے، تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے، خوش رکھ سکتا ہے، تکلیفوں
میں مبتلا کر سکتا ہے، اپنی آتش غضب میں تمہیں بھون سکتا ہے، اور یا یہ تاج خسروی
اُتار دو، یہ شاہی پوشش ترک کر دو، جسم ڈھکنے کے لیے ایک چادر پہن کر خدا
کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ موت آجائے۔“

بادشاہ نے کہا، ”جب صبح ہو تو میری گنڈی کھٹکھٹاؤ، ان دو راستوں
میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کر لوں گا، اگر میں نے اپنی موجودہ حیثیت برقرار
رکھی تو تم میرے وزیر بادشاہ بنو گے، جس کی کوئی نافرمانی نہیں کر سکے گا، اور
اگر میں نے دوسرا راستہ چنا تو تم میرے ساتھی ہو گے،“

صبح ہوئی حجازی نے دروازہ کھٹکھٹایا، بادشاہ کے سر پر تاج شہر
یاری تھا، نہ جسم پر لباس خسروی، ایک چادر اس کا جسم ڈھانپے ہوئے تھی،
جہان گشتی کا وہ ارادہ کیے ہوئے تھا، حجازی اس کے ساتھ ہوا، اور دونوں
بلند و پست منزلیں طو کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک روز آغوشِ موت
میں جا سوائے۔“

یہ سن کر ہشام کے گریہ بے اختیار کا یہ عالم تھا کہ اس کی واڑھی آنسوؤں
سے تر تھی، خیمے کھول دیئے کا اس نے حکم دیا، اپنے عزیزوں، دوستوں، اصحاب
ندیموں اور سرداروں کو رخصت کر دیا، اور محل میں آکر ایک گوشے میں جم کر
بیٹھ گیا، ان لوگوں نے خالد بن صفوان سے کہا، تم نے امیر المومنین کا مزاکرہ
کر دیا، ہشام نے کہا، ”خاموش، میں نے عہد کیا ہے کہ جس بادشاہ سے

یلوں گا اس کو خدا کی یاد دلاؤں گا اسے پورا کرنے دو!

(۸) نغمے کا جادو!

مجدد اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوا، کئی کے امیر نے مجھے طلب کیا، میں رونا ہوا، شدید گرمی پڑ رہی تھی، راستے میں پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے، میں ایک میچے کے پاس پہنچا، اسود بیٹھا ہوا تھا، صراچیوں میں ٹھنڈا پانی بھرا ہوا رکھا تھا، اب میں اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکا، میں بے کہا،

”کیوں صاحب کیا میں پانی پی سکتا ہوں؟“

”ہرگز نہیں“

”کچھ دیر کے لیے نیچے میں ٹھہر سکتا ہوں؟“

”نہیں“

آخر میں نے اپنی اڈنٹنی بٹھائی اور اسی کے ساتھ میں پناہ گزیں ہو گیا، میں نے اپنے دل میں کہا، اگر اس امیر کو کچھ سناؤں تو شاید مطلب برآری ہو، اور گانے میں چوں کہ زبان حرکت کرے گی تو لعابِ دہن سے حلق بھی تر ہو جائے گا، اس طرح ممکن ہو پیاس بھی کم ہو جائے، اب میں نے اڈنٹنی کے زیر سایہ گنگنانا شروع کیا، میری آواز کانوں تک پہنچی، ابھی میں شعر بھی پورا نہیں کر چکا تھا کہ اسود آیا، اور اعزاز و احترام کے ساتھ مجھے اپنے نیچے میں لے گیا، کہنے لگا، ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، جو کے ستوا اور اب اسود سے شغل فرمائیے گا؟“ اسی خاطر داری میں شام ہو گئی، میں نے چلنے کی تیاری کی، کہنے لگا، ”اجازت ہو تو گلے میں مشکیزہ باندھ لوں، اور آپ کے

ناتقے کے ساتھ ساتھ دوڑوں، جب آپ پیا سے ہوں تو ٹھنڈا پانی پلاؤں، آپ مجھے گانا سناتے رہیے گا،
خدا کی قسم اس نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا، وہ مجھے پانی پلاتا رہا، میں آگے
گانا سناتا رہا، یہاں تک کہ منزل آگئی!

(۹) شاعر کا انتقام!

ہلال ابن اسعد عہدِ اسلامی کا مشہور شاعر گزرا ہے، دولت امویہ کے متنا
سخن وروں میں اس کا شمار ہوتا تھا، عباسی دورِ حکومت کا بھی کچھ حصہ اس
نے دیکھا ہے، نہایت بہادر، دلیر، بے باک، یا تو کسی پر ہاتھ ہی نہیں ڈالتا تھا
ڈال دیتا، تو اس کی گرفت سے چھٹنا محال تھا، اس کی خوش خوری بھی اس کے
نام کی طرح بڑھی ہوئی تھی، میدانِ جنگ کا سورا اور فنِ موسیقی کا ماہر تھا،
لبی عمر پائی، طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہو کر، راہی عدم ہوا، اپنے چہرے
مہرے کے اعتبار سے بھی وہ کچھ ایسا تھا، جس کی تصویر کشی الفاظ کے ذریعے
ممکن نہیں!

ایک روز دوپہر کا وقت تھا، دھوپ اتنی کرلی تھی کہ چیل انڈا چھوڑ
رہی تھی، اس حالت میں گھاٹ پر اپنے اونٹ کو پانی پلانے وہ چل نکلا،
کوہان پر ڈنڈے کی آڑ بنائی، اس پر اپنی چادر ڈال دی، سر اس چادر میں
ڈال لیا تاکہ پیش سے بچا رہے، وہ چلا جا رہا تھا کہ پاس سے بنی ہشتم اور
بنی فقیم کے قبیلوں کے دو شہسوار گزرے، یہ بھربن سے آ رہے تھے، ان
کے ساتھ کھجوروں کے ٹوکڑے تھے، ہلال ریگستان کے کونے کونے چلا جا رہا

تھا، جب یہ دونوں اس کے قریب پہنچے، تو یہ تو پہچان نہ سکے کہ ہلال ہو گمان کیا کوئی چرواہا ہو، اونٹ کو پانی پلٹلے لایا ہو، دونوں نے کہا، ”ابے چرواہے شراب ہو تو ہمیں بھی پلا،“ شاید وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ کسی قبیلے کا غلام ہو، ہلال نے چادر کے اندر سے جواب دیا، ”دیکھو وہ اونٹنی ہونا؟ اس پر دودھ پینے، سب کچھ ہو، اسے پکڑ لاؤ، جتنا جی چاہے پیو“ ایک شہ سوار بولا ”اٹھ جا کے تو خود لا“ ہلال نے کہا، ”اگر آپ کو ضرورت ہو، تو خود لائیے، دودھ اُتاریے، اور خوب پیجیے“ دوسرا شہ سوار بولا، ”تو بہت بد تمیز ہو، اٹھ، ہمیں پلا“ پھر وہ ہلال کے قریب پہنچا، ہلال اپنی چادر میں لپٹا لپٹایا پڑا تھا، کہنے لگا، ”چوں کہ آپ میں کے ایک صاحب مجھے بد تمیز فرما چکے ہیں لہذا اب میں آپ دونوں کو مزہ چکھاتا ہوں“ یہ سن کر ایک پہلوان آگے بڑھا، اور کس کے ایک کوڑا جما ہی تو دیا، ہلال نے کوڑا ہاتھ پر روکا، پہلوان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، اور اپنی ران کے نیچے ڈال کر، گھونسوں اور گھٹوں کا سلسلہ شروع کر دیا، اب پہلوان نے چلانا شروع کیا، ”مدد، مدد، مار ڈالا، میں مرا“ دوسرا پہلوان بھی آگے بڑھا، اس کی بھی ہیگت بنی، ہلال نے اسے بھی دوسری ران کے نیچے دبایا، پھر دونوں کی گردنیں پکڑ کے ایک دوسرے کے سر سے ٹکرائے لگا، وہ دونوں اتنے بے بس ہو چکے تھے کہ کسی طرح کی حرکت ممکن ہی نہیں تھی، آخر کہنے لگے، ”تم ہلال ہو تو ہمیں اس ذلت کی پروا نہیں“ ہلال نے کہا، ”ہاں میں ہلال ہوں، تم میرے پنجے سے رہائی نہیں پاسکتے، جب تک مجھ سے عہد نہ کرو کہ اب کسی پر زیادتی نہیں کرو گے“ پھر کہنا ”صرف یہی نہیں، بھرے پہنچو، تو باؤز بلند میرے تمہارے مابین جو کچھ گزری ہو اس کا اعتراف کرو،“ پہلوانوں نے یہ معاہدہ کر لیا، اپنی کھجوروں

کے ٹوکرے میں سے ہلال کو ایک ٹوکرہ دیا، پھر جب بصرے پہنچے، تو باواز بلند لوگوں کو بتایا کہ انھوں نے کیا کیا تھا، اور ہلال نے کیا کیا؟

(۱۰) امیر المومنین کے دربار تک!

دعمان الاشقر روایت کرتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان نے مجھے مکے کا گورنر مقرر کیا تھا، جاسوسوں نے اسے اطلاع دی کہ ایک سیاہ رؤش شخص، سعید بن مسیح قریش کے نوجوانوں کو بے راہ کر رہا ہے، اور وہ ادھا دھند اس پر اپنا مال و زر صرف کر رہے ہیں، مجھے عبد الملک نے لکھا کہ اس کے مال و دولت پر قبضہ کر لو، اور اس کو نکال باہر کر دو، میں نے ایسا ہی کیا، ابن مسیح نے شام کا رخ کیا، راستے میں اسے ایک آدمی ملا، جس کے ساتھ نازک اندام کینز میں تھیں، آدمی نے اس سے پوچھا، ”کہر جا رہے ہو؟“ ابن مسیح نے اپنا سارا ماجرا اسے سنایا اور کہا، ”شام جا رہا ہوں“ اس نے کہا، ”میرے ساتھ چلو گے؟“ ابن مسیح نے جواب دیا، ”بسرو حشم“ دونوں ساتھ ساتھ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ دمشق پہنچے، ایک مسجد میں داخل ہوئے، لوگوں سے دریافت کیا، امیر المومنین کی خدمت میں کون زیادہ رسوخ رکھتا ہے؟ لوگوں نے کہا، ”قریش کے چند افراد، اور امیر المومنین کے عم زاد بھائی، یہ سن کر ابن مسیح نے ادھر ادھر دیکھا، اور قریش نثراد لوگوں کے گردہ میں پہنچ گیا، جاتے ہی اُس نے کہا، ”کیوں نوجوان دوستو، کیا تم ایک ستم رسیدہ حجازی کو اپنا مہمان بناؤ گے؟“ وہ نوجوان ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، وہ کتنی کاٹنا چاہتے تھے، اس لیے کہ اس وقت وہ ایک

مغنیہ کے ہاں جانے والے تھے، جو برقی آفتق کے نام سے مشہور تھی، اس لیے ابن مسیح کو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے انھیں گراں گزرا، لیکن ایک نوجوان نے اپنے ساتھیوں کو اس طرز عمل پر ملامت کی، اور ابن مسیح سے کہا، "میں تمہیں اپنا مہمان بناتا ہوں" اور اپنے ساتھیوں سے کہا، "تم لوگ وہاں جاؤ، میں تو اپنے مہمان کے ساتھ جاؤں گا" اب تو ساتھی شرمندہ ہوئے، کہنے لگے "تم جاتے کیوں ہو؟ تم بھی چلو، اپنے مہمان کو بھی لے چلو" سب لوگ مغنیہ کے گھر روانہ ہوئے،

جب کھانا آیا اس وقت ان لوگوں سے ابن مسیح نے کہا، "میں ٹھہرا سیاہ رو، ممکن ہے آپ میں سے کسی صاحب کے لیے میں بارِ خاطر ثابت ہوں، لہذا میں تو ایک گوشے میں بیٹھ کر ناشتہ کر لوں گا" یہ کہہ کر وہ مجلس سے اٹھا اور دوڑ جا کر بیٹھ گیا، وہ لوگ ذرا شرمندہ تو ہوئے، لیکن کھانا وہیں بھیج دیا، جب شراب کا دور چلا، پھر یہی کیفیت پیش آئی، اس نے شراب بھی الگ گوشے میں بیٹھ کر پی لی، اب ان لوگوں کے حسبِ فساد و لوندیاں برآمد ہوئیں، ذرا بلندی پر ایک مسند بچھی ہوئی تھی، اگر وہیں بیٹھ گئیں، اور عشا کے وقت تک گاتی رہیں، پھر وہ پردے کے پیچھے چلی گئیں، اب ایک اور کینز برآمد ہوئی، حسین و جمیل، خوب رو اور خشک، اس کے ساتھ وہ دونوں لوندیاں بھی آئیں، یہ آتے ہی مسند پر ایک ادائے تمکنت سے بیٹھ گئی، اور وہ دونوں مسند سے نیچے، دائیں اور بائیں طرف بیٹھ گئیں، یہ منظر ————— ابن مسیح کہتا ہے ————— مجھے ایسا

بھایا کہ بے ساختہ ایک شعر موزوں ہو گیا، میں نے کہا،

"یہ سورج ہے، یا کلیسا کے روشن چراغ....."

یہی جو ابھی پردے کے پیچھے سے برآمد ہوا یا یہ ایک خواب ہے؟ یہ شعر سن کر،
 نئی کینز کہنے لگی، "یہ سوا کالا کلوما، ہم پر فقرے جڑے گا؟" حاضرین نے میری
 طرف نگاہ غضب سے دیکھا، جب وہ ذرا ٹھنڈی ہوئی، تو پھر گائے لگی، پھر
 مجھ سے ضبط نہ ہوا، اور بے ساختہ کلماتِ تحسین منہ سے نکل گئے، اب کینز کا
 مالک بھی بگڑنے لگا، تنگ اگر میرے میزبان نے کہا، "تم اس مجمع کے
 لیے گرانی کا سبب ہو، میرے گھر جاؤ، وہیں بیٹھو" میں جانے کے لیے
 اٹھا ہی تھا کہ کینز نے گانا شروع کر دیا، میں نے چلتے چلتے کہا، "غلط۔!
 اور عورت تو بے سُر گار رہی ہے" یہ کہہ کر میں نے تال سُر بٹھال کر ٹھیک
 لڑ میں گا کر بتایا، میرا گانا سن کر کینز اپنے آقا سے کہنے لگی، "خدا کی قسم ہونہ
 ہو یہ ابو عثمان، سعید بن مسیح ہیں" میں نے کہا، "ہاں میں ابن مسیح ہوں،
 لیکن اب یہاں نہیں ٹھہرنے کا" قرشی نوجوان میرے گرد جمع ہو گئے،
 ایک کہتا تھا، "یہ ہمارے پاس ٹھہرے گا" دوسرا لپکتا تھا، "نہیں یہ تو میرا
 مہمان ہے" تیسرا بولتا تھا، "واہ میرے سوا کون اسے ٹھہرا سکتا ہے؟" میں
 نے کہا، "میں تو تم سب کے سردار کے پاس ٹھہروں گا" یعنی جس نے
 مجھے اپنا مہمان بنایا تھا، اس نے کہا، "میں ہوں امیر المومنین کا ندیم، اگر
 تم حدی خوانی کر سکو تو خوب ہو، میرا مکان امیر المومنین کے قصر کے پائین
 واقع ہے، اگر میں نے دیکھا کہ اس وقت وہ خوش ہیں، تو میں اطلاع دوں گا"
 چنانچہ وہ امیر المومنین کے حضور میں پہنچا، انھیں ترنگ میں دیکھ کر
 اطلاع بھیجی، یہاں سے ابن مسیح پہنچا، اس نے وہاں پہنچتے ہی حدی خوانی
 شروع کر دی، آواز امیر المومنین تک بھی پہنچی، انھوں نے قرشی نوجوان
 سے پوچھا، "یہ کون ہے؟" "میرا ایک حجازی مہمان" قرشی نے جواب دیا،

امیر المومنین نے حکم دیا کہ وہ حاضر کیا جائے، ابن مسیح حاضر کیا گیا، امیر المومنین نے کہا "حدی خوانی کرو، ویسی ہی جیسی ساربان کرتے ہیں" ابن مسیح نے تعمیل ارشاد کی، امیر المومنین نے اس کے اور بھی کئی گانے سنے، اور بہت پسند کیے، فرمایا، "یقیناً تم اپنی قوم میں بہت ممتاز ہو، تم ہو کون؟ تمہارا نام کیا ہے؟" ابن مسیح نے کہا، "میں حفصہ کا ایک معتوب بارگاہ ہوں، میرا نام سعید بن مسیح ہے، میرا مال حجاز کے گورنر نے چھین لیا، اور مجھے جلا وطن کر دیا"

عبدالملک مسکرایا، اور گویا ہوا، "قریش کے نوجوان اگر اسے اپنی دولت دیے ڈالتے ہیں تو معذور ہیں"

یہ کہہ کر امیر المومنین نے، ابن مسیح کو پروانہ امن عطا فرمایا، اور گورنر کو حکم بھیج دیا کہ اس کا مال واپس کر دیا جائے، اور آئندہ اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے!

(۱۱) لکھ لٹ !

حارث بن سلیمان جھمی بیان کرتے ہیں کہ میں سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں حاضر ہوا، وہاں سعید بن خالد بن عمرو بن عثمان بن عفان بھی پہنچے، کہنے لگے، "امیر المومنین میں فریاد لے کر حاضر ہوا ہوں"

"وہ کیا ہے؟" امیر المومنین نے کہا،

"موسیٰ بن شہوات کے خلاف"

"انہوں نے کیا کیا ہے؟"

"میری آبروریزی کی اور مجھے ذلیل کیا"

امیر المومنین نے اسی وقت موسیٰ کو بلوایا، وہ فوراً حاضر کیے گئے، پوچھا،
 ”تم نے سعید کو اذیت دی“ اسے ذلیل کیا؟“
 ”امیر المومنین میں نے ایسا تو نہیں کیا، ہاں ان کے برادر عم زاد
 کی مدح کی، اور یہ خفا ہو گئے“
 ”یہ کیوں کر؟“

”ایک کینز سے مجھے محبت ہو گئی، میرے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ
 اسے خرید سکتا، میں ان کے پاس پہنچا، یہ میرے دوست تھے، ان سے مدد
 چاہی، لیکن یہ کچھ بھی نہ کر سکے، پھر میں ان کے برادر عم زاد سعید بن خالد بن
 عبد اللہ کے پاس پہنچا، اور ان سے مدد چاہی، انھوں نے میری سنی، اور کہا،
 پھر آتا، تین دن کے بعد میں پھر گیا، بڑی آؤ بھگت کی، اپنی مجلس میں بٹھایا، پھر
 غلام سے کہا، جاؤ، چودھراؤن سے کہو میری امانت دے جاؤ، اتنے میں دروان
 گھلا، اور ایک کینز نمودار ہوئی، انھوں نے مجھ سے پوچھا، ”یہی وہ کینز ہے؟“ میں
 نے کہا، ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہی ہے!“ پھر غلام سے کہا، ذرا
 چودھراؤن سے کہہ دے، میری ہمیانی دے جائے، ہمیانی کھولی گئی، تو اس
 میں سے ستودینار نکلے، پھر کہا میرا صندوق! وہ بھی لایا گیا، پھر کہا بستر! اعلیٰ
 درجے کا بستر بھی لایا گیا، پھر مجھ سے کہا، ”یہ سب کچھ تمہارا ہے، جس طرح چاہو
 برتو“

سلیمان بن عبد الملک نے کہا: ”اسی لیے تم ان کی مدح کرتے ہو؟ کیا
 مدح کی تم نے؟“

لہ قید عربی زبان میں اس عورت کو کہتے ہیں جو گھر کے تمام معاملات کی نگرانی اور ذمے دار
 ہوتی ہے، میں نے اس مفہوم کو چودھراؤن سے ادا کیا ہے۔

میں نے کہا، عرض کیا ہے۔

”سعید دریادلی اور سخاوت کا دم ساز ہے، جب تک وہ زندہ ہے،
سخاوت اس کی رفاقت پر نازاں ہے، اگر وہ مر جائے، تو پھر سخاوت
کسی کو اپنا دم ساز نہیں بنا سکتی۔“

یہ اشعار سن کر سلیمان نے غلام کو ٹھکم دیا کہ سعید بن خالد کو حاضر کیا
جائے، وہ فوراً حاضر دربار ہوئے، امیر المومنین نے پوچھا،
”موسیٰ نے تمہاری جو مدح کی ہے وہ صحیح ہے؟“
”وہ کیا امیر المومنین؟“

خلیفہ نے موسیٰ کا بیان دہرایا، سعید بن خالد نے کہا، ”یہ صحیح ہے امیر المومنین“
سعید کی تائید سن کر پھر خلیفہ نے پوچھا، ”اس سخاوت کے مصارف کہاں
سے آئے تھے؟“

”تیس ہزار دینار میں نے قرض لیے تھے“
”تیس ہزار؟ اچھا، تمہیں خزانے سے ایک لاکھ دینار دیے
جائیں“

اس کی فوراً تعمیل ہوئی،

چند روز کے بعد میری سعید سے ملاقات ہوئی، میں نے پوچھا، ”کہو
امیر المومنین سے جو رقم ملی تھی، اس کا کیا کیا؟“
جواب دیا، ”اب تو میرے پاس صرف پچاس دینار رہ گئے ہیں“
”سب خرچ کر دیے؟“
”ہاں کچھ دوستوں کی نذر ہو گئے، کچھ حاجت مندوں کے؟“

(۱۲) برکلی خاندان کی فیاضی!

مخارق کا بیان ہے کہ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی، ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، امیر المومنین ہاروں رشید جلوس فرماتے، میں نے کہا، اس وقت بے اختیار میرا جی چاہ رہا ہے کہ اپنے استاد ابراہیم موصلی کی خدمت میں حاضر ہوں، میں ابراہیم کے ہاں پہنچا، دروازہ کھلا ہوا تھا، درہیز پر دربان ایستادہ تھا، میں نے اس سے پوچھا، ”استاد کا کیا حال ہے؟“ آئے اندر آئے، میں اندر پہنچا، استاد بیٹھے ہوئے تھے، سامنے کچھ بانڈیاں رکھی ہوئی تھیں، جو کھد کھدا رہی تھیں، دو تین لوٹے بھی رکھے ہوئے تھے، ایک ستار بھی تھا، پردے کے پیچھے کچھ لونڈیاں تھیں، سامنے ایک کشتی تھی، جس میں قرینے سے جام، پیالہ اور ساغر رکھا ہوا تھا، میں گنگناتا ہوا داخل ہوا، میں نے کہا ستار رکھنے سے فائدہ؟ اس میں سے راگ تو نکلتا ہی نہیں،“ استاد نے کہا، ”بیٹھو تو، مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہ میرے پڑوس میں جو جائداد ہے، ایک لاکھ درہم میں فروخت ہو رہی ہے، خدا جانتا ہے عرصہ دراز سے میں یہ آرزو لیے بیٹھا ہوں، کہ اس جائداد کو خرید لوں، اب موقع آیا ہے“ میں نے کہا، ”تو یہ کون سا شکل کام ہے، خدا نے آپ کو اس سے کہیں زیادہ دولت عطا فرمائی ہے؟“

”ہاں یہ سچ ہے، لیکن مجھے یہ پسند نہیں ہے جو رقم جمع ہو چکی، اس میں سے کچھ نکالوں“

”پھر اس وقت ایک لاکھ درہم آپ کو کون دے گا؟“

یہ تو خود رشید سے بھی ملنے کی امید نہیں ہے چہ جائے کہ کوئی اور دے سکے۔“

”میں نے یہ راگ ایجاد کیا ہے، اسے سمجھو“

استاد سارے کر بیٹھ گئے، یہ شعر پینے نئے راگ کے ساتھ انھوں نے

گایا۔

”رفقا تو ہجوم یاس و الم میں بھی سو رہے، مگر فرط غم سے میری
آنکھ نہیں لگتی۔“

اگر تجھ بخشش کی، منفعت کی، دولت کی طلب ہو، تو یحییٰ کے دروازے

پر جا، وہ جو دو کرم کا حلیف ہو !

استاد نے کہا، اب تم وزیر الوزرا یحییٰ برکی کے در دولت پر جاؤ، تم دیکھو

گے وہاں لوگوں کا اتنا تنگنا ہوا ہے، دروازے پر کوئی قدر نہیں ہے، تم جلدی

سے یحییٰ کے قریب، قبل اس کے کہ کوئی دوسرا پہنچے، پہنچ جانا، اگر وہ پوچھیں

تو سارا ہجر کہ دینا، اور کہنا، میں چاہتا ہوں آپ کی فلاں کینزرا سے ازبر کرے،

یحییٰ اسے بلانے گا، اور تم سے کہے گا اسے میرے سامنے سکھاؤ، پھر جو کچھ

گزرے، مجھے آکر بتانا۔

میں یحییٰ کے در دولت پر پہنچا، اور استاد کی ہدایت کے مطابق عمل پیرا

ہوا، وہی پیش آیا جو استاد نے بتایا تھا، جب میں کینزرا کو گانا سکھا چکا تو یحییٰ

نے مجھ سے پوچھا،

”ٹھہرو گے یا جاؤ گے؟“

”اب جانے کی اجازت چاہتا ہوں“

یحییٰ نے جائیداد کی قیمت ایک لاکھ درہم فوراً استاد کو بھجوا دی، اور

دس ہزار درہم مجھے عنایت کیے، میں رُپڑے لے کر اپنے گھر چلا گیا، اپنی خوش

اداکینزروں کے سامنے یہ دولت فراوان میں نے ڈھیر کر دی، مسند پر ٹھاٹھ سے

سکیہ لگا کے بیٹھ گیا، اور شراب و کباب میں مصروف ہو گیا، سارا دن کیف و

طرب کے عالم میں گزر گیا،

دوسرے دن میں نے کہا، لاؤ، ذرا استاد کو دیکھتے چلیں، میں پہنچا، وہی گل کا سماں آج بھی تھا، میں نے دیکھا، استاد کچھ منہ پٹھلائے بیٹھے ہیں، پوچھا، ”آپ کو ایک لاکھ درہم نہیں پہنچے؟“

”پہنچے تو“

”پھر؟“

”تم پر گل کیا گزری یہ تو کہو؟“

میں نے سارا قصہ کہ سنایا، پھر میں نے پوچھا، ”اس پردے کے پیچھے کیا ہے؟“ استاد نے کہا، ”دیکھ لو“ میں نے پردہ اٹھایا تو گل والی دستس تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں، ”پھر اب جائداد کیوں نہیں خرید لیتے! استاد؟“ فرمایا ”جو چیز گھر میں آگئی، وہ باہر نہیں نکلتی“

”پھر کیا ہوگا؟“

”ایک اور نیا راگ سیکھو“

میں استاد کے پاس بیٹھ گیا، اور یہ نیا راگ بھی سیکھ لیا، استاد کی آواز سنی، تو معلوم ہوا، یہ راگ، یہ آواز، یہ سوز، بالکل نیا ہے، پہلے جو کچھ سنا تھا، وہ اس کے مقابلے میں بالکل ہیچ تھا، استاد نے فرمایا، ”لے اب اٹھو، اور سیدھے فضل بن یحییٰ برکی کے پاس جاؤ، تمہیں معلوم ہوگا، وہاں باریاب ہونے کی کسی کو اجازت نہیں ہے، لیکن تم اجازت طلب کر کے جانا، اور میری ساری کتھا سنانا، گل کا قصہ کہنا اور یہ بھی بتانا کہ اس کے باپ نے میرے اور تمہارے ساتھ گل کیسی دریا دلی دکھائی، پھر اسے بتانا کہ یہ میرا نیا راگ گل کے مقابلے میں کتنا اعلیٰ درجے کا ہے، اور میں نے تمہیں اس لیے بھیجا ہے،“

کہ تم اس کی کسی کینز کو یہ سکھا دو، یہ ہدایتیں لے کر میں فضل بن بیچی کے در دولت پر گیا، اجازت لے کر اس کے پاس پہنچا، پوچھا، ”کیا بات ہے؟“ میں نے گل کی ساری رام کہانی سنا ڈالی، کہا، ”خدا ابراہیم کو غارت کرے، بڑا کجس ہے“ پھر اس نے ایک خادم کو بلوایا، وہ ستار لے کر بیٹھا، اور میں نے ”ملقین“ شروع کر دی، میں ابھی اپنا گانا پورا بھی نہ کرنے پایا تھا کہ فضل ستار کے سامنے اپنی مندر پر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا، ”خدا کی قسم خوارقِ تھاری اور تھارے استاد ابراہیم موصلی کی تعریف نہیں ہو سکتی، تم ایک دن میرے پاس ٹھہر کیوں نہیں جاتے؟“ میں نے معذرت کی، فضل نے فوراً، ”بس ہزار درہم مجھے عنایت کیے، اور دو لاکھ درہم استاد کے پاس بھیج دیے، میں تو اپنے درہم لے کر گھر پر پہنچا، تھیلیاں کھولیں، اور کینزوں کے سامنے ڈھیر کر دیں شراب کے دور چلے، کیف و سرور کی دنیا میں، میں کھو گیا،“

صبح ہوئی تو میں نے پھر ”خانہ استاد کا رخ کیا، جس رنگ میں گل تھے، اسی میں آج منہ جھلائے بیٹھے تھے، میں گنگنا ہوا داخل ہوا، استاد نے کہا، ”قریب آؤ“

”فرمائیے“

”یہ پردہ اٹھاؤ“

میں نے پردہ اٹھایا، نوکل کی اور پرسوں کی تھیلیاں جوں کی توں رکھی ہوئی ہیں، میں نے پوچھا،

”یہ کیا؟“

”کبخت جانتا نہیں، جوڑ پیہ میرے پاس آگیا وہ پھر باہر نہیں جاتا“

”میں نہیں سمجھ سکتا کوئی ایسا آدمی بھی ہو سکتا ہے جسے اتنی دولت ملے اور پھر اپنی محبوب و مرغوب چیز کنجوسی کی وجہ سے نہ لے سکے“

”بیٹھو بیٹھو، یہ نیا راگ سیکھو“

اب استاد نے اپنے نئے راگ کی مجھے تعلیم دی، خدا کی قسم پہلے کے دونوں راگ گویا اس کے آگے میں بھول گیا، استاد نے پوچھا،
”سچ کہنا ایسا راگ کبھی سنا ہے؟“
”کبھی نہیں استاد“

”اب تم جعفر برکی کے پاس جاؤ“

میرے لیے چارہ کار ہی کیا تھا، روانہ ہوا، جعفر کو میں نے یحییٰ اور فضل کے ہاں کا سارا قصہ سنایا، پھر استاد کا نیا راگ بھی سنایا، جعفر بہت مسرور ہوا، فوراً سازندے طلب ہوئے، ایک کنیز بلوائی گئی، خود جعفر ایک مہر گڑھی پر بیٹھ گیا، اور کہا، ”ہاں مہارق شروع کرو“ میں نے تعمیل کی، جعفر نے کہا ”مہارق تم خوب گائے، اور تمہارے استاد نے بہت خوب راگ ایجاد کیا، آج یہیں کیوں نہ رہ جاؤ؟“ میں نے عذر کیا جو مسرور ہوا، خزانچی کو حکم ہوا کہ مجھے تیس ہزار درہم دیے جائیں، اور ابراہیم کے پاس تین لاکھ درہم فوراً بھیج دیے جائیں، میں تو حسب معمول یہ دولت کثیر لے کر گھر پہنچا، دوستوں اور رفیقوں کے ساتھ خوب رنگ رلیاں منائیں، سارا وقت عیش و طرب میں گزر گیا،

صبح ہوئی تو میں پھر استاد کے ہاں پہنچا، وہ ٹہل رہے تھے، کہنے

لگے،

”مخارق شاباش“

”کیا ہوا؟“

”بیٹھو“

میں بیٹھ گیا، پھر پردہ اٹھایا، دیکھتا کیا ہوں، درہم ہی درہم رکھے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا،

”جانماد کا کیا ہوا؟“

استاد نے ایک کاغذ نکالا، اور میرے سامنے رکھ دیا، فرمایا، ”یہ ہر جانماد کا قبالہ اسے یحییٰ بن خالد برکی نے خریدا، اور مجھے بخش دیا، اس کے ساتھ ایک خط بھی لکھا ہے، وہ بھی دیکھ لو۔“

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہ جانماد خواہ تمہیں کتنا ہی رُپیہ

مل جائے، خود نہیں خریدو گے، میں اس جانماد کو خرید کر قبالہ

تمہیں بھیج رہا ہوں۔“

یہ خط اور قبالہ دکھا کر، ابراہیم رونے لگا، کہنے لگا، ”مخارق، انہی لوگوں کے ساتھ زندگی کا مسرور رہنے کا، اور اٹھنے بیٹھنے کا لطف ہے، یہ دیکھ چھو لاکھ درہم، ایک لاکھ کی جانماد، اور ساٹھ ہزار درہم تیرے، یہ سب میں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے حاصل کر لیے، ایسے قدر دان قسمت ہی سے ملتے ہیں!“

(۱۳) مغنی اور شاہ زادے کی جھڑپ!

تماد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں (اسحق موصلی) خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، خلیفہ کے ارد گرد مصاحبوں، تدیہوں، اور

رفیقوں کا جگمگٹ تھا، انھی لوگوں میں ابراہیم بن مہدی بھی تھا، مجھ سے ہاروں
 رشید نے کہا، "اسحق! کچھ سناؤ!" میں حکم بجالایا، ابراہیم بن مہدی نے مجھ
 سے کہا، "اسحق! یہ بھی کوئی گانا تھا؟" میں نے جواب دیا، "یہ وہ فن نہیں
 ہے جو جناب کی تحسین و تعریف کا متحمل ہو سکے، اگر آپ کو امتحان منظور ہے تو
 بسم اللہ آپ بھی گائیے، اگر ذرا بھی بڑھنے دوں تو اپنا خون معاف کرتا ہوں"
 پھر میں امیر المومنین کی طرف مخاطب ہوا، میں نے عرض کیا، "یا امیر المومنین
 یہ جو کچھ بھی ہے میرا اور میرے باپ کا فن ہے، اسی فن کی بدولت ہمیں حضور
 سے تقرب حاصل ہوا، حضور نے ہمیں اپنی خدمت پر مامور فرمایا، گویا
 ہماری رسائی فرش سے عرش تک ہو گئی، اب اگر کوئی شخص بے جا نے بوجھے
 ہم سے جھگڑے تو ہمارے لیے مدافعت اور تشریح لازم ہو جاتی ہے" امیر المومنین
 نے فرمایا، "ہاں، ہاں، تم کوئی خیال مت کرو"

کچھ دیر کے بعد خلیفہ اٹھ کر چلا گیا، ابراہیم بن مہدی نے مجھ سے کہا،
 "تیری یہ جرأت کہ مجھ پر زبان کھولے؟" یہ سن کر مجھ میں یارائے ضبط نہ رہا،
 میں نے کہا، "آپ نے مجھے بڑا بھلا کہا، لیکن میں آپ کو جواب دینے پر
 قادر نہیں، آپ ٹھہرے خلیفہ کے بیٹے، اور خلیفہ کے بھائی، اگر آپ کو یہ
 خصوصیت حاصل نہ ہوتی، تو میں بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتا، اگر میں بھی
 برابر کا جواب دوں، تو آپ کے ماموں کا بھی ذکر کروں، ان کے بیٹے کا بھی
 بیان کروں۔" یہ سب کہہ کر میں خاموش ہو گیا، پھر میں نے دل میں خیال
 کیا، یہ خلیفہ سے بے میری شکایت کیے نہ مانے گا، میں نے خیال کیا کہ اب
 تلافی کی کوئی صورت نکالنا چاہیے، اس لیے میں نے کہا، "آپ کو شاید

لہ کہتے ہیں وہ سلوتری تھا!

یہ گمان ہو کہ خلافت آپ کی طرف منتقل ہوگی، اسی لیے آپ ہمیشہ مجھے اور نیز دیگر خیر خواہان دولت کو دھمکاتے رہتے ہیں، لیکن مجھے خدا سے امید ہے کہ خلافت رشید، اور اس کی اولاد ہی کے ہاتھ میں رہے گی، اور اگر خدا نخواستہ کسی طرح آپ خلیفہ بن گئے، تو اس دن سے زندگی میرے لیے حرام ہو جائے گی، اور موت زندگی سے کہیں زیادہ خوش گوار ہوگی، تب آپ کا جو جی چاہے کر لیجیے گا۔“

جب ہاروں رشید پھر مجلس میں جلوہ لگن ہوا، تو ابراہیم بن مہدی فوراً اٹھا، اور خلیفہ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، کہنے لگا، ”یا امیر المؤمنین، اسٹیج نے مجھے گالی دی، میری ماں کا بڑی طرح ذکر کیا، مجھے شرمندہ اور ذلیل کیا،“ یہ سن کر خلیفہ کا چہرہ دفور غضب سے تپتا اٹھا، اس نے مجھ سے پوچھا،

”اسٹیج! یہ سچ ہے؟“

”امیر المؤمنین، حاضرین سے دریافت فرمایا جائے“

خلیفہ نے اپنے وفادار غلاموں، مسرور، اور حسین سے واقعہ دریافت کیا، دونوں نے بے کم و کاست ساری سرگزشت سنانا شروع کی، میں دیکھ رہا تھا، خلیفہ کا چہرہ جوش غضب سے سُرخ ہوا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ دونوں خلافت کے ذکر تک پہنچے، خوشی سے خلیفہ کا چہرہ دمک اٹھا، امیر المؤمنین نے ابراہیم سے کہا، ”اسٹیج کی کوئی خطا نہیں ہے، تم نے اسے برا بھلا کہا، اس نے تمہیں جتا دیا کہ وہ تمہارے جواب پر قادر نہیں ہے، چلو، اپنی جگہ بیٹھو“

جب مجلس برخواست ہو گئی، اور لوگ اٹھ اٹھ کے جانے لگے، امیر المؤمنین نے مجھے حکم دیا کہ بیٹھا رہوں، یہاں تک کہ سب لوگ چلے گئے اور میں اکیلا باقی رہ گیا اب میرے دل میں طرح طرح کے دوسوے پیدا

ہونے لگے، امیر المومنین نے کہا، "اسحق! تم سمجھتے ہو میں تمہاری باتوں کی تہ تک نہیں پہنچا؟ خدا کی قسم تم نے ابراہیم کو گالیاں دیں، اب تم ہی سوچو کہ اگر وہ تمہاری جان لے لے تو کیا میں اس سے تمہارا بدلہ لے سکوں گا؟ نادان، اگر وہ اپنے غلاموں کو حکم دے، اور وہ تجھے قتل کر ڈالیں تو کیا میں تیرے بدلے میں اسے قتل کر سکوں گا؟" میں نے کہا، "یا امیر المومنین، آپ نے ان باتوں سے مجھے قتل کروا دیا یہ باتیں کہیں ابراہیم سن لے، تو مجھے ذبح ہی کر ڈالے گا، اور مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ کسی نہ کسی طرح ابھی یہ باتیں اس تک پہنچ جائیں گی۔ خلیفہ نے یہ سن کر مسرور کو حکم دیا، ابراہیم کو ابھی لے کر آؤ۔ خلیفہ نے اس سے کہا، "تمہیں کیا حق تھا کہ تم نے میرے خادم، میرے ندیم، میرے رفیق کو میری مجلس میں ذلیل کیا؟ تم نے میرے سامنے سخت کلامی کی، میرے سامنے اسے حقیر کیا، تم کیا جانو گا نا کسے کہتے ہیں؟ ذرا کچھ سیکھ لیا، اور اپنے تئیں فاضلِ دوراں سمجھنے لگے؟ کیا یہ بات تمہاری کم سوادی پر دال نہیں ہے؟

خلیفہ نے پھر کہا، "خدا کی قسم، اس کے رسول کی قسم اگر کسی نے اسحق کو گزند پہنچایا، یا اس پر مکان کی چھت گر پڑی، یا دغمت وہ مر گیا، تو یہ یاد رکھو، تمہیں بے قتل کیے نہیں چھوڑوں گا، اتنا میں جتائے دیتا ہوں، آگے تم جانو اور تمہارا کام"

ابراہیم وہاں سے اٹھا، یہ معلوم ہوتا تھا اسے موت گھسیٹے لیے جا

رہی ہے۔

ایک روز میں خلیفہ کے حضور میں حاضر تھا، ابراہیم بھی بیٹھا تھا، خلیفہ نے وزدیدہ نظروں سے اسے پھر مجھے دیکھا، مسکرایا، پھر ابراہیم سے کہا،

”برادر عزیز، میں جانتا ہوں تمہیں اسحق سے اُنس ہے، تم اس سے سیکھنا چاہتے ہو، تم اس کا حق پہچانو، پھر اسحق تم سے آنکھیں پھیرے تو خود اپنے حق میں کانٹے بونے گا“ پھر مجھ سے ارشاد ہوا، ”اسحق اٹھو، اپنے آقا کے پاس آؤ، اپنے آقا اور آقا زادے کی پیشانی چومو“ اس طرح ہاروں نے ہمارے مابین صلح کرادی!

(۱۴) راگ کی چوری!

ایک روز خلیفہ ہاروں رشید نے اپنے وزیر جعفر برکی سے کہا، ایک طویل عرصہ گزر گیا، اپنے مخصوص مغنیوں کا گانا ہم سُن رہے ہیں، طبیعت اکتا گئی، آؤ ہم لوگ آپس میں چند گویوں کو بانٹ لیں، ہر گویے کے مقابلے میں ایک گویا رکھا جائے، پھر دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے؟

اس قرارداد کے مطابق ابن جامع خلیفہ کے حلقے میں پڑا، اور ابراہیم موصلی جعفر کے پتلے میں دربار کے سربر آوردہ اصحاب ان دونوں کا امتحان کرنے پر مامور ہوئے، ہاروں نے ابن جامع کو حکم دیا، اس نے ایک راگ سُنا یا اور ایسا سُنا یا کہ ساری مجلس پر سُنا نا چھا گیا، رشید بے انتہا خوش ہوا، ابراہیم موصلی سے کہا، ”اب تم یہی راگ سُنا سکتے ہو؟“ ابراہیم بولا، ”نہیں امیر المومنین میں یہ راگ نہیں جانتا“ رشید نے جعفر سے کہا، ”یہ پہلی شکست تمہیں ملی“ پھر اسمعیل بن جامع کو حکم دیا، ”شروع کر“ اب ابن جامع نے دوسرا راگ الپا، یہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ بہتر و برتر تھا، رشید نے ابراہیم سے کہا، ”کہو ابراہیم! اسے گاؤ گے؟“ ابراہیم نے پھر سعادت

کی، خلیفہ نے کہا، "جعفر تمہیں دو ہزیمتیں اٹھانا پڑیں" — ابن جامع!
تیسرا راگ شروع کرو! اب پھر ابن جامع نے شروع کیا، یہ تیسرا راگ پہلے
دونوں راگوں سے بھی کہیں زیادہ بڑھا چڑھا تھا، خلیفہ نے ابراہیم سے کہا،
"اب کیا کہتے ہو؟" ابراہیم نے پھر معذوری ظاہر کی

جعفر نے ابراہیم سے کہا، "کم بخت تو نے مجھے بہت ذلیل کیا"
خلیفہ نے ابن جامع کو، بہت سے انعامات و تحائف عطا فرمائے، خلعتِ
فاخرہ دیا، ابراہیم سرنگوں بیٹھا یہ سرفرازیں دیکھتا رہا، یہاں تک کہ مجلس
برخواست ہو گئی

ابراہیم اپنے گھر پہنچا، اور اسی وقت آدمی بھیج کر محمد زف کو بلوایا،
یہ بھی بہت اچھا گویا تھا، اور دوسرے کے راگ تا بڑ توڑ نقل کر لینے میں
تو اسے کمال حاصل تھا، ایک مرتبہ کوئی راگ کسی کاٹن لے، بس وہ حفظاً
رشید کسی بات پر اس سے خفا تھا، اس لیے اس کو اس کے گھر میں نظر بند کر
دیا تھا، ابراہیم نے محمد سے کہا، "میں نے تمہیں ایک خاص کام کے لیے
منتخب کیا ہے، تمہارے سوا کوئی اسے نہیں کر سکتا، کہو کیا کہتے ہو؟ کرو گے؟"
"آپ کی محنت و شفقت مجھ سے ہر کام کرا لے گی ابراہیم نے اُسے سارا
ماجرا سنایا، اور کہا، "میں چاہتا ہوں تم اس وقت ابن جامع کے پاس جاؤ،
اور اس پر ظاہر کرو کہ مجھ پر اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس پر مبارک باد
دینے آئے ہو، پھر میری خوب بُرائیاں کرو، جہاں تک ہو سکے گن گن کر میرے
عیب نکالو، جب وہ ڈھرتے پر آجائے، تو اس کے خاص راگ اس سے
سنو، انھیں برزبان کر لو، پھر جو کچھ مال و دولت مجھ سے چاہو گے میں
دوں گا، خلیفہ کو بھی تم سے راضی کرا دوں گا، یہ میرا ذمہ —"

ابراہیم سے پٹی پڑھ کر محمد۔ ابن جامع کے ہاں روانہ ہوا، وہاں پہنچا، سلام کیا، اور کہا، ”مجھے آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا، بے حد مسرت ہوئی، مبارک باد دینے حاضر ہوا ہوں، خدا کا شکر ہے اس نے آپ کے ہاتھوں ابراہیم کو ذلیل کیا، ابن جامع نے کہا

”تمہیں یہ خبر مل چکی ہے؟“

”سارے شہر میں پھیل چکی ہے“

”ابراہیم تو اب نظروں سے گریا ہوگا؟“

”بالکل!“

محمد نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں کہا، ”استاد کچھ مجھے بھی سکھائیے، میرے کان بھی آپ کی زبان سے کچھ سن لیں، تاکہ مجھے یہ شرف حاصل ہو جائے کہ میں نے آپ کو سنا ہے، آپ سے روایت کرتا ہوں، میرا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے۔ ابن جامع یہ باتیں سن کر پھول گیا، خوشی کے مارے محمد زون کو کھانا کھلایا، بہترین شراب پلائی، خود بھی پی، پھر ترنگ میں آکر اپنا راگ سنایا، محمد بھی اسی کی ڈمیں اپنی ڈملائے لگا، یہاں تک کہ اسے ازبر کر لیا، پھر دوسرے راگ کی فرمائش کی، اسے بھی اس نے یاد کر لیا، اسی طرح تیسرا راگ بھی حفظ کر لیا، جب یہ تینوں راگ وہ یاد کر چکا، تو کہنے لگا،

”استاد میری آرزو پوری ہوئی، اب اجازت ہو تو جاؤں؟“

”اچھا تم جا سکتے ہو!“

محمد زون، ابن جامع کے ہاں سے نکل کر، سیدھا ابراہیم کے ہاں پہنچا، اس

نے پوچھا، ”کہو کیا خبر لائے؟“

”جو آپ چاہتے تھے“

محمد نے ایک ایک کر کے تینوں راگ مناد لیے، ابراہیم نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، محمد تو اپنے گھر چلا گیا، دوسرے دن ابراہیم خلیفہ کے دربار میں پہنچا، جب گویوں کی طلبی ہوئی، یہ بھی پہنچ گیا، خلیفہ نے کہا، "اب بھی تم اپنے تئیں اپنی جگہ بیٹھنے کا مستحق سمجھتے ہو، حالاں کہ ابن جامع سے ہار چکے ہو؟ تم کو کم سے کم ایک مہینے تک شرم کے مارے گھر سے باہر نہ نکلنا چاہیے تھا۔"

"اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟"

"کہو"

"میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ آپ کو کسی بات میں خوش دیکھوں اور پھر اس کے خلاف کروں، میں جان رہا تھا ابن جامع آپ کے حصے میں آیا تھا، پھر میں کیسے برابری کرتا؟ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی راگ ایسا نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں، یا نہ گا سکتا ہوں،" خلیفہ نے کہا، "یہ باتیں چھوڑو، ابھی کل تو تم اپنی نارسائی کا اقرار کر چکے ہو، اگر وہ غلط تھا، تو اب سہی، سنلتے ہو؟" ابراہیم ابن جامع کے راگ کو اپنے لگا۔ ابن جامع بڑی توجہ سے کان لگائے سن رہا تھا، اب اس سے ضبط نہ ہو سکا، کہنے لگا، "میں حلف اٹھاتا ہوں کہ ابراہیم نے نہ یہ راگ خود ایجاد کیے ہیں، نہ کسی سے سنے ہیں، میرے سوا ان کا کوئی بھی جانتے والا نہیں ہے،" ابراہیم نے کہا، "عجیب بات ہے، یہ آپ کیسے کہ رہے ہیں؟" خلیفہ نے ابراہیم سے کہا، "میں تمہیں اپنے سر کی قسم دیتا ہوں، سچ کہ دو، معاملہ کیا ہے؟" ابراہیم نے کہا، "امیر المومنین سچ تو یہ ہے کہ میں نے ابن جامع کو اسی کے داؤں سے زیر کیا ہے، میں نے اس کے پاس محمد کو بھیجا اور اسے اس بات کی ضمانت دی کہ اگر وہ ابن جامع کو چر کہ دے کہ اس کے راگ یاد کر لایا، اور مجھے ویسے

ہی کے ویسے سنا دیے، تو میں امیر المومنین کو اس سے راضی کر دوں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، میں نے اس سے یہ راگ حاصل کر لیے، ورنہ واقعہ تو یہ ہو کہ یہ راگ بہت قدیم زمانے کے ہیں، میں انھیں بالکل نہیں جانتا تھا۔“
رشید نے کہا: ”ابراہیم تم نے سچ کہا، پھر اس نے محمد زف کو طلب کیا اور اس کی خطا معاف کر دی!“

ابراہیم نے کہا، ”اگر مجھ پر یہ لازم آتا ہو کہ میں ابنِ جامع کے ہر راگ کو جانوں، تو اس پر بھی یہ لازم آتا ہو کہ میرا ہر راگ جانے، اسی طرح ہر گویے کو ایک دوسرے کے راگوں کا عالم ہونا چاہیے، اور اگر کوئی اس معیار پر پورا نہ اترے تو اسے ذلیل کیا جائے، یہ کہاں کا انصاف ہو؟“
رشید نے کہا، ”ٹھیک کہتے ہو!“ پھر مجلس برخواست ہو گئی!

(۱۵) میٹھی برکی کی فیاضی!

احمد بن یحییٰ کی بیان کرتے ہیں کہ فضل بن ریح نے مجھے، علویہ اور خارق کو بلوایا جب ہم لوگ اس کے پاس پہنچے تو اس نے اسحق موصلی کو ایک رقعہ بھیجا، جس میں ہم لوگوں کے اجتماع کا ذکر کر کے اسے بھی اپنے پاس بلایا، اسحق نے جواب دیا:-

”دسترخوان پر میرا انتظار نہ کیجیے، میں کھانے سے فارغ ہو چکا ہوں، ایک گھنٹے کے بعد حاضر مجلس ہوتا ہوں۔“

یہ جواب پا کے ہم لوگ اکل و شرب میں مصروف ہوئے، اور عصر کے وقت تک کھاتے پیتے رہے، اتنے میں اسحق آیا، اس کے ساتھ اس کا

غلام بھی آیا، جو بنیند کا ایک قرا بہ لیے ہوئے تھا، غلام نے قرا بہ ایک گوشے میں رکھ دیا، اسختی نے حکم دیا، ”ہاں دور چلے علویہ، فضل بن ربیع کو اس کا مرغوب اور پسندیدہ گانا سنارہا تھا، اسختی نے کہا، ”میاں یہ راگ تم سے کچھ چلا نہیں، میں اس کی اصلاح کروں گا“ یہ سننے ہی علویہ کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی، پھر ہی تو پڑا، اسختی نے اس کا یہ رنگ دیکھ کر کہا ”دوست میرا مذاہا یہ نہیں تھا کہ تمہاری سبکی کروں، میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ تمہاری غلطی کی اصلاح ہو جائے، اس لیے کہ تمہارے متعلق شہرہ جو تم ہال سُر کی غلطی نہیں کرتے، اور اگر میری یہ بات تمہیں بُری لگی تو اچھا بھائی تم خوب گائے علویہ نے کہا، ”جی نہیں، من خوب می شناسم پیران پارلا“ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں، ہرگز آپ کا وہ مقصد نہیں تھا، بلکہ بات کچھ اور ہی ہے، اچھا یہ تو بتائیے، آپ اب تشریف لائے ہیں، حالانکہ امیر فضل بن ربیع نے آپ کو سویرے بلایا تھا، صبح آنا آپ کی شان کے خلاف تھا، آپ نہیں آئے، آپ اسے بھی بھول گئے، امیر نے آپ پر کیسے کیسے احسانا کیے ہیں، آپ کے فوراً یہاں نہ آنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہونی چاہیے تھی سو اس کے کہ خلیفہ نے آپ کو یاد کیا ہوتا، اور آپ نہ آ سکتے ایک تو آپ اتنی دیر میں تشریف لائے، اور ٹھاٹھ یہ کہ ساتھ ساتھ بنیند کا قرا بہ بھی موجود، یہ بھی گویا ایک شان تھی کہ نہ امیر کے کھانے میں شریک ہوئے، اور نہ اس کی بنیند چھوئی، بلکہ جس طرح بڑے چھوٹوں سے سلوک کرتے ہیں، آپ نے ایسا برتاؤ کیا، پھر جو راگ امیر کو پسند اور مرغوب تھا، جسے وہ اور حاضرین مجلس بڑی توجہ سے سن رہے تھے، اس میں بھی آپ عیب نکالنے لگے، خدا کی قسم اگر فضل بن یحییٰ یا اس کے بھائی برکتی نے، بگڑانے کے معمولی متوسلین

نے بھی آپ کو یاد کیا ہوتا، تو آپ فوراً پہنچتے، سویرے تڑکے پہنچتے، ذرا بھی دیر نہ کرتے، اور نہ کسی قسم کی معذرت پیش کرنے کی نوبت آتی۔

ہلویہ نے اسحق سے جس لب ولہجے میں یہ گفتگو کی، فضل بن ربیع نے

اس کا کوئی جواب نہیں دیا، چپ چاپ بیٹھا، حیرت و استعجاب سے اس کی باتیں سنتا رہا، اسحق نے کہا: "جہاں تک میرے دیر میں آنے کا تعلق ہے، امیر کو معلوم ہے بغیر کسی اہم توجہ کے میں ایسا نہیں کر سکتا تھا، اگر وہ میری یہ بات باور کرے تو خیر، ورنہ میں اسے تنہائی میں اس کی وجہ بھی بتا دوں گا، لیکن تمہیں یا کسی اور کو اس معاملے میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہے، رہ گیا، میری "شان" کا معاملہ سو بھلا میں امیر کو اپنی شان جتلاؤں گا، میں اس کا

ممنون کرم ہوں، بندۂ احسان ہوں، جب سے یہاں آیا ہوں اسی کے سایہ

عاطفت میں پناہ گزیں ہوں، یہ جو کچھ تم نے کہا، جلن میں کہا، میں اس کی پروا نہیں کرتا، نیند کی جو پوچھو تو صاف بات یہ ہے کہ میں خاص ذائقہ اور خوشبو کی نیند استعمال کرتا ہوں، اور بلا اس کے میں اچھی طرح گانہ نہیں سکتا، میں نے

یہی سوچ کر نیند کا قرابہ اپنے ساتھ لے لیا، تاکہ عیش و سرور کی اس مجلس میں میں پورا حصہ لوں بے شک میں نے تمہیں ٹوکا، خدا جانتا ہے مقصد صرف

یہ تھا کہ تمہاری اصلاح ہو جائے، آئندہ تم خواہ کتنی بڑی غلطی کیوں نہ کرو، مجھے کیا پڑی ہے، کبھی نہیں ٹوکوں گا، اب میں وہی تمہارا والا راگ گاتا ہوں،

امیر کو بھی معلوم ہو جائے گا، تم بھی جان لو گے، اور حاضرین مجلس بھی باور کر لیں گے کہ تم نے غلطی کی برا مکہ کا قصہ بھی تم نے چھیڑا ہے، اور ان سے

میری وابستگی کا ذکر بھی کیا ہے، ساری دنیا جانتی ہے کہ میں ان کا پروردہ اور ممنون منت ہوں جس کا میں انکار نہیں کر سکتا اور مستحق بلکہ معذور ہوں اگر

ان کے ان احسانات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جو انہوں نے مجھ پر روا رکھے، اگر میں ایسا کروں، تو خدا کی قسم جس کے وہ میری جانب سے مستحق ہیں اس سے یہ بہت ہی کم ہو گا۔“

پھر اسٹی فضل (بن ربیع) سے جو برا مکہ کی تعریف اسٹی کی زبان سے سُن کر چیں بر جبین ہو چکا تھا، مخاطب ہوا، ”سُنیے، برا مکہ کا ایک احسان جو انہوں نے مجھ پر کیا اور جو ان احسانات میں جو وہ مجھ پر یا غیروں پر کیا کرتے تھے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، میں بیان کرتا ہوں۔ اگر آپ ان کے اس سلوک کو، وجہ سے ان کے شکریہ کے لیے مجھے معذور سمجھیں تو خیر ورنہ پھر مجھے ملامت کیجیے، وہ یہ ہو کہ جب میں یہاں شروع شروع میں والد بزرگوار کے ساتھ اپنے غلاموں اور کینیزوں سمیت ٹھہرا، ہمیشہ میرے غلاموں اور ان کے غلاموں، میری کینیزوں اور ان کی کینیزوں میں جیسا کہ اس طبقے کا دستور ہے جھگڑا ہوتا رہتا تھا، ان لوگوں نے اپنے آقا سے شکایت کی، اس کے چہرے پر رکھائی اور بے اعتنائی دکھائی دی، مجبور ہو کر اس کے قریب ہی میں نے ایک دوسرے مکان کرایہ پر لے لیا، اور اس میں منتقل ہو گیا۔ یہ گھر بہت وسیع اور کشادہ تھا لیکن اس کے لائق ساز و سامان میرے پاس نہیں تھا، میں فکر مند ہوا کہ اب کیا کروں؟ جیسے جیسے فکر بڑھتی گئی، خیالات پریشان گھر کرتے گئے کہ لینے کو تو گھر کرایہ پر لے لیا، لوگ آئیں گے اور یہ بے سرو سامانی دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟ ان ہی خیالات میں میں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ گدھے پر چار جامہ جمائے، تاکہ صبح کی طرف نکل جاؤں، سیر و تفریح سے شاید طبیعت کچھ ہلکی ہو، غلام نے تعمیل کی، میں چپل پہن، چادر اوڑھ گدھے پر بیٹھ نکل کھڑا ہوا۔ فکر نے اب بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا، گدھا اپنی چال چل رہا تھا، مجھے

یہ بھی احساس نہیں تھا کہ کس راستے پر جا رہا ہوں؟ یہاں تک کہ میں بیچی بن خالد برکی کے دروازے پر پہنچ گیا، اس کے غلام میری طرف لپکے، "کہاں جا رہے ہو؟"

"ذیربھی سے ملنا چاہتا ہوں"

غلام نے اطلاع دی، حاجب آیا، اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا، میں اپنے دل میں بہت شرمندہ تھا، اگر یہ چادر اوڑھے اور چل پھرنے اس کے حضور میں جاتا ہوں، تو بے ادبی ہے، اور اگر یہ کہتا ہوں کہ میں غلطی سے آ گیا، تو یہ اور بُری بات ہے، اسی سوچ میں میں اس کے پاس پہنچ گیا، بیچی نے مجھے دیکھا، ہلکرا، اور کہا،

"ابو محمد! یہ کون سی دھج بنا رکھی ہے؟"

"میں نے سچ سچ کہوں گا"

"ضرور کہو"

میں نے ساری کتھا شروع سے آخر تک سنا ڈالی، بیچی نے کہا، "کہتے تو سچ ہو، اچھا یہ بناؤ تمہاری فکر اب بھی باقی ہے؟" میں نے کہا، "نہ صرف باقی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ ہو گئی ہے" بیچی نے مجھے تسکین دی، پھر غلام کو حکم دیا کہ خلعت لائے، اسی وقت میں نے اسے زیب تن کیا، پھر دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، میں نے خوب ڈٹ کر کھلایا، پھر بنیڈ لائی گئی، میں نے جام پر جام چڑھائے، بیچی بھی پتیا رہا، پھر میں گانا سناتا رہا، اسی دوران میں قلم دوات اور کاغذ لانے کا بیچی نے حکم دیا، چار رقعے لکھے، میں نے خیال کیا شاید میرے لیے انعام و اکرام کا حکم بھی کسی رقعے پر ہوگا، پھر اس نے

سے اسحق موصلی کی کنیت!

اپنے دکلا (ایجنٹ) کو بلایا، اور رقعے ان کے حوالے کر دیے، دکلا چلے گئے، اور میں نے انعام و اکرام کے لالچ میں، اور زیادہ جی توڑ کے گانا شروع کیا، میں گاتا جاتا تھا، اور دل ہی دل میں، انعام و اکرام کی فہرست تیار کرتا جاتا تھا، شام ہو گئی، اور کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی، بیچی نے تکیے سے ٹیک لگائی اور سو گیا، میں اب کیا کرتا ہوں؟ واپس ہوا، کاندھے ڈالے اور سر جھکائے ہوئے دروازے پر پہنچا، جب گھر کے پاس پہنچا، میرا غلام آگے بڑھا کہنے لگا،

”کہاں جا رہے ہیں آپ؟“

”گھر اور کہاں؟“

”گھر کیسا؟ وہ تو بیجا جا چکا، مشتری دروازے پر بیٹھا آپ کا انتظار کر رہا ہے، بکنے کی تو گواہی بھی گزر گئی، ہاں صرف گھر ہی نہیں لگا، ساری گلی کی گلی یک گئی۔“

میں نے خیال کیا کہ شاید یہ سب کچھ سلطان کے لیے خرید گیا ہوگا، اب میں گوگلو کے عالم میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا، اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا، دیکھتا کیا ہوں، بیچی کا ایجنٹ کھڑا ہے، وہ میرے پاس آیا اور گویا ہوا، ”اپنے گھر میں داخل ہو جیے، خدا آپ کو برکت دے“ میں خوش خوش اندر داخل ہوا، تو ایجنٹ نے بیچی کا فرمان سنایا۔

”ابو محمد اسٹی موصلی کے لیے ایک لاکھ درہم سے وہ مکان

خرید لیا جائے، جس میں وہ کرایہ دے کر رہتا ہے، مکان کے

آس پاس جو زمین، جائداد، مکانات ہیں، وہ بھی خرید لیے

جائیں اور اسے دے دیے جائیں“

اب ایجنٹ نے دوسرا فرمان سنایا جو بیچی نے اپنے بیٹے فضل کے

نام بھیجا تھا،

”میں نے اسٹیج موصلی کے لیے ایک لاکھ درہم منظور کیے ہیں،

جن سے اس کے لیے مکان خریداجائے گا، اتنی ہی رقم تم بھی اس کو دو، تاکہ جیسی چاہے اس کی ترمیم و توسیع کر سکے“

تیسرا فرمان بیجلی نے اپنے بیٹے جعفر برکی کے نام لکھا تھا، جو حسب ذیل تھا:-

”میں نے اسٹیج موصلی کو ایک لاکھ درہم دیے ہیں تاکہ اس کے

قیام کے لیے مکان خریداجائے اور ایک لاکھ درہم تمہارے

بھائی فضل سے دلوائے ہیں، تاکہ اپنی مرضی کے مطابق اس

کی مرمت وغیرہ کر سکے، تم بھی اسے ایک لاکھ درہم دو، تاکہ وہ

اپنے نئے مکان کا شایان شان ساز و سامان خرید سکے۔“

چوتھا فرمان بیجلی نے اپنے چھوٹے بیٹے، محمد کے لیے لکھا تھا جس میں فرمایا تھا:-

”میں نے اسٹیج موصلی کو ایک لاکھ درہم دیے ہیں اور دو لاکھ

تمہارے دونوں بھائیوں نے دیے ہیں تاکہ اس کے لیے مکان

فروش و فروش اور ضروری ساز و سامان خرید لیا جائے، ایک

لاکھ درہم تم بھی اسے دو جسے وہ اپنے عام مصارف میں لائے گا“

ایجنٹ نے مجھ سے کہا، یہ سارا رُپیہ میں اپنے ساتھ لایا ہوں، ستر ہزار درہم

میں، میں نے یہ مکان اور اس کے لمحات خریدے ہیں، یہ دستاویزیں موجود

ہیں جو میرے نام ہیں، لیکن جن میں یہ تصریح ہو کہ میں نے یہ سب کچھ آپ

کے لیے خریدا ہے، خدا آپ کو برکت دے۔“ میں نے سب چیزیں اپنے قبضے

میں لے لیں، اب میں اپنے والد سے بھی زیادہ فارغ البالی اور اطمینان کی

زندگی بسر کرنے لگا۔ اب آپ ہی بتائیے برا مکہ نے میرے ساتھ جو کچھ

کیا، گو ان کی دیگر بخششوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ نہیں ہو لیکن میں اس پر ان کی مومنیت کا اظہار کروں، تو کیا مجھے ملاست کی جاسکتی ہے؟

فضل بن ربیع یہ باتیں سن کر دفور تاثر سے رو پڑا، وہی نہیں بلکہ حاضرین مجلس کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے، سب نے بیک آواز کہا، ”نہیں خدا کی قسم، تمہیں ملاست نہیں کی جاسکتی۔ پھر فضل نے قسم دے کر میرا گانا سنا، گانا سن کر علویہ کی بھی آنکھیں کھلیں، اس نے اپنی غلطی محسوس کی، وہ اٹھا، اسٹیج کی پیشانی چومی، اور کہا،

”آپ ہمارے استاد ابن استاد ہیں، ہم میں سے ہر ایک کی غلطی پر اسے ٹوکنے اور اس کی اصلاح کا آپ کو حق حاصل ہے۔“

(۱۶) ابراہیم موصلی اور ابلیس!

ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید سے التجائی کہ ہفتے میں ایک دن مجھے رخصت کا مرحمت فرمایا جائے، اس دن کوئی شخص بھی میرے پاس نہ بھیجا جائے، نہ مجھے طلب کیا جائے تاکہ ایک دن تو فراغت سے میں اپنے دوستوں اور عزیزوں سے مل جل سکوں۔ خلیفہ نے میری یہ درخواست منظور کر لی، سینچر کا دن میری چھٹی کا مقرر کر دیا۔ اب جو سینچر کا دن آیا، تو میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا، اور اپنے کھانے اور شراب کا بہتر طریقے سے بندوبست کیا، میں نے دربان کو حکم دیا کہ دروازہ بند کر دے، ساتھ ہی ساتھ تاکید کر دی کہ کسی کو میرے پاس آنے نہ دے۔ پھر میں اپنے کام میں لگ گیا، نوکر اپنا کام کر رہے تھے، اور باندیاں اپنے

کام میں لگی ہوئی تھیں، اسی اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مرد بزرگ جن کے چہرے سے وقار اور جمال ٹپک رہا تھا، تشریف لارہے ہیں، حلیہ مبارک بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، دو چھوٹے چھوٹے چرمی موزے پہنے ہوئے صاف کپڑے کی قمیص زیب تن، سر پر ایک چھوٹا سا عمامہ، اور ہاتھ میں ایک چھڑی، جس کی موٹھ پر چاندی مڑھی ہوئی تھی، خوش بو کے تو بھپکے نکل رہے تھے، میرا سارا گھر معطر ہو گیا، ان حضرت کو دیکھ کر میں غصے کی وجہ سے بے قابو ہو گیا، میں نے ارادہ کر لیا کہ دربان کو الگ کر دوں گا، جس نے میری نافرمانی کی، اور اس ہڈھے کو یہاں آنے دیا۔ اس نے میرے قریب آکر، شائستگی سے سلام کیا، میں نے جواب دیا اور بیٹھے کا اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا، پھر اس نے قصص و روایات کا سلسلہ شروع کیا، عربوں کے حرب و پیکار کی تاریخ سنائی، ادبی چٹکلوں اور نظم و شعر کا سلسلہ باندھا، اس کی یہ دلچسپ باتیں سن کر میرا غصہ کافور ہو گیا۔ میں نے خیال کیا شاید میری دل بستگی کے لیے، خدام نے اسے منتخب کیا ہوگا، میں اب اس کی زیادہ خاطر داری کرنے لگا، میں نے پوچھا، ”کھانا حاضر کیا جائے؟“

”نہیں“

”شراب؟“

”جیسی مرضی ہو“

میں نے ایک پیالہ پیا، اور پیر مرد کو بھی ایک پیالہ پلا دیا، پھر اس نے کہا، ”اسحق اپنا گانا سناؤ گے؟ وہ گانا جس نے خاص و عام سے خراج تحسین حاصل کیا ہے؟“ پہلے تو مجھے اس کی یہ فرمائش بُری معلوم ہوئی، پھر کچھ سوچ کے میں نے عود اٹھایا، تاروں کو ٹھیک کیا، اور گانا

شروع کر دیا، اس نے کہا، "ابراہیم! بہت خوب، واہ کیا کہنا!" میں دل میں غصے
 ہوا کہ ایک تو یہ بلا اذن میرے گھر میں گھس آیا، پھر اس نے مجھ سے گانے
 کی فرمائش کی، اور اب بلا کینت کے میرا نام لے کر داد دے رہا ہے، اس کو
 خطاب کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ اتنے میں اس نے پھر کہا کہ کچھ اور سناؤ، میں
 عود اٹھا کر پھر گانے لگا، اب اس نے کہا، "ابو اسحق تم خوب گائے، اچھا
 اب ایک راگ اور سنا دو میں تمہارا بدلہ ادا کر دوں گا،" بچوں کہ وہ بدلہ دینے
 کو کہ چکا تھا، اس لیے تیسری بار پھر میں جی توڑ کے گایا، ایسا کہ شاید ہی خلیفہ
 کے سامنے بھی میں نے کبھی ایسا گایا ہو، وہ بہت خوش ہوا، اور جی کھول
 کے داد دی، پھر کہا، "کیا تم اپنے خادم کو گانے کی اجازت دو گے؟"
 میں نے دل میں تو بڑا مانا کہ اس کی عقل ماری گئی ہے، میرا گانا سن چکا پھر
 بھی میرے سامنے گانے پر تملتا ہوا ہے، لیکن رضا مندی ظاہر کر دی، اس نے
 عود اٹھایا، اس کے تار درست کیے، پھر گانے لگا، میں دنگ رہ گیا، سچ
 کہتا ہوں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درو دیوار، صرف درو دیوار نہیں، سارا
 گھر، بلکہ گھر کی ہر چیز جھوم رہی ہے، وجد کر رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ گانا
 رہی ہے، مجھے تن بدن کا ہوش نہیں تھا، بہت بیٹھا ہوا سن رہا تھا، نہ
 بات کر سکتا تھا، نہ جواب دے سکتا تھا، نہ حرکت کر سکتا تھا، وہ گارہا تھا۔
 "میرے پاس ایک فنکار و مجروح دل ہے، ہر کوئی جو صبح و

سالم دل میرے ہاتھ بیچے؟

نہیں، اس سووے پر کوئی راضی نہیں ہوتا، کون ہے

جو کھوٹی چیز، کھری چیز سے لے لے؟"

پھر اس نے ایک دوسرا شعر اسی لڑ میں پڑھا، قریب تھا کہ فرط حیرت سے

میں پائل ہو جاؤں!

جب وہ گچکا تو اُس نے کہا، "ابراہیم اسے غنارہ ماخوری کہتے ہیں اسے سیکھ لو، اور اپنی باندیوں کو بھی سکھا دو، میں نے کہا، "اچھا، زرا دہرے۔
تو ہی"

"اس کی ضرورت نہیں، تم نے سیکھ لیا اور کامل ہو گئے۔"

پھر دفعتاً وہ پیر مرد میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا، میں کچھ جھجک سا گیا، تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا، میان سے نکالا، اور دروازے کی طرف لپکا، لیکن دروازہ بدستور بند!

میں نے اپنی باندیوں سے کہا، "میرے پاس تم نے کوئی اور آواز سنی تھی؟"

"ہاں کیوں نہیں، ایسی اچھی آواز کہ زندگی بھر نہ سنی ہوگی۔"

میں حیران و پریشان باہر پہنچا، اور دربان سے پیر مرد کے بارے میں دریافت کیا، اُس نے کہا "کون پیر مرد؟" میں واپس آ گیا، اور سوچنے لگا یہ ماجرا کیا تھا؟

اسی سوچ میں تھا کہ آواز آئی۔ "کوئی ہرج نہیں، ابو اسحق! میں ہوں اہلیس، میں ہی آج تمہارا جلیس و ندیم تھا، گھبراتے کیوں ہو؟" میں فوراً ہاروں رشید کے محل پہنچا، اور کہا، "ایسا عجیب و غریب واقعہ کا ہے کو کبھی مجھ پر گزرا ہوگا؟ پھر میں نے شتر زرع سے آخر تک سارا قصہ سنایا، امیر المؤمنین نے کہا "کم بخت زرا فکر تو کر، وہ راگ یاد بھی رہا؟ میں نے عود اٹھالیا، امتحان کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو راسخ ہو چکا ہے، ایسا کہ اب شاید ہی کبھی محو ہو۔"

رشید راگ من کر بہت خوش ہوا، مجلس خجی، شراب کا دور چلا، اور
میں انعام سے مال مال کر دیا گیا۔

(۱۷) ایک فریبی

ابو عبیدہ روایت کرتے ہیں کہ سعید بن عاصی نے مدینے میں کچھ لوگوں
کو شام کے کھانے کی دعوت دی، لوگ باری باری سے آ رہے تھے، اور
اپنی اپنی جگہ بیٹھ رہے تھے، اتنے میں سعید نے دیکھا کہ دسترخوان پر ایک
بد صورت اور کرینٹر شخص داستان گو یوں کی صف میں بیٹھا ہوا ہے، چند نامک
اسے اٹھانے کے لیے بڑھے لیکن اس نے اٹھنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ
رنگ دیکھ کر سعید نے نامگوں سے کہا، ”اس آدمی کو چھوڑ دو“ نامگوں نے چھوڑ
دیا۔ پھر اشعار و ادب پر گفتگو چھڑی اور بڑی دیر تک جاری رہی۔

حطیہ نے کہا، اتنی دیر سے یہ سلسلہ جاری ہو لیکن اب تک تم میں سے
کسی نے بھی کوئی اچھا شعر پڑھا، اور نہ کسی اچھے شاعر کا ذکر کیا۔ سعید نے کہا
”تمہیں بھی اس فن سے کچھ مس ہو؟“

”کیوں نہیں؟“

”اچھا بتاؤ، عربی کا سب سے بڑا شاعر کون ہو؟“

”وہ جس کا یہ شعر ہے:-“

سے حطیہ لقب ہو، پورا نام جردل بن اوس ہو، اس کا شمار متقدمین کے چوٹی کے شعرا میں
ہوتا ہے۔ اسے جملہ اصناف شعریں ہمارت نامہ حاصل تھی، مدح، ہجو، فخر اور نسیب کا تو امام تھا
ساتھ ہی ساتھ فتنہ خوبی تھا، مخضرم تھا، یعنی جاہلیت اور اسلام کا دور دیکھ چکا تھا، کینت اور لیکرتھی،

نال و زر کی کمی، میری نگاہ میں فقر نہیں ہے، فقر اور غربت تو اس شخص کا مر جانا ہے،
جسے تو نے اپنے ہاتھوں سے کھو دیا، سعید نے پوچھا، "یہ کس کا شعر ہے؟"

"دو ادالا یاد ہی کا"

"اچھا اس کے بعد کس شاعر کا درجہ ہے؟"

"اس کا جس نے کہا ہے۔"

"تو جو کچھ چاہے پالے، ممکن ہے کہ مل جائے، لیکن یہ حقیقت ہے"

کبھی بڑے سے بڑا دانا دینا بھی بتلائے فریب ہو جاتا ہے۔"

"یہ کس نے کہا ہے؟"

"عبید بن الابریص نے"

"اس کے بعد"

"اس کے بعد؟ خدا کی قسم یہ خاک سار آپ کو کافی ہے، خواہ"

آپ ملوں ہوں یا شاد کام۔ اتنی دیر میں کہ میں اپنا ایک پانو

دوسرے پانو پر رکھوں، تو انی اور مضامین اس طرح میرے

پاس آتے ہیں جیسے اونٹنی کے پاس اس کا پیاسا بچہ"

"تم ہو کون؟"

"حطیہ"

سعید نے سر و قد کھڑے ہو کر اسے مرجھا کہا، اور کہا، "آپ نے بڑی زیادتی

کی کہ اپنے تئیں ساری رات ہم سے چھپائے رکھا، پھر اسے خلعت اور

انعام سے سرفراز کیا۔"

پھر حطیہ وہاں سے عتیبہ بن النہاس العجلی کے پاس پہنچا، اور اس

سے کچھ رُپیہ طلب کیا، اس نے کہا، "میں والی نہیں ہوں اس لیے تمہیں

کچھ نہیں دے سکتا، نہ میرے پاس فالٹوڑ پیہر۔ ہو تو اپنے لوگوں کو دوں، تمہیں کہاں سے دوں؟“ کوئی مضائقہ نہیں، یہ کہہ کر حطیہ وہاں سے چل دیا، اس کے جانے کے بعد بعض حاشیہ نشینوں نے کہا، ”آپ خود بھی بڑے پھنے، اور ہمیں بھی پھنسیا“

”یہ کیوں کر؟“

”آپ سمجھے یہ کون تھا؟ یہ حطیہ تھا، اگر جو پر اتر آیا تو نہ معلوم

کیا کیا بک جائے گا“

اب تو عتیبہ گھبرایا، آدمی دوڑا یا کر حطیہ کو بلالائے، جب وہ آگیا، تو عتیبہ نے کہا، ”آپ نے اپنے تئیں چھپایا کیوں؟ آئیے بیٹھے، آپ کے ارشاد کی بسر و چشم تعمیل کی جائے گی“ حطیہ، بیٹھ گیا، عتیبہ نے پوچھا،

”آپ سب سے بڑا شاعر کسے سمجھتے ہیں؟“

”اسے جس نے کہا ہے۔“

”جو شخص اپنی آبرو کے بچاؤ کے لیے، مظاہرہ جو دو کریم نہیں

کرتا، گویا وہ خود ہی اپنی رسوائی کا سامان بہم پہنچاتا ہے، اور جو

شخص گالی سے بچنے کی کوشش نہ کرے گا، اسے گالی دی ہی

جائے گی“

عتیبہ نے کہا، ”آخر نیش زنی شروع ہی کر دی؟“ پھر اپنے ایجنٹ سے

مخاطب ہوا، اور کہا، ”انہیں بازار لے جاؤ، جو کچھ یہ پسند کریں خرید دو،

اس نے حطیہ کو بازار لے جا کر ریشم اور حریر کے اچھے اچھے کپڑے دکھلائے

مگر اس نے ان کو پسند نہ کیا۔ موٹے موٹی کپڑے لیے۔

جب عتیبہ اپنی مجلس میں بیٹھا تو حطیہ بھی آیا، عتیبہ نے کہا، ”ابولیکہ خدا

تمھاری مدح و ذم سے پناہ میں رکھے، حطیہ نے کہا، ”میں نے دو شعر کہے ہیں وہ تو سن لیجیے :-

” تجھ سے سوال کیا گیا مگر نہ تو نے بخیلی کی اور نہ زیادہ دیا،
اس لیے نہ تو مذمت کا مستحق ہو، نہ تعریف کا سزاوار۔ تو ایک
ایسا شخص ہو جس کی عادت بخشش کی نہیں ہو کہ لوگوں کو
دیتا رہے اور کرم کے لیے صرف دولت مند ہونا ہی کافی نہیں“
یہ اشعار سنا کر حطیہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور یہ جاوہ جا!

(۱۸) یزید بن عبد الملک کی قدردانی!

ابن کلبی روایت کرتے ہیں کہ ایک سال عمر بن ربیعہ حج کے ارادے سے
چلا، اعلیٰ قسم کے ایک بہترین گھوڑے پر بیٹھا، گھوڑا ہندی سے رنگا ہوا تھا،
زمین پر ایک زرنگار کپڑا پڑا تھا، عمر کے ساتھ عبید بن سریح بھی تھا، یہ ایک
اچھے سے خچر پر سوار تھا، عمر کا غلام جناد، اپنے گھوڑے پر ساتھ ساتھ چل رہا
تھا، یہ گھوڑا سیاہ رنگ کا تھا، پیشانی سفید تھی، عمر بن ربیعہ نے اس کا نام کوکب
رکھا تھا، عمر کے ساتھ اس کے خادموں، مصاحبوں، اور حاشیہ نشینوں کی بھی

لے نام عمر بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ، مخزومی، کنیت ابوالخطاب، آغاز اسلام میں پیدا
ہوئے، عربوں میں خاندان قریش ہر اعتبار سے شرفِ تقدم رکھتا تھا، سوا شعر و سخن کے،
یہاں تک کہ عمر بن ربیعہ پیدا ہوا، اور قریش کو یہ شرف بھی حاصل ہو گیا۔

عمر بن ربیعہ کا ایک دیوان جو تمام تر غزلیات پر مشتمل ہے، ۱۹۰ء میں
پیرنگ سے شائع ہو چکا ہے!

ایک جماعت تھی، وہ اس وقت ایک قیمتی مینی حلقہ زیب تن کیے ہوئے تھا، ابن سرج بھی ہرات کی بنی ہوئی دو قیمتی چادروں میں لپٹا ہوا تھا، یہ لوگ بڑی آن بان سے اپنے راستے پر جا رہے تھے، جو بھی آئندہ روزند میں سے انہیں اس جاہ و جلال کے ساتھ جاتے دیکھتا تھا وہ حیرت سے ٹھٹھک جاتا اور انہیں دیکھنے لگتا، اس جماعت میں عمر سب سے زیادہ وجہہ اور خوب روٹھا، ہر وقت معطر رہتا تھا، عصر کے بعد یہ لوگ مکے سے منی کا ارادہ کر کے چلے۔

عمر نے ابن سرج سے کہا، "ابو یحییٰ مجھے فکر ہے کہ شام کو ہم مکے واپس کیوں کر ہوں گے، ہجوم کی کثرت، گرد و غبار، حاجیوں کی افراط، مجھے تو اس خیال سے بڑی تکلیف ہو رہی ہے، کوئی ایسی تدبیر سوچو کہ ہم سب سے الگ تھلگ اپنا راستہ طے کریں، ساتھ ہی ساتھ مدینے سے آنے والے، نیز اہل عراق اور اہل شام کے قافلوں پر بھی ہماری نظر پڑتی رہے، پھر اپنے اطمینان سے شام کا کھانا کھائیں، مزے سے رات گزاریں، اور چین سے سوئیں" ابن سرج نے کہا، "ایسا کون سا راستہ ہو سکتا ہے؟"

عمر بن ربیعہ نے جواب دیا، "منی کے درمیان وادی یانج سے ذرا بلندی پر کثیب ابی شحوہ جو مقام ہے، وہاں سے ہم آسانی کے ساتھ حاجیوں کا آنا جانا دیکھ سکیں گے، مگر وہ ہمیں نہیں دیکھ پائیں گے" ابن سرج نے کہا، "بہت ٹھیک، خوب راستہ آپ نے نکالا" عمر نے اپنے خدام کو بلایا، اور حکم دیا کہ مکان سے اکل و شرب کا سامان کثیب پہنچایا جائے، جب ہم رمی جمار سے فارغ ہو کر ٹھنڈے ہو لیں گے تو کثیب آئیں گے، اور

۱۰ مناسک حج میں سے ایک رسم

وہاں اکل و شرب کا سلسلہ چلے گا، کتیب مدینے کے راستے پر نکلے سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک بلند مقام ہے، یہاں سے ایک راستہ شام کو جاتا ہے، اور ایک عراق کو۔

جب یہ لوگ زبئی جمار سے فارغ ہو لیے تو کتیب پہنچے اور وہاں کھائے پینے میں مصروف ہو گئے، جب سیر ہو لیے تو ابن سرتج نے دفت اٹھایا، اور اسے بجا بجا کے گانا شروع کر دیا، عمر وغیرہ حاجیوں کا آنا جانا دیکھ رہے تھے، جب شام ہونے لگی تو ابن سرتج نے اپنی آواز اور بلند کر دی، اور عمر بن ربیعہ کے شعر گانے لگا، ایک قافلے کے لوگوں نے جو یہ آواز سنی، تو چند چلا اٹھے، ”اومیاں گانے والے، خدا سے ڈرو، لوگوں کو مناسک حج ادا کرنے سے گاکا کر کیوں روک رہے ہو؟“ ابن سرتج خاموش ہو گیا، اور وہ لوگ آگے بڑھ گئے، جب وہ دُور نکل گئے تو ابن سرتج نے پھر گانا شروع کیا، اب دوسرے لوگ جو ادھر سے گزرے وہ بھی ٹھٹھک گئے اور گانا سننے لگے۔

اب رات ہو گئی، ایک شخص خوب صورت عربی گھوڑے پر ادھر سے گزرا، گانا سنا، ٹھہر گیا، آواز دی، ارگالے والے میں ابھی جو کچھ سن چکا ہوں کیا تو اسے دھرائے گا؟“

”ہاں ہاں بسر و چشم، آئیے بیٹھے، تشریف رکھیے۔“
”میں بہت جلدی میں ہوں، احسان ہوگا اگر کچھ سنا دو“ ابن سرتج نے اپنا گانا دھرایا، سوار نے کہا:-
”خدا کی قسم، ہونہ ہو تم ابن سرتج ہو“
”ہاں تم سچ کہتے ہو“

”اور یہ، عمر بن ربیعہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا“

”یہ بھی سچ، یہ عمر بن ربیعہ ہیں“

”خدا تمہیں سلامت رکھے“

”خدا تمہیں بھی سلامت رکھے، تم نے ہمیں پہچان لیا، اور

ہم بھی تمہیں پہچان گئے“

”یہ ممکن ہی نہیں“

”خدا کی قسم تم یزید بن عبد الملک ہو“

”ہاں میں یزید بن عبد الملک ہوں“

عمر لیک کر اس کے پاس پہنچا، تعظیم بجالایا، ابن سرتج بھی اپنی جگہ سے اٹھا اس کی رکاب کو بوسہ دیا، یزید بن عبد الملک نے اس سے کہا، ”اگر میں ددایع کعبہ کا ارادہ نہ کر چکا ہوتا، میرا ساز و سامان اور میرے غلام و خدام آگے نہ بڑھ چکے ہوتے تو میں تمہارے پاس ضرور کچھ دیر گزارتا، لیکن مجھے اندیشہ ہے، صبح ہوئی اور لوگوں نے مجھے پہچانا، ایسا ہونا مناسب نہیں، تاہم میرا یہ حملہ اور انگوٹھی لو، ان دونوں کی قیمت ڈیڑھ ہزار دینار ہے، یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دم کے دم میں اپنے خدم و حشم سے جا ملا، ابن سرتج یہ دونوں چیزیں عمر بن ربیعہ کے پاس لایا، اور اسے دے دیں، عمر نے اس کو تین سو دینار دیے۔

صبح کو دونوں جب مسجد میں پہنچے، لوگوں نے پہچان لیا، چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں۔ ”یہ حملہ دیکھتے ہو؟ ہو بہ ہو یزید بن عبد الملک کا معلوم ہوتا ہے، اور انگوٹھی بھی ویسی ہی ہے“ آخر لوگوں نے عمر سے سوال کیا، اس نے بتایا کہ خود یزید بن عبد الملک نے یہ چیزیں ابن سرتج کو بخشی ہیں!

(۱۹) گویے کا اخلاق!

اسٹی روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے خلیفہ منصور کے غلاموں میں سے ایک بڑے غلام نے بیان کیا کہ مولیٰ ابنی امیہ کے چند نوجوان ہمارے پاس آئے، یہ لوگ کتے جا رہے تھے، معبد اور مالک کا گائناٹن کر: یہ لوگ ان دونوں کے بڑے گرویدہ ہو گئے، پھر جب یہ کتے پہنچے تو ابن سرتج کی کھوج شروع کر دی، معلوم ہوا وہ بیمار ہے، اس کے ایک دوست کے پاس پہنچے اور التجا کی کہ کسی طرح وہ ابن سرتج کا تھوڑا سا گائناٹناوے، اس نے انھیں اپنے ساتھ لیا، اور ابن سرتج کے مکان پر پہنچا، ان نوجوانوں نے کہا، ”ہم قریش کے نوجوان ہیں، آپ کی خدمت میں نذر عقیدت پیش کرنے حاضر ہوئے ہیں، ہماری تمنا ہے آپ کی زبان سے کچھ سنیں“ ابن سرتج نے جواب دیا، ”تم دیکھتے ہو میں بیمار ہوں“ انھوں نے کہا، ”یہ صحیح ہے، لیکن اگر آپ تھوڑا سا بھی سنا دیں تو ہمارے لیے بہت ہے۔“

ابن سرتج ایک بلند پایہ ادیب تھا، نہایت خوش خلق، لوگوں کی قدرو منزلت سے بھی واقف تھا، اس اصرار کے آگے اس نے اپنا سر جھکا دیا، لونڈی کو آواز دی کہ ”میرا کرتہ اور دف لاؤ“ کرتہ اس نے اپنے منہ پر ڈھانپ لیا، وہ جب گاتا تھا ایسا ہی کرتا تھا تاکہ اس کا بدنما چہرہ بد مزگی نہ پیدا کرے، پھر اس نے عود اٹھایا، اور گانے لگا۔ جب کچھ گا چکا تو عود الگ ڈال دیا، اور معذرت کرنے لگا، نوجوانان قریش نے کہا، ”خدا آپ کا عذر قبول کرے، آپ کو شفا عاجلہ مرحمت کرے، آپ نے طبیعت خوش

کردی“

گائانٹن کر یہ لوگ واپس ہوئے، تو راستے میں اسی کا چرچا رہا، واپسی میں جب مدینے پہنچے تو پھر معبد اور مالک کا گائانٹنا، لیکن اب وہ بات نہیں تھی، کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے، اور ان کا گائانٹنا ویسا نہیں بھایا جیسا پہلے بھاتا تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر مدینے والوں نے کہا، ”معلوم ہوتا ہے کہیں سے ابن مسرئج کا گائانٹن لیا ہے؟“ انھوں نے کہا، ”ہاں سنا ہے، اور اب پھلا سنا ہوا بیچ نظر آتا ہے۔“

(۲۰) بغاوت کی سزا!

عبد اللہ بن قیس الرقیات کہتے ہیں، عبد الملک بن مروان پر مصعب بن زبیر نے خروج کیا۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا، جب مصعب بن زبیر ایک مسکن پر پہنچے تو انھوں نے محسوس کیا کہ دھوکا کیا گیا ہے، انھوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اپنا سارا مال و اسباب جمع کیا، سارا مال پٹی میں بھر دیا، اور وہ میری مکر میں باندھ دی، اور کہا، ”جہاں چاہو چلے جاؤ، کیوں کہ میں تو بہر حال قتل کیا جاؤں گا“ میں نے جواب دیا، ”خدا کی قسم میں تو نہیں جانے کا، لے رقیۃ ایک موٹ نام ہے، اس کی جمع رقیات ہے، اس نام کی اضافت قیس کی طرف اس لیے کی گئی کہ وہ اپنے اشعار میں انھی کی طرف گریز و تشبیب کیا کرتا تھا، ابن قیس نے مصعب بن زبیر کے ساتھ عبد الملک پر خروج کیا، جب مصعب قتل کر دیے گئے اور عبد اللہ بن زبیر بھی، تو قیس نے عبد اللہ بن جعفر، بن ابی طالب کے پاس پناہ لی، انھوں نے عبد الملک سے سفارش کی، اس نے امن دے دیا۔

جب تک تمہارا تئو تھمبونہ ہو جائے، میں انھی کے ساتھ رہنے لگا، یہاں تک کہ ایک روز وہ قتل کر دیے گئے۔

اس حادثے کے بعد میں کونے کی طرف روانہ ہوا، سب سے پہلے جس گھر کے پاس سے میں گزرا، وہیں داخل ہو گیا، وہاں ایک عورت رہتی تھی، اس کی دو خوب صورت لڑکیاں بھی تھیں، معلوم ہوتا تھا ہرنیاں ہیں، میں کھٹا کھٹ بالا خانے پر چڑھ گیا، اور وہاں جا کر بیٹھ گیا، خاتون نے میرے لیے کھانے پیے کا فرش کا، اور وضو کے لیے پانی کا انتظام کر دیا۔ سال کا بڑا حصہ اسی طرح رہتے بہتے گزر گیا، وہ میری ضرورت کی تمام چیزیں ہیتا کرتی تھی، ہر روز صبح سویرے میرے پاس آتی اور پوچھتی، ”کوئی ضرورت تو نہیں ہو؟“ اس نے کبھی مجھ سے دریافت نہ کیا کہ میں کون ہوں، نہ میں نے کبھی اس سے سوال کیا کہ وہ کون ہو؟ باایں ہمہ میں اپنے دل کی چیخ سنا کرتا تھا، اور اس کا بدلہ ادا کرنے کی تدبیریں سوچا کرتا تھا، جب وہاں رہتے ہوئے مجھے بہت مدت گزر گئی، اور دل کی پیکار بھی دم دم بڑھتی، تو مجھے اپنے گھر جانے کی سوچھی، ایک روز حسب معمول، صبح کو وہ میرے پاس آئی، اور پوچھا، ”کوئی ضرورت تو نہیں ہو؟“ اس نے محسوس کر لیا میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔ کہنے لگی، ”آپ کو جس چیز کی ضرورت ہوگی انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا،“ جب رات نے اپنا ڈیرہ جمادیا، وہ میرے پاس آئی، اور کہنے لگی، ”چلیے! میں نیچے اُترا، تو دو کجاوے تیار تھے، اور ایک غلام بھی، خاتون نے غلام کو زانو دراز دیا، اور کہا، ”یہ غلام اور کجاوے آپ ہی کے ہیں“

میں سوار ہوا، رات ہوتے ہوتے ہم ایک حجازی گھر کے پاس پہنچے، صاحب خانہ نے پوچھا، ”کون؟“

”عبداللہ بن قیس الرقیات“

گھر کے لوگ رونے لگے، کہنے لگے، ”ہم نے تو اب تک تمھاری جستجو نہیں چھوڑی تھی“ رات میں نے وہیں گزار دی، صبح ہوئی، میں اٹھا، اور میرے ساتھ وہ غلام بھی، ہم چل پڑے، مدینے پہنچے، شام کو میں عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب کے پاس گیا، وہ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے تھے، میں بھی جا کر انہی لوگوں کے پاس بیٹھ گیا، اور گھل مل کر باتیں کرنے لگا، جب دوست احباب رخصت ہو گئے، میں نے اپنا چہرہ کھولا، انھوں نے حیرت سے کہا،

”ابن قیس؟“

”ہاں“

پھر میں نے بتایا کہ میں آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں، انھوں نے فرمایا، ”تمہیں کتنا کتنا میں نے تلاش کیا، خیر، میں اب تمھارے بارے میں ولید بن عبدالملک کی بی بی، اور عبدالعزیز بن مروان کی لڑکی، ام بنین کو لکھتا ہوں، اسے عبدالملک بہت مانتا ہے، انھوں نے ام بنین کو ایک خط لکھا جس میں تاکید کی کہ وہ عبدالملک اپنے چچا سے میرے لیے امن حاصل کرے، نیز ایک خط عبدالعزیز بن مروان کو لکھا کہ وہ بھی میری سفارش کے لیے ام بنین کو لکھیں، خط پہنچ گیا، عبدالملک ام بنین کے پاس آیا، اور حسب معمول پوچھا ”کوئی خاص آرزو؟“

”جی ہاں، ایک آرزو ہے“

”ابن قیس الرقیات کے علاوہ جو بات کہو گی مانی جائے گی“

”بغیر پابندی کے اذن مرحمت ہو“

عبدالملک نے اس کے ایک تھپڑ لگایا، وہ کال پر ہاتھ رکھ کے رونے لگی۔

عبدالملک سے بھتیجی کی یہ حالت دیکھی نہ گئی، اس نے کہا، ”بیٹی کہو کیا کہتی ہو؟“
ابن قیس کی بھی اگر سفارش کر دوگی تو منظور کر لوں گا“ اس نے کہا، ”میں تو یہی
چاہتی ہوں کہ آپ ابن قیس الرقیات کو امان دے دیں، والد نے بھی مجھے
خط لکھا ہے، اور تاکید کی ہے کہ میں آپ سے سفارش کروں“

” اچھا، اسے امن دیا گیا، اسے حکم دو کہ شام کو میری مجلس
میں حاضر ہو“

جب شام کو عبدالملک کی مجلس گرم ہوئی، تو اور لوگوں نے بھی اور
ابن قیس نے بھی اذن باریابی طلب کیا، اور لوگ تو فوراً بلا لیے گئے، مگر
ابن قیس کو بعد میں بلا یا گیا، جب ابن قیس اندر پہنچا تو عبدالملک نے کہا،
”اے اہل شام! اس شخص کو جانتے ہو؟“

”ہم تو نہیں جانتے“ آواز بلند ہوئی

”یہ عبید اللہ بن قیس الرقیات ہے، یہی ہے جس نے کہا ہے:-
” میں کیوں کر بستر پر آرام کی نیند سو سکتا ہوں جب کہ میں
نے ابھی شام پر غارت گری نہیں کی ہے، ایسی غارت گری جو
پیران کہن سال کو ان کی اولاد سے غافل کر دے اور شرمیلی دوشیزا
اپنے پازیب چھوڑ کر باہر بھاگنے لگیں“

حاضرین مجلس نے کہا، ”اس منافق کا خون ہمیں بخش دیجیے“ نہیں
میں اسے امن دے چکا، وہ میرے گھر میں، میرے فرش پر بیٹھا ہے، میں نے
اسے اذن باریابی دیر میں اسی لیے دیا کہ شاید تم اسے پہچان لو، اور قتل کر دو،
لیکن تم نے ایسا نہیں کیا، اب وقت گزر چکا“

پھر ابن قیس الرقیات نے قصیدہ مدحیہ پڑھنے کی اجازت طلب کی،

جو مل گئی۔

پڑھتے پڑھتے جب وہ ان اشعار پر پہنچا،
 ”بے شک وہ روشن کارناموں والا انسان ہے، جس کا باپ ابوالعاصی
 ہے، اس کے چہرے پر وقار اور شاہی نقاب ہے، اس کے سر پر
 تاج موزوں ہے، وہ تاج ایسی پیشانی پر ہے جو سونے کی طرح
 چمک رہی ہے۔“

عبدالملک نے کہا، ”کیوں ابن قیس میری مدح تاج کا ذکر کر کے کرتا
 ہے، گویا میں عجمی ہوں؟ اور مصعب کی شان میں کہتا ہے؟۔“
 ” بلاشبہ مصعب نورِ الہی کا ایک ٹکڑا ہے، جس سے تاریکی روشن
 ہو جاتی ہے۔“

” اس کی شہر یاری عزت اور سر بلندی کی شہر یاری ہے،
 جس میں نہ جبروت ہے، نہ کبریائی۔“

خیر امان تو تجھے مل چکی، لیکن مسلمانوں کو جو وظیفہ بیت المال سے ملتے
 ہیں، ان میں تیرا حصہ کبھی نہیں ہوگا۔“

ابن قیس الرقیات نے عبداللہ بن جعفر سے کہا،
 ” ایسی امان سے کیا فائدہ؟“

” تمھاری عمر کیا ہے؟“

” ساٹھ سال۔“

” تم اپنی عمر کا کیا اندازہ لگاتے ہو، کب تک جیو گے؟“

” بیس برس اور سمجھے گویا اسی سال۔“

” تمھیں وظیفہ کیا ملتا تھا؟“

”دو ہزار درہم سالانہ“

عبداللہ بن جعفر نے حکم دیا کہ چالیس ہزار درہم ابن قیس کو دے دیے جائیں، فرمایا، ”یہ رقم تمہاری وفات تک کافی ہوگی!“

اس صلے سے متاثر ہو کر ابن قیس نے ان کی مدح میں ایک زوردار قصیدہ کہا، جس کے چند اشعار یہ ہیں:-

”میرا ڈنٹ ابن جعفر کی طرف رواں دواں جا رہا ہے، اس کے نزدیک رات دن (و فور شوق میں) ایک ہیں، تو ایسے شخص کی زیارت کرنے جا رہا ہے، جسے خدا خوب جانتا ہے کہ لکھ لٹ ہے، ہم تیری ان چیزوں کی تعریف کرتے ہوئے آئے جن کا تو اہل ہو، جیسے بلخ کے آس پاس کی کلیاں اور بوٹیاں، بنوہ اور خود روپتے، اس کی تعریف کرتی ہیں، اگر مجھے ابن جعفر کی زیارت کی خواہش نہ ہوتی تو میں دمشق میں بہت کم ٹھہرتا، جب تو مر جائے گا، تو دوستوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں رہے گا، اور نہ احسان و سخاوت کی وہ شاہراہیں باقی رہ جائیں گی جن کے لیے تو مینار کا کام دیتا ہے، جب دریائے فرات میں طغیانی آتی ہے تو میں تجھ کو یاد کرتا ہوں، اور اس وقت بھی یاد کرتا ہوں جب رقتین کے بالائی حصے کی نہریں جوش مارتی ہیں، میرے پاس خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے، جو کچھ ہے تیری ہی بخشش ہے“

یہ قصیدہ سب کی زبان پر چڑھ گیا۔

(۲۱) دربار کی سازش!

ابوسکین روایت کرتے ہیں کہ حارث بن ماریہ غسانی، زہیر بن جناب انکلی کا بہت اعزاز و احترام کرتا تھا، انھیں اپنی مجلس میں بٹھاتا، اور ان کی باتوں سے لطف اندوز ہوا کرتا۔ قبیلہ بنی نہد بن زہید کے دو افراد، حزن اور سہل بادشاہ (حارث بن ماریہ) کے پاس آئے، یہ دونوں رزاح کے بیٹے تھے، عربوں کے حکایات و قصص کے ماہر تھے، بادشاہ کے لطفِ خاص سے یہ سرفراز کیے گئے۔ ایک بہترین مکان میں ٹھہرائے گئے، زہیر کو حسد پیدا ہوا، ایک روز اس نے باتوں باتوں میں حارث سے کہا، ”مذرنے انھیں جاسوس بنا کر آپ کے پاس بھیجا ہر“

”ایسا نہیں ہو سکتا“ بادشاہ نے کہا، لیکن زہیر کب باز آنے والا تھا، آخر یہ روز روز کی سازش رنگ لائی، بادشاہ ان دونوں سے کھٹکنے لگا، اس کا معمول تھا کہ وہ جب کبھی باہر نکلتا تو اونٹ سواری کے لیے بھیج کر انھیں بھی اپنے جلو میں لے جاتا، ایک مرتبہ اس نے ایک ہی اونٹ بھیجا دونوں سمجھ گئے کچھ دال میں کالا ہر، کچھ دیر سوچ کر ان میں سے ایک نے کہا:-

”اگر تم اس کے اوپر سواری نہیں کرو گے تو لوگ تمہیں اس کے اوپر چڑھا دیں گے، جس کی پیٹھ پر تم سوار ہو، اس سے کیوں کر بچ سکتے ہو“

پھر ایک ہی اونٹ پر بیٹھ کر دونوں روانہ ہوئے اور بادشاہ کے حکم کے مطابق

قتل کر دیے گئے،

ان دونوں کے قتل کے بعد بادشاہ نے معاملے کی تحقیق کی، تو ثابت ہوا کہ ان کے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے وہ تمام تر غلط تھے، بادشاہ نے زہیر کو بہت ڈانٹا اور اپنے ہاں سے نکال دیا۔

یہاں سے نکل کر زہیر اپنے قبیلے پہنچا۔ بادشاہ کے پاس مقتولین کا باپ رزاح آیا، یہ ایک پیر مرد وانا تھا، زمانے کی اونچ نیچ سے واقف، بادشاہ نے اس کا اعزاز و اکرام کیا، اور اس کے مقتول بیٹوں کی دیت بھی دے دی۔ اڑتے اڑتے یہ خبر زہیر کو بھی پہنچی، اس نے اپنے بیٹے عامر کو بلایا، جو نوجوانان عرب میں زبان و بیان کے اعتبار سے ایک خاص پایہ رکھتا تھا۔ زہیر نے اس سے کہا، ”رزاح بادشاہ کے پاس پہنچ چکا ہے، تم کسی طرح وہاں پہنچو اور اس کا صفایا کرو، تم بادشاہ کے حضور میں میری خوب بُرائیاں کرنا، زہیر نے عامر کو خوب سکھا پڑھا کر روانہ کیا، وہ شام پہنچا، اور گھس بیٹھ کر بادشاہ تک بھی پہنچ ہی گیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔

”تم کون ہو؟“

”میں ہوں عامر بن زہیر بن جناب“

”خدا، تجھے اور تیرے مکار، جھوٹے اور فریبی باپ کو غارت کرے“

”بے شک میری بھی ڈعا ہے، خدا سے غارت کرے، یہ دیکھیے،

جہاں پناہ، اس کے ظلم و ستم نے میری پیچھے کا کیا حال کر دیا ہے؟“

یہ کہہ کے اس نے چوٹ کے نشانات دکھائے، بادشاہ کو ترس آ گیا، اس نے عامر کو اپنے ندیموں میں شامل کر لیا۔

ایک روز عامر بیٹھا ہوا، بادشاہ سے باتیں کر رہا تھا اس نے کہا، بیشک

جہاں پناہ! میرا باپ بہت بُرا آدمی ہے، لیکن میں حق کو چھپا نہیں سکتا۔ دراصل اُس نے آپ کی خیر خواہی کی تھی، مگر اس کی خیر خواہی رائیگاں گئی؟
یہ کہہ کر عام خاموش ہو گیا، اور بات آئی گئی ہو گئی۔

کچھ عرصے کے بعد عام نے کہا، ”جہاں پناہ، آپ کا ایسے سانپ کے بارے میں کیا ارشاد ہے، جس کی دُم تو کاٹی جا چکی ہو، لیکن سر باقی ہو؟“ بادشاہ نے کہا، ”یہ تو تیرا باپ ہی ہو سکتا ہے، جس نے دو بے گناہوں کی خواہ مخواہ جان لی؟“

”آپ حقیقت کو نظر انداز کر رہے ہیں، خدا کی قسم رزاح اپنے بیٹوں کا خون بہا لینے نہیں آیا ہے، انتقام لینے آیا ہے۔“
”اس کا ثبوت؟“

”اسے شراب پلائیے، پھر اس پر ایک جاسوس متعین کر دیجیے، وہ حقیقت سے باخبر کر دے گا۔“

بادشاہ نے ایسا ہی کیا، جب رزاح نشے میں مت ہو گیا، تو اسے اس کے خیمے میں بھیج دیا، اور پیچھے پیچھے ایک جاسوس بھی۔ رزاح جب اپنے خیمے میں داخل ہوا، تو اس کی بیٹی آگے بڑھی، اس کا سہارا لیتا ہوا وہ اندر داخل ہوا، اس کے منہ سے یہ اشعار نکل رہے تھے:-

”تو مجھے ملامت نہ کر، حزن اور سہل کے بعد نیند کہاں؟
تو اپنے دونوں شیروں کے بارے میں کیوں نہیں پوچھتی کہ
انہیں کیا مصیبت پہنچی؟ اگر میں کسی شخص سے حزن اور سہل
کا بدلہ لوں، تو تجھ پر ظاہر ہو جائے گا، میں کیا چاہتا ہوں؟“
جاسوس نے آکر یہ حکایت حرف بہ حرف بیان کر دی، بادشاہ نے

رزح کو بھی قتل کرادیا، اور زہیر اپنے منصب پر پھر بحال کر دیا گیا۔

(۲۲) نازک مزاج ولی عہد ما

دائنی بیان کرتے ہیں کہ ولید بن یزید ^{علیہ} طریح کی بہت عزت و توقیر کرتا تھا، مجلس میں قریب ہی اسے نشست ملتی تھی، جب دربار جتنا تو سب سے پہلے طریح داخل ہوتا تھا، اور سب سے آخر میں باہر جاتا تھا، ولید کوئی فیصلہ بھی کرے، طریح کی رائے اس میں ضرور شامل ہوتی تھی، وہ ولید کی مدح بھی خوب کرتا تھا، اس کے مدحیہ اشعار بچے بچے کی زبان پر تھے۔

خاندان ولید کے بعض لوگوں کو، طریح کے اس تقریب سے حسد پیدا ہوا، اسی اثنا میں شام جاتے ہوئے، حماد الراویہ کا ادھر سے گزر ہوا، لوگوں نے طریح کے تقریب کا حال اس سے بھی بیان کیا، کہنے لگے، ”طریح بے طرح امیر پر چھایا ہوا ہے، دن ہو یا رات اس کی وجہ سے ہمیں حضوری کا موقع ہی نہیں ملتا۔“
 حماد نے کہا، ”کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جسے میں دو اشعار یاد کرادوں، کسی وقت موقع پا کر وہ یہ اشعار امیر کو سنا دے، امیر اگر پوچھے یہ کس کے شعر ہیں؟ کہہ دے ”طریح کے“! بس چلکی بجاتے ہیں یہ سارا دور دورہ ختم ہو جائے گا۔“
 خاندان ولید کے لوگوں نے ایک خواجہ سرا کو دس ہزار درہم دے کر اس کا راہم پر مامور کیا، جب خواجہ سرا راضی ہو گیا، تو اسے حماد کے وہ لہ طریح بن اسمعیل اشقی، کنیت ابو اہصلت، یہ کنیت اس لیے پڑ گئی کہ اس کا ایک لڑکا تھا، جس کا نام صلت تھا، عہد نبوی میں طریح پروان پڑھا، ولید بن یزید کا درباری شاعر ہوا، بنو عباس کا زمانہ بھی اس نے دیکھا، خلیفہ مہدی کے زمانے میں وفات پائی۔

دونوں اشعار یاد کر دیے گئے۔

ایک روز حسب معمول طبع ولید کے دربار میں حاضر ہوا، بڑی دیر تک دربار چارہا، جب دربار برخواست ہو گیا، تب بھی طبع بیٹھا رہا، پھر امیر ولید (ولی عہد) نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، دونوں نے ساتھ ساتھ کچھ کھایا پیا، اس کے بعد وہ اپنے گھر روانہ ہو گیا، مجلس میں ولید بالکل تنہا رہ گیا، خواجہ سرا کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا، گنگناتے لگا۔

”میرے نائق اُدھر چل، تجھے سکھ لے گا، اب تک تو وہیں ٹھہری رہی، جو ذلت کی جگہ تھی، میرے نائق، اُدھر چل، جہاں نغمہ خور سردار ہے، جو موٹے بازو والا ہے، (سخی ہے) شریف ہے“

اب تو ولید کے کان کھڑے ہوئے، وہ توجہ سے سنتا رہا، اور خواجہ سرا بار بار یہی اشعار دہراتا رہا، ولید نے کہا۔

”کیا بکو اس کر رہا ہے، یہ کس کا کلام ہے؟“

”حضور، طبع کا“

ولید کو بہت غصہ آیا، کہنے لگا، ”اس کم بخت کی یہ مجال؟ میں اسے سب سے پہلے بلاتا تھا، اور سب سے آخر میں رخصت کرتا تھا، اس کا یہ صلہ؟ سمجھتا ہے کہ ہشام مدح کا مستحق ہے، اور میں نہیں؟“ پھر اس نے خواجہ سرا کو حکم دیا کہ ”دربان حاضر کیا جائے۔“ دربان سے اس نے کہا، ”اب میں طبع کو نہ دیکھنے پاؤں، خبردار جو وہ یہاں آیا، اگر اصرار کرے تو گرون اُڑا دو“

عصر کے بعد حسب معمول طبع پھر آیا، اس وقت اسے آنے کی عاجازت تھی، اندر جانے کے لیے دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ حاجب سا آگیا، اس نے کہا۔

” پیچھے ہٹ جائیے واپس جائیے۔“
 ” تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا میرے بعد ولی عہد کے پاس کوئی اور
 شخص گیا تھا؟“

” نہیں، لیکن جب آپ دربار سے واپس گئے، میرے بھے
 حکم دیا کہ آپ کو اندر نہ داخل ہونے دوں، اور اگر آپ اصرار کریں
 تو آپ کی گردن اڑا دوں!“

” میں تمہیں دس ہزار درہم دوں گا، مجھے اندر جانے دو۔“
 ” خدا کی قسم اگر آپ مجھے عراق کا خرارج دے دیں تو بھی یہ نہیں
 ہو سکتا، یہ بھی بتا دوں، اندر جانا آپ کے لیے بہتر نہیں ہے، خیریت
 اسی میں ہر کہ اُلٹے پاتو واپس جائیے۔“

” اچھا یہی بتا دے یہ گل کس نے کھلایا ہے؟“
 ” میں نہیں جانتا، جب میری طلبی ہوئی، تو ولی عہد کے پاس
 کوئی نہیں تھا۔“

طرح لوٹ آیا، اور دروازے کے پاس ہی ڈیرا ڈال دیا۔ ایک برس
 کی مدت گزر گئی، وہ وہاں سے ہلا بھی نہیں، نہ اندر جانے کا موقع ملا، نہ
 طلبی ہوئی، آخر تنگ آکر اس نے ارادہ کر لیا کہ اپنے وطن اپنے قبیلے میں واپس
 جائے، پھر سوچا یہ تو عجیب بے ٹکی بات ہوگی کہ میں ولی عہد سے بے ملے
 چلا جاؤں، اور یہ بھی نہ معلوم ہو سکے کہ آخر بات کیا ہو؟ طرح یہ بھی دیکھتا
 تھا کہ جو لوگ اس سے جلتے اور خار کھاتے تھے، وہ اب بہت ہشاش بشاش
 ہیں، وہ لوگ دھڑتے سے ولید کے پاس جاتے تھے، شریکِ مجلس ہوتے
 تھے، امورِ بہتہ کے تصفیے کے لیے مشورے میں بلائے جاتے تھے، اس عرصے

میں طرح دربان سے برابر اظہارِ نیاز مندی کرتا رہا، آخر اسے ترس آگیا، ایک دن اس نے کہا، "تمہیں اتنے دن ہو گئے، تمہارا یہ حال دیکھ دیکھ کر میں گڑبگڑا ہوں۔ ولی عہد صاحب فلاں دن حمام میں داخل ہوتے ہیں پھر وہیں تخت پر لیٹ جاتے ہیں اور دربارِ عالم منعقد کرتے ہیں، اس روز کوئی دربان موجود نہیں ہوتا، ہر شخص بے روک ٹوک جا سکتا ہے، اب جب وہ دن آئے گا، میں تمہیں بتا دوں گا، اس دن پہنچ جانا، اس دن جاؤ گے تو مجھ پر بھی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

جب وہ دن آیا، ولید حسبِ معمول حمام گیا، فارغ ہو کر وہیں شاہی کرسی منگائی، اور جلوس فرما ہوا، دربارِ عالم شروع ہو گیا، لوگ اپنی ماتیں لے لے کر اس کے پاس جاتے، اور وہ ہر بانی سے سب کی سنتا۔ دربان نے طرح کو اطلاع دے دی، یہ بھی جھٹ سے پہنچ گیا، ولید نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا، ادبِ مجلس کے لحاظ سے یہ اسے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ طرح کو آئے یا تو واپس جانے کا حکم دے دے۔ وہ قریب پہنچا، سلام کیا، امیر نے سلام کا کوئی جواب نہیں دیا۔ طرح نے کہا:-

"سونے والے سو گئے، میں نے اس طرح رات تیر کی کہ غم سے سینہ شق ہوا جا رہا تھا، میں جاگ رہا تھا، مجھ پر خرام نہیں تھا، ان لذتوں سے نا آشنا تھا جن سے جاگنے والے نطف اندوز ہو رہے تھے، میں تہمت سے لپکنے کے وہ راستے تلاش کر رہا ہوں، جو بند ہو گئے ہیں، ولید کی برہمی نے مجھے اتنا ہیبت زدہ کر دیا تھا کہ حوادث کا خطرہ جاتا رہا تھا، امیر خلیفہ کے بیٹے جس انسان کا تو جائے پناہ تھا اس پر تیرا قہر، ایک بلائے عظیم ہے، جو چیزیں

تجھے نامرغوب ہیں میں ان سے الگ رہوں گا، بشرطیکہ تو بھی یہ چاہے۔
میرا باپ تجھ پر قربان، تو مجھ پر اپنی وسعتِ اخلاق کا ثبوت دے
یہ تو تیرا ہمیشہ شعار رہا ہے، جو مصیبت مجھے پہنچ چکی ہے کیا تجھے وہ
بس نہیں کرتی؟ تیری قربانیت کا ثبوت یہ میرا اڑا ہوا رنگ اور
پڑھو رہے جسم ہے۔“

امیر نے یہ اشعار سنے، اس کی باچھیں کھل گئیں، طرح طرح کو اپنے قریب
بٹھایا، ہنسا، اور جو واقعہ گزرا تھا سنایا، اب پھر طرح طرح ہو گیا۔

(۲۳) شاعر کی دل لگی!

عبدالحکم بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان الحنفی نے ایک کلب قائم کیا۔
جس میں شطرنج اور نرد کھیلنے، عود اور طنبور بجانے، کا پورا پورا انتظام تھا، نیز
ایک لائبریری بھی تھی جس میں ہر علم و فن کی کتابیں موجود تھیں، دیوار میں کھونٹیاں
لگی ہوئی تھیں جو شخص آتا تھا اپنے کپڑے کھونٹی پر ٹانگ دیتا تھا، کوئی پڑھنے
لکھنے میں لگ جاتا تھا، کوئی کھیلنے بیٹھ جاتا تھا، کبھی کبھی عبدالحکم بھی کھیل میں
شریک ہو جاتا تھا۔

ایک بار عبدالحکم مسجد حرام میں تھا کہ ناگہاں ایک نوجوان بابِ خطاطین
سے جو بابِ نبی جمع کے نام سے منسوب تھا، آیا، وہ رنگین اور خوش بودار لباس
سے آراستہ تھا، اس کے کان میں کلیوں کا حلقہ بڑا ہوا تھا، اس کے جسم سے
خوش بو کی پٹیں آرہی تھیں، وہ لوگوں کو چیرتا پھاڑتا آگے بڑھا، اور عبدالحکم کے
پاس آکر بیٹھ گیا۔ دیکھنے والوں میں کسی نے کہا، ”اسے کیا ہو گیا ہے؟ یہ کون ہے؟“

”کیا یہ کسی اور کے پاس نہیں بیٹھ سکتا تھا؟“ کسی نے کہا، ”یہ عبدالحکم سے کیا کہہ رہا ہے؟“ عبدالحکم کے پاس کوئی آبیٹھے تو وہ بدخلقی سے پیش نہیں آتا“ کچھ دیر تک وہ شخص عبدالحکم سے باتیں کرتا رہا، پھر وہ جھکا، اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کھڑکھڑا اور مجمع کو چیرتا ہوا اس کے ساتھ باب الخناطین سے نکل گیا۔

عبدالحکم کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں اس سے کہا، ”اللہ نے تیری صورت میں مجھ پر کیا بلا مسلط کر دی ہے؟ آدھے آدمیوں نے تیرے ساتھ مجھے مسجد حرام میں دیکھا، آدھے آدمی دیکھ رہے ہیں کہ میں باب الخناطین پر تیرے ساتھ موجود ہوں، اب کلب آگیا، وہ شخص عبدالحکم کے ساتھ اندر داخل ہوا، اندر آتے ہی اس نے اپنی چادر کھونٹی پر لٹکا دی، لباس بھی ذرا ڈھیلا کر لیا، پھر شطرنج کھیلنے بیٹھ گیا، کہنے لگا، ”آئے کون کھیلتا ہے؟“ اسی اثنائیں مشہور گویا ابجرا گیا، اس نے آتے ہی اس شخص سے کہا، ”اگر زندقہ، یہاں تجھے کون لے آیا؟“ یہ کہہ کے اس نے اسے بڑا بھلا کہنا اور منسی مذاق کرنا شروع کیا۔ عبدالحکم نے ابجرا سے کہا، ”تم اس آدمی کو میرے گھر میں گالیاں دے رہے ہو؟“ ابجرا نے کہا، ”آپ اسے پہچانتے بھی ہیں؟ یہ احوص ہے، احوص!“

لے احوص، انصاری، نام عبد اللہ بن محمد، کنیت ابو محمد، اس کا رنگ سُرخ تھا، محمد بن سلام نے اسے، محمد بن قیس کو نصیب اور جمیل کو، شعراء اسلام کے چھٹے طبقے میں شمار کیا ہے، اس کا درجہ ابن قیس اور نصیب کے بعد رکھا ہے، احوص اگر دنی الاخلاق اور پست کردار کا نہ ہوتا تو اہل حجاز میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی۔ وہ بہت ملامت طبیعت کا آدمی تھا، کلام بہت سادہ اور معنی خیز ہوتا تھا، اس کے اشعار پاکیزہ ہوتے تھے، صاف اور واضح ہوتے تھے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۸۹ پر)

احوص کو عبدالحکم نے گلے سے لگایا، گرم جوشی کا اظہار کیا، اور کہا: "اگر تم احوص ہو تو تم نے جو کچھ کیا سب مجھے گوارا ہے"

(۲۴) ایک لاکھ درہم کی چادر

عبد اللہ بن علی الماہانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز اسٹی موسلی سے ملنے گیا، وہ سیاہ ریشم کی ایک زرنگار چادر اوڑھے بیٹھا تھا، ہم لوگ باتیں کرنے لگے، سلسلہ سخن میں اس چادر کا ذکر چھیڑا، اسٹی نے کہا: "کسی زمانے میں تم بھی تو دولت مند تھے، اس چادر کے متعلق کیا کہتے ہو؟"

"سچ تو یہ ہے میں نے ایسی چادر نہیں دکھی"

"اس کی قیمت جانتے ہو؟ ایک لاکھ درہم، عجیب قصبہ ہے!"

"میں تو اسے سو دینار سے زیادہ نہیں آنک سکتا،"

"اچھا، تو سنو!"

ایک روز ہم بیٹھے شراب پی رہے تھے، کہ رات بیت گئی، میں نشے میں ڈھکتے ہو رہا تھا، اتنے میں امین کا قاصد میرے پاس آیا، کہنے لگا، "امیر المومنین

(صفحہ ۸۸ کا بقیہ نوٹ)

شیریں اور لطیف ہوتے تھے، اس باب میں کوئی اس کا حریف نہ تھا، جب جو پر اتر آتا تھا تو احسان فراموش ہو جاتا تھا، سلیمان یا ولید بن عبد الملک نے اس مجرم میں اسے کوڑے بھی لگائے، اور جلا وطن کر کے دہک میں نظر بند کر دیا۔

۱۰ امین، خلیفہ ہارون رشید کا بیٹا۔

نے فوراً آپ کو یاد فرمایا ہے۔ میں جانتا تھا کھلانے پلانے کے معاملے میں کنجوس
ہے، میں نے پہلے کھانے سے فراغت کر لی، پھر اٹھا، لباس پہنا، قاصد چونکہ
جلدی کر رہا تھا، اس لیے جلدی سے روانہ ہوا، امین کے پاس پہنچا، ابراہیم
بن مہدی اس کے دلہنے طرف بیٹھا تھا، وہ بہ چادر اوڑھے اور خاکِ رنگ کا
ایک جبتہ پہنے بیٹھا تھا، اس نے مجھ سے کہا،

”تم نے ناشتہ کر لیا؟“

”جی ہاں“

”بے وقوف یہ کون سا ناشتے کا وقت تھا؟“

”امیر المومنین صبح جب اٹھا تو خمار سے چوڑ چوڑ ہو رہا تھا،“

(حاضرین مجلس سے) آج ہم نے کتنی شراب پی؟“

(حاضر مجلس) تین رطل“

”اسنخ کو بھی اتنی ہی پلاؤ“

میرے پاس دو رطل شراب لائی گئی، میں پیتا جاتا تھا، اور دل میں ڈرتا جاتا
تھا کہیں میں بھی اس کے ساتھ نہ جاؤں؟ پھر تیسرا رطل مجھے دیا گیا، اسے
بھی میں پی گیا، پیتے ہی گویا آنکھیں کھل گئیں، امین نے کہا:-

”گانا سناؤ، یہ شعر گاؤ!“

کلیب العمری کان اکثر نامر و ایس جرمامنک فرج بالدم

میں نے ارشاد کی تعمیل کی، امین نے کہا:-

”شاباش، خوب گایا تم نے“

بڑی دیر تک وہ نطف لیتا رہا، پھر دربار سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے

جاتے ہی میں نے اپنے غلام کو بلایا، اور اسے حکم دیا کہ فوراً واپس جاؤ،

گھر سے کباب اور کوفتہ وغیرہ لے آؤ اسامان رومان میں لپیٹ لینا، جلدی سے گھوڑے پر جاؤ اور فوراً واپس آؤ " غلام فوراً واپس چلا گیا، اور تھوڑی دیر میں واپس آ گیا، گھوڑے سے جب وہ اُترا، تو گھوڑا گرا، اور گرتے ہی مر گیا، وہ اتنا تھک گیا تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا، طبیعت ذرا بحال ہوئی، کھانسی کے میں پھر مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔

ابراہیم بن مہدی نے مجھ سے کہا، " میری تم سے ایک درخواست ہے " میں نے کہا، " میں آپ کا غلام ابن غلام، ارشاد فرمائیے، تعمیل میرا فرض ہے " اس نے کہا، " ایک مرتبہ یہی گانا پھر سناؤ، پھر یہ چادر تمہاری ہو جائے گی " میں نے کہا، " چادر کی کیا ضرورت ہے؟ میں آپ کے در دولت پر حاضر ہو جاؤ گا، وہاں آپ کی کنیزوں کو بھی یہ گانا سکھا دوں گا اور آپ کہیں گے تو خود بھی دوبارہ سناؤں گا " ابراہیم بن مہدی نے کہا، " میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اسی وقت تم سناؤ، یہ چادر تم پر بہت زیب دے گی، بڑی قیمتی چیز ہے " میں نے دوبارہ گانا سنایا، اور اس نے دل ہی دل میں ازبر کر لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد امین کے پانوں کی چاپ سنائی دی، ہم سب کھڑے ہو گئے، وہ آیا، اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، ہم لوگ بھی بیٹھ گئے۔ امین نے شراب منگوائی، اور پینے لگا ہم لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے، اتنے میں ابراہیم بن مہدی نے وہی گانا شروع کر دیا، جو مجھ سے گوا کر سنا تھا، خدا کی قسم اتنا اچھا گانا میں نے نہیں سنا تھا، امین بھی ابراہیم کا گانا سن کر بہت خوش ہوا، کہنے لگا۔ " چچا جان آپ تو خوب گاتے ہیں " پھر اپنے غلام کو حکم دیا، " چچا جان کو دس تھیلیاں، درہم کی لا کر ابھی دے " فوراً وہ دس تھیلیاں لایا، اور ابراہیم کے لئے ابراہیم خلیفہ مہدی کا بیٹا، اور ہاروں کا چھوٹا بھائی تھا۔

پاس رکھ دیں۔

ابراہیم نے کہا، ”امیر المومنین اس میں کوئی اور بھی شریک ہے؟“

”وہ کون؟“

”اسحق“

”کیوں کر؟“

”جب آپ تشریف لے گئے، اس اثنا میں میں نے اس سے

یہ گانا سیکھ لیا“

”تو امیر المومنین کے پاس دولت کی کیا کمی ہے، جو وہ آپ کو

دیے ہوئے عیٹے میں کسی کو شریک کریں؟“ میں نے کہا،

”میرا جہاں تک تعلق ہے، میں تو تمہیں شریک کروں گا، اور

اس سے امیر المومنین بھی واقف ہیں“

بات ختم ہو گئی۔

جب دربار برخواست ہوا، اور ہم لوگ جانے لگے تو ابراہیم نے مجھے

تیس ہزار درہم دیے، اور یہ چادر بھی عطا کی۔ یہ چادر ابراہیم نے ایک لاکھ

میں لی تھی، اور یہی اس کی اصل قیمت ہے۔

(۲۵) عورت کافرِ یاب!

اقبشہ اگر کسی سے طلب کرتا تو بس پانچ درہم، دو درہم خچر کے کرائے

لے پورا نام منیرہ بن عبداللہ، بن عمیر بن الاسد، اقبشہ لقب تھا اس لیے کہ اس کا چہرہ خون

کبود ترکی طرح سرخ تھا، کنیت ابو معرض، ہمیشہ شراب کے نشے میں (بقیہ نوٹ صفحہ ۹۳) (۶۶)

کے لیے جس پر وہ حیرت انگیز جاتا تھا، دو درہم شراب ناپ کے لیے، اور ایک درہم کھانے کے لیے، اس کے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جس کی کنیت ابوالمفاتیح، یہ خچر کرایے پر چلانے کا پیشہ کرتا تھا، اقیشر کو جب ضرورت ہوتی، دو درہم سے کر اس سے خچر کرایے پر لے لیتا، اور حیرہ چلا جاتا، وہاں شراب کی ایک دکان تھی، گھوڑے کو لگام سے کہیں اٹکا دیتا، اور خود فروش کے ہاں پہنچ جاتا، خوب سیر ہو واپس آ جاتا۔

حسب معمول وہ ایک مرتبہ حیرہ پہنچا، دیکھا فروش اپنی جگہ نہیں ہے، بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا، اسی اثنا میں ایک عورت داخل ہوئی، اقیشر نے پوچھا، ”مفروش کہاں گیا؟“ ”ایک کام سے گیا ہے، میں اس کی بیوی ہوں، کہو کیا ہے؟“

”مجھے نبیذ چاہیے“

”کتنے کی؟“

”دو درہم کی“

”لاؤ درہم! یہیں میرا انتظار کرو“

”یہ تو نہیں ہو سکتا“

”نہ سہی“

یہ کہہ کر وہ چلتی ہوئی، اقیشر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا، جب ایک گھر کے پاس پہنچی، تو اقیشر نے اسے درہم دے دیے، اس گھر کے دو دروازے

(صفحہ ۹۲ کا بقیہ نوٹ)

ست رہتا تھا، عہد نبو امید میں بزمانہ سجال اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔
سہ ایک مقام کا نام۔

تھے، خود تو ایک دروازے سے نکلی چلی گئی، اور یہ دوسرے پر بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا، بڑی دیر کے بعد کچھ لوگ گھر سے برآمد ہوئے، پوچھا۔

”کس کے انتظار میں بیٹھے ہو؟“

اقیشتر نے ساری داستان سنا دی، لوگوں نے کہا، ”وہ تو بڑی جعل ساز ہے، ہونہ ہو ام حنین ہوگی“ اب اقیشر سمجھا کہ اسے دھوکا دیا گیا، اس نے کہا۔

”ام حنین کے سوا ہم نے کسی سے دھوکا نہیں کھایا، اس نے

دو درہم لے لیے، شراب کا وعدہ کیا، لیکن چلتی جی، وہ ان دونوں

درہموں سے گویا لکر گئی، لوگوں کو دیکھو! یہ میرے دو درہم کیسے ضائع

کئے؟“

یہ اشعار فروش تک بھی پہنچے، اس نے آکر اقیشر سے کہا:-

”کیوں بھائی میری ماں کی کیوں بچو کی؟“

”اس نے مجھ سے دو درہم لے لیے، اور شراب نہیں دی“

”خدا کی قسم میری ماں تو تمہیں پہچانتی بھی نہیں، اس نے کبھی

تم سے کچھ نہیں لیا، میری ماں کو دیکھ کر اگر تم کہ دو کہ اس نے

تم سے درہم لیے تھے تو میں اپنے پاس سے تمہارے درہم

واپس کر دوں گا“

”بھائی میں تو ام حنین کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا، اس نے

مجھ سے یہی کہا! میں ام حنین اور اس کے بیٹے کے سوا کسی کی

بجو بھی نہیں کرتا، اگر تمہاری ماں وہی ام حنین ہے تو بے شک

وہی مراد ہے، اور اگر وہ کوئی اور ام حنین ہے تو میری مراد اسی

سے ہے“

”لیکن لوگ تو دونوں میں فرق نہیں کریں گے“
 ”پھر میں کیا کروں، اپنے درہم یونہی ضائع جانے دوں، اور
 دل کی بھڑاس بھی نہ نکالوں؟“
 ”خدا تجھے غارت کرے، پھر اپنے ساتھ لا کر اسے شراب پلا دی
 اور رخصت کیا۔“

(۲۶) کھری کھری باتیں!

حفصی کا بیان ہے کہ مجھے ایک روز عبداللہ بن موسیٰ نے طلب کیا،
 اور اسی دن عبداللہ کے سگے بھائی اسمعیل نے بھی یاد کیا۔ میں نے اسمعیل
 کے بلاوے کو ترجیح دی، اس لیے کہ عبداللہ شہر پر نفس اور بد طبیعت آدمی
 تھا، بے سان و گمان عصر کے قریب عبداللہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا، ہم نے
 دیکھا وہ نشے میں بدست ہو رہا تھا، گلے میں تلوار لٹکی ہوئی تھی، ہم لوگوں
 نے اسے اس حال میں دیکھا تو ادھر ادھر پناہ کی جگہ ڈھونڈنے لگے۔

عبداللہ اپنی سواری سے اترا، اور بیٹھ گیا، اسمعیل اس کے اعزاز و اکرام کے
 پیش نظر مودب کھڑا رہا، اس نے عبداللہ سے کہا، ”میرے سردار! میرے
 پاس تشریف لا کر قدم رنجہ فرما کر آپ نے مجھے بے حد مسرور کیا۔“
 عبداللہ نے کہا، ”ان باتوں کو چھوڑو، یہ بتاؤ تمہارے پاس کون
 کون ہے؟“

اسمعیل نے جو جو لوگ تھے ان کے نام بتائے، عبداللہ نے کہا،
 ”انہیں میرے پاس لاؤ۔“

ہم سب اس کے پاس اس حالت میں آئے کہ دہشت کے مارے سر
 جا رہے تھے، وہ میری طرف مخاطب ہوا، اس نے کہا، ”اگر حفصی، میں نے
 تین روز تک برابر تجھے بلایا، تو نے میری تو پروانہ کی، اور اسمعیل کے پاس
 پہنچ گیا؟“ یہ کہہ کے اس نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ مارا، اسمعیل میرے اور
 اس کے مابین اکر کھڑا ہو گیا، اس نے کہا، ”ہاں، یہ میرے پاس آ گیا،
 اس نے آپ کے بلاوے کی پروانہ کی، اس لیے کہ آپ کے پاس سے جب
 یہ واپس جاتا ہے تو ظلم و ستم کا شکار ہو کر، ناکام و نامراد ہو کر اور برعکس اس کے
 میرے پاس سے جب یہ لوٹتا ہے تو اسے خلعت ملتا ہے، اور جو وعدہ کیا جاتا
 ہے، پورا کیا جاتا ہے، کیا اسی بات پر آپ اسے ملامت کر رہے ہیں؟“
 عبد اللہ اپنے ارادے سے باز آ گیا، حالانکہ وہ بڑا تیکھا آدمی تھا، وہ
 اٹھا اور چپ چاپ چلا گیا۔

(۲۷) بے مثال بردباری!

دل شاد، عبد اللہ بن موسیٰ کا غلام، بیان کرتا ہے کہ ہم اور ثقیف [ؑ] عبد اللہ
 بن موسیٰ کے سامنے عود بجا رہے تھے، مجلس میں جو لوگ بیٹھے تھے سب
 نیم نپے ہوئے تھے، اتنے میں عبد اللہ اور ثقیف ایک راگ گانے لگے،
 دونوں میں اختلاف پیدا ہوا، اور آپس میں جھگڑنے لگے، عبد اللہ نے کہا
 میں نے اسی طرح منصور زلزل سے سیکھا ہے، ثقیف نے کہا، ”میں جس طرح
 گارہا ہوں، میں نے بھی منصور زلزل سے اسی طرح سیکھا ہے“ دونوں کے
 ملے ثقیف، فضل بن ربیع کا غلام۔

جھگڑے نے اچھی خاصی طوالت اختیار کر لی، ثقیف بڑا شریر النفس تھا، ذرا سی بھی پی لیتا تھا تو ہوش و حواس کھو بیٹھتا تھا، خود عبداللہ کا بھی یہی حال تھا۔ ثقیف کو عقد جو آیا تو اسی نشے کی حالت میں اس نے وہی عود اٹھایا، اور عبداللہ کے سر پر دے مارا، عود طوق کی طرح عبداللہ کے گلے میں لٹک گیا، مخدم یہ منظر دیکھتے ہی دوڑ پڑے کہ اسے قتل کر دیں، عبداللہ بن موسیٰ نے اپنے مخدم سے کہا :-

”اسے مت چھو، میری گردن سے عود نکالو“ مخدم نے ایسا ہی کیا، اگرچہ عبداللہ خود بھی بڑے ٹیکھے مزاج کے تھے، لیکن اس دن انھوں نے ایسی بردباری کا ثبوت دیا، جس کی مثال نہیں ملتی، انھوں نے اپنے مخدم سے کہا :-

”میں نے اگر اسے قتل بھی کر دیا، تو لوگ یہی کہیں گے، ایک کتے کو مار ڈالا، اب تم اسے خلعت دو، اور کچھ مال بھی دو، لیکن آئندہ یہ یہاں قدم نہ رکھنے پائے“

(۲۸) ماموں الرشید دمشق میں!

محمد بن احمد المکی روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، میں علویہ کی عیادت کے لیے گیا، وہ کچھ بیمار تھا، باتوں باتوں میں ماموں الرشید کا ذکر چھڑ گیا، علویہ نے کہا، اگر خدا نے خیر نہ کی ہوتی، تو ایک دفعہ تو میں ایسا پھنسا تھا کہ جان ہی گئی ہوتی میں نے پوچھا، ”یہ کیوں کر؟“ اس نے کہا، سنو! :-

غلام زریاب جب ان کے پاس تھا تو دو سو غلاموں کے جلو میں چلتا تھا جو اس غلام کے زر خریدتے، اور تین لاکھ دینار اس کے پاس نقد تھے جو بنو امیہ سے اسے ملے تھے، اس کے علاوہ ان لوگوں نے اسے گھوڑے، خچر، جاگیر، غلام بھی بہت بڑی تعداد میں عطا کر رکھے تھے، اب بھوکا مر رہا ہوں۔“

ماموں نے کہا، ”اس کے علاوہ تو کسی اور طرح مجھے متوجہ نہیں کر سکتا تھا؟“ میں نے کہا، ”اسی چیز نے مجھے ان کی یاد دلائی۔“ اس نے کہا، ”اچھا اب یہ ذکر چھوڑو“ میرا مطلب اس نے ”تاڑ ہی لیا تھا، میں پھر گائے بیٹھا، اور پھر ہر وہ راگ اور گیت خود بخود بھول گیا جس سے وہ لطف اندوز ہوتا، زبان پر بے ساختہ یہ شعر آ گیا :-

”وقت مجھے دشت کی طرف کھینچنے لیے جا رہا ہے، حالانکہ میں

اب اسے سزاوار اقامت نہیں سمجھتا“

اب تو ماموں نے جام شراب میرے اوپر کھینچ مارا۔ اگر میں خالی زردوں توڑ جانے کیا حشر ہو، وہ زمین پر گرا، اور ٹوٹ گیا، ماموں نے کہا، ”خدا کی تجھ پر پھٹکار، جا بھاگ یہاں سے“ یہ کہا، اٹھا، اور سوار ہو کر چل دیا، اور پھر مجھے کبھی نہ یاد کیا۔

پھر علویہ نے مجھ سے کہا، ”تم جانتے ہو مجھے ہزاروں راگ اور گیت یاد ہیں، لیکن جب ماموں کو منانے بیٹھا تو سب بھول گیا، اور یاد کیا آیا؟ وہی جو اسے ناپسند تھا، میں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر میری ہزار روئیں ہوں گی تو ان میں سے ایک بھی نہیں بچے گی، لیکن ماموں جہاں غصہ درنہا، وہاں حلیم اور بردبار بھی تھا،

”ماموں ایک دفعہ شام گیا، میں اس کے ساتھ تھا، ہم لوگ دمشق پہنچے سارے شہر کی سیر کی، پھر ہم بنو امیہ کے آثار و نقوش دیکھنے لگے، ماموں ان کے ٹوٹے ہوئے محلات دیکھے ہوئے تصور اور رائے و دربانہ بنیادوں کو دیکھتا پھرتا تھا، پھرتے پھرتے ایک صحن میں پہنچا، سارا کا سارا صحن سنگِ خام کا بنا ہوا تھا، اس میں ایک تالاب بھی تھا، جس میں ایک چشمے سے پانی آتا تھا، تالاب میں رنگ برنگ کی مچھلیاں بھی تھیں، سامنے ایک باغ تھا جس کے چاروں گوشوں پر ایک ایک سرو کا درخت لگا ہوا تھا، معلوم ہوتا تھا کسی نے انھیں قینچی سے کاٹ کر ایک خاص درجہ میں کر دیا ہے، میں نے زندگی میں کہیں بھی قند اور قدر کے اعتبار سے اتنے خوب صورت سرو کے درخت نہیں دیکھے تھے، ماموں نے اس منظر کو پسند کیا، بیٹھ گیا، خدام کو حکم دیا، ”کوئی ہلکی سی غذا لاؤ، فوراً حکم بجالایا گیا، جب وہ کھا چکا، تو بنیذ طلب کی، مجھ سے ارشاد ہوا، گاؤ، اور مجھے خوش کرو“ اتفاق دیکھیے، معلوم ہوتا تھا، مجھے جو کچھ آتا تھا، سب بھول گیا، یاد آیا تو کیا؟ یہ:-

لوکان حولی بنو امیہ لم تنطق رجال امرام نطقوا

یعنی اگر بنو امیہ برسر حکومت ہوتے تو جن لوگوں کو میں چرب زبانی کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، ان کی زبان گنگ ہوتی۔

یہ سن کر ماموں آگ بھھو کا ہی تو ہو گیا، میری طرف تہرا لود لگا ہوں سے دیکھا، اور کہا، ”تجھ پر اور بنو امیہ پر خدا کی پشکار، میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ مجھے اذیت دے، یا یہ کہا تھا کہ خوش کر؟ تو انھیں کبھی اور نہیں یاد کر سکتا تھا؟“ اپنی غلطی میں نے محسوس تو کر لی، لیکن بات بنانی بھی ضرور تھی، میں نے کہا:-

”میں نے بنو امیہ کا ذکر کیا اس پر آپ مجھے ملامت فرماتے ہیں، یہ آپ کا

(۲۹) سازندوں کا جھگڑا

علویہ الاعسر بیان کرتے ہیں کہ واثق باللہ کے دربار میں بعض گویے ہیں
میں جھگڑ پڑے، انہوں نے سازندوں اور ان کے کمال فن کا ذکر کیا، اسٹی نے
زلزل کو ملاحظہ سے بہتر قرار دیا، ملاحظہ اس فن میں جگت استاد مانا جاتا تھا۔
واثق نے کہا، ”اسٹی تم زیادتی کر رہے ہو“ اسٹی نے کہا، ”امیر المومنین دونوں
کو بلا کر امتحان نہ فرمائیے، خود ہی سب کچھ ظاہر ہو جائے گا“ امیر المومنین
نے فوراً پروانہ طلبی بھیجا، دونوں افتاں و خیزاں دربار میں پہنچے، اسٹی نے
کہا، ”سازندوں کے چند خاص راگ ہیں جو سب کو معلوم ہیں کیا میں ان
دونوں کا امتحان انھی میں لوں؟“ امیر المومنین نے ارشاد فرمایا ”ہاں“ اسٹی
نے تین راگوں کا نام لیا، جن میں سے پہلا، ”علق قلبی“ تھا، دونوں نے
ساز پر اسے بجایا، زلزل نے تو ٹھیک بجایا، مگر ملاحظہ بہک گیا، واثق کو
تعجب ہوا، ملاحظہ نے کہا، ”یا امیر المومنین یہ خود نہیں بجاتا دوسروں کو
کیوں مقلبے میں لاتا ہے؟“

اسٹی نے کہا، ”یا امیر المومنین میرے زمانے میں تو کوئی ایسا نہیں ہے
جو مجھ سے زیادہ ساز بجانے کا ماہر ہو، اور بہت سے طریقے میں ایسے جانتا
ہوں جو اس طبقے کا کوئی فرد نہیں جانتا“ پھر وہ ملاحظہ سے مخاطب ہوا اپنے
عود کے تار ادھر ادھر کر کے گڑ بڑ کر دو، اور میرے پاس لاؤ“ ملاحظہ نے ایسا
ہی کیا، اسٹی نے کہا، ”یا امیر المومنین ملاحظہ نے اس عود کے تار تو ادھر ادھر
کر دیے ہیں لیکن وہ نہیں جانتا کہ اپنی کی ہوئی خرابی کس طرح دُور کرے“

پھر اس نے عود اٹھایا، تاروں کو انگلیوں سے چھیڑا اور اسی آہٹ میں ہر ہرتار کی اصلی جگہ بھانپ لی، پھر ملاحظہ سے کہا، ”کوئی ساراگ گاؤ تو“ ملاحظہ لے گا نا شروع کیا، اور اسحق نے اسی بگڑے ہوئے خراب و خستہ عود کو ملاحظہ کے راگ پر بجانا شروع کیا، کہیں بھی وہ ملاحظہ کے راگ سے باہر نہیں گیا اور کمال یہ کہ ایک ہی ٹھونکنے سے وہ راگ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

دائق اسحق کا یہ کمال دیکھ کر دنگ رہ گیا، اس نے کہا، ”خدا کی قسم میں نے تمہارا صاحب کمال نہ دیکھا نہ سنا، میری کینزوں کو بھی یہ سکھا دو“ اسحق نے کہا، ”یہ وہ چیز نہیں ہے جو کینزوں کو بھی سکھائی جاسکے، وہ اسے سیکھ بھی نہیں سکیں گی۔ میں ایک واقعہ سنانا ہوں، فہلیڈ کسری کے دربار کا مشہور سازندہ تھا، ماہر بن فن میں سے ایک صاحب کو اس سے حسد پیدا ہوا، وہ گھات میں رہے، ایک وقت فہلیڈ کو غیر حاضر پا کر، اس کا عود اٹھایا، اور تار اُدھر اُدھر کر دیے۔ جب فہلیڈ واپس آیا، اپنا عود بجانے لگا، اسے کیا معلوم کیا ہو چکا ہے؟ وہ بجاتا رہا، اور کہیں بھی نہیں بہکا، جب بجا چکا تو بادشاہ سے کہا کہ یہ کارروائی کی گئی تھی۔ بادشاہ نے عود کا امتحان لیا تو بیان صحیح پایا، اسے بہت تعجب ہوا، فہلیڈ کو اس نے اس کمال فن پر مالا مال کر دیا۔ جب یہ روایت مجھ تک پہنچی، میں نے طوکر لیا کہ میں فہلیڈ سے زیادہ کمال بہم پہنچاؤں گا، دس برس سے زیادہ مدت گزر گئی، اب میں نے اتنی مہارت بہم پہنچائی ہے کہ اس پردہ دنیا پر کوئی نغمہ اور کوئی راگ ایسا نہیں ہے جس کے مقام اور کیفیت کا مجھے پورا پورا علم نہ ہو، یہ وہ چیز نہیں ہے جس پر کینز میں عبور حاصل کر سکیں“

دائق نے کہا، ”سچ کہتے ہو لیکن مرو گئے تو اپنے ساتھ یہ فن بھی لیتے

”ہنیں ایسا نہیں ہو سکتا۔“

میں نے اپنے تئیں ان کے حوالے لکر دیا، اور یوسف بن عمر کے پاس پہنچا۔
وہ ابوانِ احمر میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اسے سلام کیا، اس نے منانت سے
جواب دیا، اور میری طرف ایک خط بڑھا دیا:۔

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، خدا کے غلام ہشام امیر المؤمنین کی طرف
سے یوسف بن عمر کو معلوم ہو کہ جس وقت تم یہ میرا خط پڑھو
فوراً حماد الراویہ کو بلواؤ، اسے کسی طرح مرحوب یا پریشان نہ کیا
جائے، اسے پانچ سو دینار اور ایک اونٹ دو، اور اس سے
کہو کہ دمشق میں مجھ سے ملے۔“

میں نے پانچ سو دینار لے لیے، اونٹ بھی تیار کھڑا تھا، میں نے
رکاب میں پانوڈالا، اور کچھ جے میں بیٹھ روانہ ہو گیا۔ بارہ راتیں سفر میں گزریں
آخر میں ہشام کے در دولت پر پہنچ گیا۔ میں نے اذن باریابی طلب کیا جو فوراً
مل گیا، میں اس سے ایک وسیع اور کشادہ محل میں ملا، جہاں سنگِ رخام
کافرش تھا، ہر دو پتھروں کے بعد سونے کی پتیاں لگی ہوئی تھیں، یہی حال
دیواروں کا بھی تھا، ہشام ایک سُرخ رنگ کی مسند پر بیٹھا ہوا تھا، بدن
پر سُرخ ریشم کی چادر پڑھی ہوئی تھی، مشک اور عنبر کی خوش بو اس کے
روئیں روئیں سے پھوٹ رہی تھی، ایک سونے کی کٹوری میں اس کے سامنے
نافذِ مشک رکھا ہوا تھا، اسے ہاتھ میں لے کر اُلٹے پلٹے لگتا، جس کی خوش بو
سے سارا دربار مہک جاتا،

میں نے سلام کیا، اس نے مہربانی سے جواب دیا، اور اپنے قریب
بٹھالیا، میں نے اس کے پانو کو بوسہ دیا،

جاؤ گے! پھر واقعے نے اسحق کو تیس ہزار درہم عطا کیے!

(۳۰) ایک شعر کی قیمت!

حماد الراویہ بیان کرتے ہیں کہ میں یزید بن عبدالملک کے سوا اور کسی کے دربار میں نہیں جاتا تھا، اس وجہ سے ہشام بن عبدالملک مجھ سے ناراض رہتا تھا۔ جب یزید کا انتقال ہو گیا، اور مسندِ خلافت پر ہشام متمکن ہوا، تو میں ڈرا کہیں یہ میری جان کا لاگو نہ ہو جائے، آخر میں خانہ نشین ہو گیا، اور ایک سال تک خانہ نشین رہا، جن لوگوں پر مجھے اعتماد تھا، کبھی کبھی ان کے ساتھ موقع محل دیکھ کر چوری چھپتے باہر نکلتا تھا۔ جب پورا سال بیت گیا، اور کسی سے میں نے اپنا چرچا نہیں سنا، تو میں اطمینان سے باہر نکلا، مسجد میں جا کر نماز جمعہ یا جماعت ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر بابِ فیل کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ابھی مجھے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دو پولیس کے سپاہی میرے قریب آ کر ٹھہر گئے، اور کہنے لگے :-

”آپ کو امیر یوسف بن عمر نے یاد کیا ہے!“
 ”کیا تم مجھے تھوڑی مہلت دو گے تاکہ میں اپنے گھر جا کر لوگوں سے اس طرح رخصت ہوں کہ اب مجھے کبھی نہیں واپس آنا ہوتا“

لے حماد بن میسرہ، لغت، نسب، شعر اور عربوں کی تاریخِ حرب و اختلاط اور ان کے گزربے ہوئے واقعات کا بہت بڑا ماہر تھا، ملوکِ بنی امیہ اس کی بڑی قدر کرتے تھے، یہ اکثر ان کی مصاحبت میں رہتا تھا، وہ لوگ اس سے عربوں کی تاریخ، اور ان کے علوم سے تعلق معلومات حاصل کیا کرتے تھے، اور خوب انعام دیتے تھے۔

اتنے میں شعلہ جوالہ کی طرح دو کینیزیں برآمد ہوئیں، ایسا حسن و جمال میں نے
کبھی نہیں دیکھا تھا، ہر ایک کے کانوں میں سونے کے حلقے پڑے ہوئے تھے،
حلقوں میں آب دار موتی جگ جگ، گگ گگ کر رہے تھے۔

”ہشام نے مجھ سے کہا، کیسے ہو حاد؟“

”وُعادیتا ہوں حضور کو“

”جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟“

”مجھے کیا معلوم۔ امیر المومنین؟“

”مجھے ایک شعر یاد آیا، نہ معلوم کس کا ہے؟“

”کون سا شعر امیر المومنین؟“

”انہوں نے صبوحی مانگی، ایک خوش جمال کینیز جام بدست حاضر

ہوئی“

”یہ تو عدی بن زید کے ایک قصیدے کا شعر ہے“

”اس میں کے کچھ اشعار سناؤ“

میں نے چند اشعار سنائے، ہشام بہت خوش ہوا، کہا، ”حاد! بہت خوب
بہت خوب“ پھر کینیز کو حکم دیا، ”اسے پلاؤ“ اس نے اپنے دستِ نازک سے
مجھے پلاؤ، اور میری ایک تہائی عقل رخصت ہو گئی، اس نے مجھ سے کہا۔
”پھر سے تو کہنا“ میں نے پھر وہ اشعار سنائے، بہت لطف اندوز ہوا، دوسری
کینیز سے کہا، ”اسے شراب پلاؤ“ اس نے بھی شراب پلائی، پھر میری ایک
تہائی عقل رنوج کر ہو گئی، میں نے کہا، ”اب اگر تیسری بار مجھے شراب پلائی،
تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا؟“ ہشام اس وقت تنگ میں تھا، کہا۔
”مانگ کیا مانگتا ہے؟“

”جو مانگوں وہ پاؤں؟“
 ”ہاں، جو مانگے گا پائے گا“
 ”ان دونوں کینیزوں میں سے ایک مجھے بخش دیجیے“
 ”یہ دونوں تیری ہو گئیں، جو کچھ یہ پہنے ہوئے ہیں وہ، اور جو کچھ
 ان کا دھن دولت ہے وہ بھی سب ان کے ساتھ تیرا“
 پھر اس نے پہلی کینیز کو حکم دیا، ”خدا کو اور پلاؤ“ وہ جام لے
 کر میری طرف بڑھی، میں غٹ غٹ چڑھا گیا، اب میں اتنا مدہوش
 ہو گیا کہ مجھے تن من دھن کسی کی خبر نہیں رہی۔
 صبح جب میں اٹھا تو دونوں کینیزیں میرے سر ہانے کھڑی تھیں، اور
 خدام کی ایک بہت بڑی تعداد بھی موجود تھی، ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک
 تھیلی، ان میں سے ایک لے کہا۔
 ”امیر المؤمنین نے آپ کو سلام کہا ہے، اور یہ رُپیہ دیا ہے“
 رُپیہ میں نے اپنے قبضے میں کیا، اور کینیزوں کو لے کر گھر کی طرف کوچ
 کیا۔

(۳۱) احسان کا بدلہ!

عبداللہ بن ابراہیم الجعفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن ہریرہ سے پوچھا،
 شہ ابراہیم بن ہریرہ، نبیذ کا بڑا رسیا تھا، ہر وقت نشے میں بدست رہتا تھا، کنیت ابواسخی
 تھی، قدر ٹھنکنا تھا، اصمعی کا قول ہے، ابن ہریرہ، حکم الحضرمی، ابن میادہ، طفیل الکنانی
 اور دکین العرضی خاتم الشعرا کہے جاسکتے ہیں، (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۶ پر)

”عبدالواحد بن سلیمان کی مدح میں تم نے جو کچھ کہا ہے، ایسی مدح تو تم نے کبھی کسی کی نہیں کی!“

اس نے کہا ”سنو! مدینے میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، میری بنت عم نے مجھے آمادہ کیا کہ میں قسمت آزمائی کے لیے کہیں باہر نکلوں، میں نے کہا، ”ہن کیسی باتیں کرتی ہو؟“ چلا تو جاؤں، لیکن زادراہ؟“ اس نے کہا، ”جو کچھ وال دیا ہے، میں ساتھ کیے دیتی ہوں“ میں چل کھڑا ہوا، میری شہرت میرے ساتھ تھی، جس منزل پر میں پہنچتا، لوگ کہتے، ”یہ ابن ہریرہ ہے“

آخر میں دمشق پہنچا، ایک مسجد میں پناہ گزیں ہوا، فجر کے قریب دروازہ کھلا، ایک شخص نمودار ہوا، معلوم ہوا چاند نکل آیا، قریب آیا، اذان دی، پھر دو رکعت نماز پڑھی، اب جو میں نے غور کر کے دیکھا تو عبدالواحد میں اٹھا، اس کے پاس گیا، سلام کیا، اس نے کہا، ”ابواسلمی! ابلادہملاً

آؤ آؤ“ میں نے کہا، ”بیک، حاضر ہوں، میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا تادیر آپ کو سلامت رکھے، اور اپنی خوش نودی کی نعمت سے مالا مال کرے“ اس نے کہا، ”تم بہت دنوں کے بعد دکھائی دیے، یہاں تو اشتیاق دید کے مارے برا حال ہو رہا تھا، کہو سب خیریت تو ہے؟“ میں نے کہا، ”یہ نہ پوچھیے زمانے نے مجھے ہلاک کر دیا، برباد کر دیا، آپ ہی کے پاس دادرسی کے لیے آیا ہوں“ اس نے کہا، ”گھبراؤ مت، جو کچھ چاہو گے، انشاء اللہ ہو جائے گا“ میں اس سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں تین نوجوان آئے، تینوں آپس میں اس طرح تھے، جیسے ایک مضبوط رسی کی تین گرہیں، انھوں نے ہی عبدالواحد (صفحہ ۵۵ کا بقیر نوٹ) ۵۷ میں ابن ہریرہ کی ولادت ہوئی، مسئلہ ۳ میں ابن جعفر النعمان کا درباری شاعر بنا، اس کے بعد بھی بڑی مدت تک زندہ رہا۔

کو سلام کیا، ان میں جو سب سے بڑا تھا، عبدالواحد نے اسے اپنے پاس بلایا، اور کان میں کچھ چپکے سے کہا، اس طرح کہ نہ میں کچھ سن سکا، نہ اس کے دونوں بھائی۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ عبدالواحد کے پاس بیٹھا، اس سے کچھ چپکے سے کہا اور پھر چل دیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ ایک غلام کے ساتھ آیا، جس کے سر پر قیمتی کپڑوں کی ایک گٹھری رکھی ہوئی تھی، وہ گٹھری اس نے میرے سامنے کر دی۔

پھر دوسری مرتبہ اس سے عبدالواحد نے کچھ کہا، وہ اٹھ کر چلا گیا، اور قیمتی کپڑوں کا ایک اور گٹھا لے کر واپس آیا، عبدالواحد نے مجھ سے کہا، ”ابو اسحق، قریب آؤ! میں جانتا ہوں، جب تک پریشیاں روزگاری تمہیں نہیں ستائے گی کلہے کو ہمارے پاس آؤ گے؟ یہ مال لو اور اپنے اہل و عیال میں واپس جاؤ“ پھر اس نے مجھے ایک ہزار دینار دیے اور کہا، ”بس اب جاؤ!“ میں اٹھا، دروازے پر جو پہنچا، اونٹنی دیکھ کر دل کو کوفت ہوئی۔ عبدالواحد نے پھر مجھے بلایا، اور کہا، ”یہ اونٹنی تمہارے قابل نہیں ہے،“ پھر غلام سے کہا، ”ان کی خدمت میں خاص سیراؤنٹ پیش کر دو،“ اونٹ اتنا عمدہ تھا کہ اسے پاکر میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اس نے جو کچھ مال و متاع مجھے دیا تھا اس سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی اس ایک اونٹ سے۔ یہ داستان مناکر ابن ہر مہ نے کہا، ”اب کیا کہتے ہو؟“

(۳۲) ایک دعوت!

عبدالرحمن بن ابی الزناد کہتے ہیں کہ میرے والد کہتے تھے، خارص بن یربوع

دل میں کہا، انھیں کیا ہوا ہے کہ اپنے باپ کو مارنا چاہتے ہیں؟
 جب حضرت حسان دعوت سے فارغ ہو کر اپنے مکان تشریف لے
 گئے، تو ایک فرش پر لیٹ گئے، ایک پاؤدوسرے پر رکھ دیا، کہنے لگے، "رائف
 اور اس کی ہسلی کے گالے نے مجھے وہ بات یاد دلائی جو میرے کانوں نے
 جاہلیت کے زمانے میں جیلہ بن ایہم غسانی کے ساتھ سنی تھی، پھر تبتم ہوئے
 اٹھ کر بیٹھ گئے، اور فرمایا، "میں نے جیلہ کے ہاں دس کنیزیں دیکھیں، پانچ تو رسی
 تھیں جو بربط ہاتھ میں لیے، رومی کا ناگا رہی تھیں، اور پانچ اہل حیرہ کا ناگا رہی
 تھیں، یہ کنیزیں ایاس بن قبیلہ نے جیلہ کو تحفے میں بھیجی تھیں، جیلہ جب شراب
 پینے بیٹھتا تھا تو اس کے نیچے گلاب، چنبیلی، اور طرح طرح کے خوش بو دار پھول
 بچھائے جاتے تھے، سونے اور چاندی کی کٹوریوں میں مشک اور نبر رکھا
 جاتا تھا، عود بھی سلگایا جاتا تھا، یہ عود پہلے گلاب کے پانی میں رکھ کر سکھایا
 جاتا تھا۔ یہ تو ہوتا تھا موسم سرما میں، لیکن گرمی میں برف اور اوسے سے
 ٹھنڈک کا انتظام کیا جاتا تھا۔

سلہ جیلہ بن ایہم غسان کا بادشاہ، سلمان ہو گیا تھا، حرم کعبہ میں اس نے ایک بدو
 کے چائٹا مارا، اس نے خلیفہ وقت حضرت عمر سے شکایت کی، انھوں نے اسے
 اجازت دے دی کہ وہ بھی جیلہ کے ایک تھپڑ مارے۔ جیلہ نے کہا، میں ایک
 بادشاہ، اور یہ ایک عامی، یہ مجھے مارے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ حضرت
 عمر نے فرمایا، یہی ہوگا، تمہیں اس کی مار رکھنا پڑے گی، اسلام میں کوئی
 اعلیٰ اور ادنیٰ نہیں ہے، سب برابر ہیں، جزا اور سزا میں کوئی امتیاز روا
 نہیں رکھا جاسکتا، جیلہ اس وقت تو خاموش ہو گیا، مگر جب واپس گیا تو مرتد
 ہو کر قیصر کے پاس بھاگ گیا۔

سے میں نے سنا، وہ کہتا تھا، ”آل بنیٹ کے ہاں ایک دعوت میں ہم بلائے گئے۔ میں وہاں پہنچا، دیکھتا کیا ہوں، حضرت حسان بن ثابتؓ بھی تشریف رکھتے ہیں، ہم سب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھے۔ اب حضرت حسان اتنے کہن سال ہو چکے تھے کہ آنکھیں تقریباً جاتی رہی تھیں، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے عبدالرحمن بھی تھے، کھانا چننا گیا، انھوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا، ”ثرید ہریا بٹھنا ہو گوشت؟“ اس لیے کہ وہ گوشت بہت چبا چبل کے کھاتے تھے، کہا گیا، ”بٹھنا ہو گوشت ہو“ انھوں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

لوگ جب کھالے سے فارغ ہو گئے، تو دو کینیزیں نمودار ہوئیں، پہلی کا نام رائقہ، اور دوسری کا عزدہ تھا، آئیں اپنی جگہ بیٹھ گئیں، عود اٹھایا، اور آئے بجا بجا کے حضرت حسان کا یہ شعر گانا شروع کیا۔

”باب دمشق میں کھڑے ہو کر اے میرے دوست دیکھ ایک تو

بلقا کے ادھر کسی کو دیکھتا ہو؟“

میں نے سنا حضرت حسان، فرما رہے تھے، ”ہاں دمشق مجھے دکھاؤ“ یہ کہتے جاتے تھے، اور آنکھوں سے آنسو بہتے جاتے تھے، جب کینیزیں خاموش ہو گئیں تو حضرت کے آنسو تھے۔ میں نے دیکھا، عبدالرحمن کینیزوں کے خاموش ہونے کے بعد اشارے سے انھیں گلے کی ہدایت کر رہے تھے۔ میں نے اپنے

لہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، صحابی و مشاعر رسول قبیلہ بنی نجار سے تھے، ابو لولید کنیت تھی، بہت بلند پایہ شعرا میں شمار ہوتے تھے، بڑی لمبی عمر پائی، ساٹھ برس تک جاہلیت کے عہد میں جیے، اور ساٹھ برس تک اسلام کا کلہر پڑھتے رہے، ایک سو بیس سال کی عمر پائی، آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، اور سماعت بھی بہت کمزور ہو گئی تھی،

خُدا کی قسم جب بھی میں جلد کے پاس بیٹھتا تھا تو اس دن جو قیمتی سے قیمتی لباس وہ پہنے ہوتا تھا، بطور خلعت مجھے دے دیتا تھا، میرے علاوہ دوسرے حاضرین دربار کو بھی اسی طرح وہ نوازتا رہتا تھا، یہ تھا اس کے حلم، جو داؤر خوش مذاقی کا عالم، اگرچہ اس کا تعلق جاہلیت سے تھا، یعنی اسلام کے نور سے وہ منور نہیں ہوا تھا، لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ فواحش نے اس کے ہاں جگہ پائی ہو، یا ظلم و زیادتی کو اس نے اپنا شعار بنایا ہو۔ بہ وہ زمانہ تھا کہ ہم مشرک تھے، صبح راستے سے بھٹکے ہوئے۔

پھر اسلام آیا، اور اس نے کفر و شرک کو نیست و نابود کر دیا، ہم نے شراب و کباب سے بھی رشتہ توڑ لیا، اور ان تمام باتوں سے پرہیز کرنے لگے جو اسلام کے نزدیک غیر پسندیدہ تھیں۔ تم مسلمان ہو کر نمید پیتے ہو، جو شراب سے بھی بدتر چیز ہو، تین گھونٹ بھی نہیں پی پاتے ہو کہ عقل اور مذہب تم سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

(۳۳) گاہے بہ دشنامِ خلعت و ہند!

حجاج بن یوسف نے، خالد بن عتاب کو، رے کا گورنر مقرر کیا، خالد کی ماں ام ولد تھی، ایک مرتبہ کسی بات پر حجاج بگڑا، اسے ایک سخت خط لکھا، جس میں اس کی ماں کا بڑے الفاظ میں ذکر کیا، آخر میں لکھا، ”تو ہی وہ شخص ہو، جو اپنے باپ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا گیا“ خالد نے قسم کھا رکھی تھی کہ جو اس کی ماں کو گالی دے گا اس کا جواب وہ ضرور دے گا خواہ کسے باشد۔

اس لیے اس نے جواب دیا، ”تم نے مجھے خط لکھا، میری ماں کو خوب گالیاں دیں، تمہیں یہ غلط نہیں ہے کہ میں اپنے باپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گیا، اور وہ قتل کر دیا گیا، حالانکہ خدا شاہد ہے، واقعہ یہ ہے جب وہ قتل کر دیا گیا، تب میں فرار ہوا، میں نے جان لیا اب مقابلہ کرنا سوز مند نہیں ہے، لیکن ذرا اطمینان اپنے گریبان میں بھی تو منڈ ڈال کے دیکھ، جب تیرا باپ اور تو ایک سست رو اڈنٹ پر جنگِ حرہ میں بھاگ نکلے تھے“

حجاج نے یہ خط پڑھا اور کہا، ”خالد نے سچ کہا“

انا الذی فررت یوم الحرہ تم شنیث کمرۃ بفسرہ

والشیخ لا یفر الامرہ

یعنی، ”ہاں میں وہ ہوں، جو حرہ کی جنگ میں بھاگ نکلنا تھا، لیکن فرار کے بعد میں نے موقع دیکھ کر حملہ کیا، داؤں پیچ جانے والا پیچھے ہٹتا بھی ہے تو مصلحت سے“ پھر حجاج نے خالد کو واپس بلایا، وہ کہاں ہاتھ آتا تھا، بھاگ کر شام پہنچا، بیت المال کا پورا چارج دے گیا، اس میں سے ایک کوڑی بھی نہیں لی۔ ادھر حجاج نے عبد الملک کو شکایت نامہ بھیج دیا۔

خالد جب شام پہنچا تو سب سے پہلے اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ عبد الملک کے سقرین بارگاہ کون کون لوگ ہیں؟ معلوم ہوا روح بن زباج کو خلیفہ کے مزاج میں بڑا سونخ حاصل ہے، پو پھٹتے ہی خالد، روح کے پاس پہنچا، اور کہا:-

لہ حرہ مدینے کے پاس ایک جگہ ہے، جنگِ حرہ سے مراد وہ جنگ ہے جب یزید بن معاویہ نے اپنے عہدِ حکومت میں تنامی لشکر کو مدینے میں قتل و غارت کا بازار گرم کرنے بھیجا تھا۔

”میں آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں“

”میں تمہیں پناہ دیتا ہوں، بشرطیکہ تم خالد نہ ہو“

”میں خالد ہی ہوں“

”بھاگو فوراً بھاگو اور نہ میں خلیفہ کا معتوب ہو جاؤں گا“

”اچھا شام تک تو پناہ دے دیجیے“

بڑی شکل سے روح اس پر راضی ہوا، یہاں تک کہ شام ہوئی، اور خالد وہاں سے بھاگا، بھاگ کر ایک دوسرے مقرب بارگاہ زفر بن حارث کلابی کے پاس پہنچا۔

”میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں“

”میں تمہیں پناہ دیتا ہوں“

”لیکن میں خالد بن عتاب ہوں“

”کوئی ہرج نہیں“

جب صبح ہوئی تو زفر نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا، بوڑھا تو تھا ہی، ان دونوں کا سہارا لے کر عبدالملک کے پاس پہنچا، خلیفہ نے زفر کو دیکھا تو اس کے لیے کرسی منگوائی، زفر بیٹھا، پھر گویا ہوا۔

”امیر المؤمنین آپ کی شفقت کے بھروسے پر میں نے ایک

آدمی کو پناہ دی ہے“

”بشرطیکہ وہ خالد نہ ہو“

”وہ خالد ہی ہے“

”نہیں یہ نہیں ہو سکتا“

زفر نے اپنے بیٹوں سے کہا، مجھے اٹھاؤ، لے چلو، جب چلنے لگا تو کہا:-

”ای عبد الملک اگر تجھے معلوم ہوتا کہ میں کس بل رکھتا ہوں تو بے شک تو اسے پناہ دینے پر مجبور ہوتا، جسے میں نے پناہ دی ہے“ عبد الملک اس بات پر بے ساختہ ہنس پڑا، اس نے کہا، ”بڑے میاں اچھا، میں اسے پناہ دیتا ہوں، لیکن میری نظر کے سامنے نہ آئے“

تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ نے خالد کو دو ہزار درہم بھیجے، خالد نے قبول کر لیے، اور پھر اپنی گرہ سے قاصد کو جو یہ درہم لے کر آیا تھا، چار ہزار درہم انعام کے دے دیے۔

(۳۴) ڈاکو کی بخشش!

قبیلہ بنی نہمان کے ایک بزرگ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ بنی شیبان سخت قحط سے دوچار ہوا، میں مع اپنے اہل و عیال کے حیرہ پہنچا، میں نے اپنے متعلقین سے کہا، تم بادشاہ کے پڑوس میں ٹھہرو، ممکن ہو کہ اس سے کچھ تم کو ملتا رہے، اور میں یا تو صولی بھر کر آؤں گا، یا پھر مری جاؤں گا، میں راتوں رات چل پڑا، کچھ دور جانے کے بعد کیا دیکھتا ہوں، ایک گھوڑے کا بچہ ایک خیمے کے سامنے رستی سے بندھا پڑا ہوا ہے، میں نے دل میں کہا، بھئی اچھی ہوئی، میں اس کے پاس آیا، رستی کھولی، اور اس پر چڑھ کر روانہ ہوا ہی تھا کہ آواز آئی، ”خبردار، گھوڑا چھوڑ دو، غنیمت جانو کہ تم بچے جاتے ہو“ میں نے پھیرے کو وہیں چھوڑا، اور آگے بڑھ گیا، چھو دن تک لگاتار اسی طرح چلتا رہا، یہاں تک کہ اونٹوں کے ایک طویلیے کے پاس پہنچا، اب شام ہو چلی تھی، سامنے ایک بہت بڑا خیمہ نصب تھا،

میں نے دل میں کہا، جب یہ خیمہ ہو تو اس میں کچھ رہنے والے بھی ہوں گے، یہ قبتہ ہو تو اس کا کوئی مالک بھی ہوگا، یہ طویل دکھائی دیتا ہے، لامحالہ یہاں اونٹ بھی ہوں گے، خیمے میں جھانک کر دیکھا تو ایک پیر مرد بیٹھا ہوا تھا جیسے گدھ بیٹھا ہو!

میں اس کے پیچھے بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد ایک شہسوار آیا، ایسا وجیہ اور کڑیل جوان میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، دو غلام بھی تھے جو داہنے بائیں اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، اس کے ساتھ ستواؤٹھنیاں بھی تھیں، جو سب کی سب طویلے میں بھیج دی گئیں، شہسوار گھوڑے سے اترتا اترتے ہی اس نے غلام سے کہا، "اس اونٹنی کا دودھ دو، ہو اور بڑے میاں کو پلاؤ" اس نے ایک بڑے پیالے میں دو حنا شروع کیا، جب لب بھر گیا، پیر مرد کے سامنے رکھ دیا، اور خود الگ ہٹ گیا، پیر مرد نے چند گھونٹ پیے اور پیالہ الگ رکھ دیا۔ اسے میں اش کر گیا، اتنے میں غلام واپس آیا، اس نے کہا، "آقا آپ نے تو چشم بد دور، سب پی لیا" پیر مرد بہت خوش ہوا، کہا، "اب اس اونٹنی کا دودھ دو، ہو" غلام نے دودھ دو، پیالہ بھرا، اور لاکر سامنے رکھ دیا، اب کی اس نے ایک ہی گھونٹ پی کر پیالہ رکھ دیا، میں نے پیالہ اٹھایا، آدھا پیا، باقی رکھ دیا اس اندیشے سے کہ کہیں یہ پیر مرد تیسری مرتبہ نہ دو ہوئے، پھر مجھ پر شک کیا جائے، غلام پھر آیا، پیالہ اس نے اٹھالیا، اور اپنے نوجوان آقا سے کہا، "بڑے میاں نے خوب پی لیا، اور سیر ہو گئے" نوجوان نے کہا، "اچھا انھیں چھوڑو، دیکھو یہ بکری ہونا؟ اسے ذبح کر ڈالو" فوراً بکری ذبح کی گئی، اس کے پارچے بھولنے گئے، بڑے میاں نے شہسوار نے، دونوں غلاموں

لے خوب سیر ہو کر کھایا۔

میں موقع کی تاک میں تھا، جیسے ہی یہ لوگ سوئے، اور میرے کان میں ان کے خراٹوں کی آواز آئی، میں اٹھا، ایک بہترین اونٹ چھانٹا، لے کھولا، سوار ہوا، چل کھڑا ہوا، میں حدی خوانی کرتا جاتا تھا، اور اونٹ میری دُھن پر چلتا جاتا تھا، یہاں تک کہ رات ختم ہوئی، اور سپیدہ سحر نمودار ہوا۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی، کوئی بھی میرے تعاقب میں نہیں آ رہا تھا، میں اب آہستہ آہستہ اونٹ کو چلانے لگا، یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ اب پھر میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی، پرندے کی طرح دُور کوئی چیز آتی ہوئی دکھائی دی، لمحہ بہ لمحہ وہ قریب تر ہوتی جاتی تھی، میں نے پہچان لیا یہ وہی شہسوار تھا، گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتا ہوا آ رہا تھا، میں نے اونٹ کو توباندھ دیا، اور خود تیرکمان سنبھال کر تیار ہو بیٹھا۔ میں اونٹ کی آڑے کر بیٹھا تھا نوجوان نے کہا، ”اونٹ کو کھول دو!“

”ہرگز نہیں، میں اپنی عورتوں کو حیرہ میں چھوڑ آیا ہوں اور ان سے قسم کھا کر کہہ آیا ہوں کہ یا تو ان کے لیے کوئی اچھا انتظام کر کے لوٹوں گا، ورنہ مر جاؤں گا“

”بس تو تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اونٹ کھولتے ہو یا

نہیں؟“

”نہیں کھولوں گا، جو کہ چکا وہ کہ چکا“

”تم دھوکے میں ہو، اس اونٹ کی نکیل میں پانچ گریں

لگاؤ“

میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس نے کہا

”کس جگہ اپنا تیر، ترا زو کروں“

میں نے اشارے سے جگہ بتائی۔ پھر وہ تیر چلائے لگا، اور پانچوں گروہوں پر اس نے ایک ایک تیر ترا زو کر دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر میں نے اپنے تیر پھینک دیے، مکان توڑ دی اور اپنے تئیں اس کے حوالے کر دیا۔ شہسوار میرے قریب آیا، اور کہا، ”اؤ میرے پیچھے اونٹ پر بیٹھ جاؤ“ اب اس نے یہ بھی تاڑ لیا تھا میں ہی وہ شخص ہوں جس نے اس کے ہاں دودھ بھی پیا تھا۔ راستے میں اس نے مجھ سے پوچھا۔

”تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے؟“

”بہت اچھا“

”یہ کیوں کر؟“

”اس لیے کہ ساری رات تم نے تکلیف اٹھائی، آخر خدا نے

تمہیں مجھ پر غالب کیا“

اس نے کہا کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں تم کو ستاؤں گا جب کہ کل تم مہلہل کے پاس بیٹھ چکے ہو؟

”میں نے کہا، تو آپ زید النخیل ہیں؟“

سید زید بن مہلہل، زید النخیل، اس کا نام اس لیے پڑ گیا کہ اس کے پاس گھوڑے بہت زیادہ تھے، ان میں سے ایک گھوڑی اتنی عمدہ تھی کہ اس کی تعریف میں اس نے تصدیق بھی کہا، یہ شخص نہایت دلیر، بہادر اور باہمت تھا، اس نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا اسلام کا زمانہ آیا، تو مسلمان ہو گیا، نہایت بلند مرتبہ شاعر تھا، شجاعت اور شاعری جن بہت کم لوگوں میں جمع ہوئی، ان میں سے ایک یہ بھی تھا، ڈاکہ زنی بھی کرتا تھا، اپنے چٹا مارنے، لوٹنے اور قتل و غارت کرنے کے پرفخر تذکرے اپنے اشعار میں کرتا رہتا۔

”ہاں میں زید الخلیل ہوں“
 ”میری دعا ہے کہ تم اچھے پکڑنے والے بنو“
 ”تم پر دانہ کرو“

پھر وہ اس مقام پر گیا جہاں خیمہ زن تھا۔ اس نے مجھ سے کہا، ”اگر یہ اڈنٹ میرا ہوتا تو میں ضرور تمہیں دے دیتا، لیکن بنت مہملہ کا ہے۔ تم میرے پاس ٹھہرو، میں عنقریب باہر چھا پہ مارنے جانے والا ہوں۔“
 میں چند روز تک اس کے پاس ٹھہرا۔ پھر اس نے قبیلہ بنی نیر پہ چھا پہ مارا، اور سٹواؤنٹ پکڑ لایا، اس نے مجھ سے پوچھا، ”یہ بنت مہملہ والا اڈنٹ تمہیں پسند ہے، یا یہ سٹواؤنٹ؟“ میں نے کہا، ”یہ سٹواؤنٹ“ اس نے کہا، ”جاؤ لے جاؤ“
 پھر اس نے حفاظت کے ساتھ مجھے حیرہ پہنچانے کا انتظام کر دیا!

(۳۵) حاتم طائیؓ

حاتم شہرائے عرب میں ایک ممتاز شاعر تھا۔ شاعری سے زیادہ سخاوت میں مشہور بات کا دھنی، جو کہتا وہی کرتا، جہاں بھی جاتا، اپنی سخاوت سے پہچان لیا جاتا، جب کسی جنگ و جدل کی نوبت آتی، غالب آتا۔ جب مالِ فقیہت حاصل ہوتا، بانٹ دیتا۔ جب اس سے کوئی درخواست کی جاتی،
 لے حاتم، بن عبد اللہ، بن سعد، بن الحشرج بن قعل بن علی، اس کی کثرت ابو سفانہ تھی اور ابو عدی بھی، بڑی لڑکی کا نام سفانہ اور لڑکے کا نام عدی تھا جب اسلام طلوع ہوا، حاتم مرچکا تھا، سفانہ اور عدی مسلمان ہو گئے۔

فوراً منظور کر لیتا کوئی گرفتار ہو کر اس کے پاس آتا یہ رہا کرتا اس نے
 قسم کھا رکھی تھی کہ ایسے جوان کو کبھی قتل نہیں کروں گا جو اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا
 ہو۔ ماہِ رجب کا، قبیلہ سہر کے ہاں بڑا احترام ہوتا تھا۔ یہ اس مہینے میں ہر
 دن دس اؤنٹ ذبح کرتا تھا، مفت خوروں کا اس کے ہاں ٹھٹھ کا ٹھٹھ
 لگا رہتا تھا۔ جو شعرا اس کے ہاں آتے ان میں حطیہ اور بشر بن ابی خازم
 خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

کہتے ہیں کہ حاتم کی ماں جب حاملہ ہوئی، تو اس نے خواب میں دیکھا
 کوئی کہتا ہے، ”ایک لکھ ٹ لڑکا جس کا نام حاتم ہوگا، تو پسند کرتی ہو یا ان
 آدمیوں کے سے دن لڑکے جو بہادر ہوتے ہیں شیروں کی طرح جن کا دبدبہ
 چھایا ہوتا ہے۔ جو نہ بزدل ہوں گے نہ بھگورے۔ بول؟“ وہ بولی، ”میں تو
 پسند کرتی ہوں کہ میرا لڑکا حاتم ہو“ جب زچگی ہوئی، تو حاتم ہی پیدا ہوا
 بچے کے پاتو پالنے میں پہچانے جاتے ہیں، بچپن ہی سے حاتم کی دریا
 دلی ظاہر ہو رہی تھی، جب ذرا بڑا ہوا، کھلانے پر ہاتھ نہیں ڈالتا تھا جب
 تک کوئی دوسرا بھی شریک نہ ہو۔ اگر اتفاق سے کوئی اس کے ساتھ کھانے
 والا نہ ہو، تو وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتا تھا، بلکہ اسے پھینک دیتا تھا۔ باپ
 نے یہ دیکھ کر اسے اؤنٹ چرانے کی خدمت سپرد کر دی

حاتم اؤنٹ چرانے لگا، سڑک پر اس نے چند مسافروں کو دیکھا
 کہ اس کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں انھوں نے کہا
 ”اے نوجوان۔ کیا ہمیں کوئی مہمان بنالے گا؟“
 ”یہ اؤنٹ جو سامنے کھڑے ہیں“

پھر حاتم نے ان لوگوں کے لیے جن کے نام، عبید بن الابریس، بشر

بن ابی خازم، اور نابغہ ذبیانی تھے، اور جو نعمان کی خدمت میں جا رہے تھے، اپنے تین اوٹ فوج کیے۔ عید نے کہا، ”ہم تو دودھ پاتے تھے، وہی کافی ہوتا، آپ نے خواہ مخواہ تکلف کیا،“ حاتم نے کہا، ”آپ سچ کہتے ہیں بات یہ سہر، میں نے دیکھا آپ کے قافلے میں مختلف رنگ روپ کے اصحاب ہیں، میں نے خیال کیا، یہ سب ایک ہی جگہ کے رہنے والے نہیں ہیں، لہذا میں نے مناسب سمجھا کہ آپ میں کا ہر شخص جب اپنے گھر واپس جائے تو وہ یاد کرے کہ اس نے کیا دیکھا تھا؟

حاتم کی اس سخاوت سے اور دریا دلی سے یہ مسافر بہت متاثر ہوئے انھوں نے برجستہ اس کی مدح میں اشعار کہے۔ حاتم نے کہا، آپ نے میری بڑی عزت افزائی کی، میں نے ٹوکر لیا ہر کہ اپنے یہ اوٹ آپ کی نذر کر دوں، اگر آپ نہ قبول کریں گے تو میں ان سب اوٹوں کو مار ڈالوں گا، اس لیے آپ ان کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، ایک ایک آدمی کے حصے میں ۹۹ اوٹ آئے، وہ لوگ اوٹ لے کر آگے بڑھ گئے۔ اڑتے اڑتے حاتم کی اس سخاوت کی خبر اس کے والد کو بھی ہو گئی۔ وہ فوراً آپہنچا، اس نے کہا۔

”اوٹ کہاں ہیں؟“

”والد محترم! آپ کے اوٹ تو گئے، لیکن ان کے بدلے آپ کو زندگی جاوید حاصل ہو گئی، لوگ ان اشعار کو ساری دنیا میں پڑھا کریں گے، جن میں ہماری تعریف و توصیف کی گئی ہے“

لہ مشہور شعرا نے عرب

لہ نذر ثالث، بادشاہ، حیرہ

طلب میں خود بھی اپنے آدمی دوڑائے، اپنے عمال کو بھی لکھا کہ اس کی تلاش کریں، اور خلیفہ عبد الملک کو بھی صورت حال سے مطلع کروا دیا۔ عمران جو بھاگا تو کسی ایک جگہ اپنے پاؤں نہیں جمائے، کبھی اس قبیلے میں پہنچ گیا اور چند دن رہ پڑا۔ کبھی دوسرے قبیلے میں چلا گیا، اور کچھ روز وہاں بصر کیے۔ پھر کسی اور قبیلے کا مہمان بن گیا، اس طرح وہ گھومتا پھرتا شام پہنچا، اور روح بن زبناح کے ہاں مقیم ہوا، روح نے پوچھا۔ تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ کہا، "قبیلہ ازد سے!"

روح خلیفہ کا درباری اور ہم نشین تھا، ایک رات اس نے خلیفہ سے کہا:-

یا امیر المؤمنین، آج کل میرے ہاں ایک مہمان ٹھہرا ہوا ہے، عجیب آدمی ہے۔ میں نے کوئی روایت آپ سے ایسی نہیں سنی ہے جس کو کچھ اضافے کے ساتھ وہ نہ سنا ہوا، خلیفہ نے پوچھا، "وہ کس قبیلے کا آدمی ہے؟" "اپنے تمہیں ازدی بتلاتا ہے"

"یہ صفات تو تم عمران بن حطان کے بتا رہے ہو، اس لیے کہ تم نے جو کچھ اس کی زبان دانی، پابندی مذہب، زہد و تقویٰ کثرت روایت اور

(صفحہ ۱۲۰ کا بقیہ نوٹ)

بہت عمر رسیدہ ہو گیا تو بیٹھ رہا، اور ادھر ادھر کے دورے بند کر دیے، لڑائیوں کی شرکت سے بھی پرہیز کرنے لگا۔ پھر یہ بیٹھے بیٹھے دعوت و تبلیغ کے فرائض صرف زبان سے ادا کیا کرتا تھا، بصرے کا رہنے والا تھا، جب اس کا چرچا ہوا کہ یہ خارجی ہے تو حجاج نے اسے طلب کیا، یہ بھاگ کھڑا ہوا، پھر شام پہنچا، عبد الملک نے طلب کیا، اس کے ہاتھ بھی نہیں لگا، وہاں سے بھاگ کر عمان پہنچا، اسی طرح گھومتے پھرتے ایک روز مر گیا!

”تو یہ سخاوت میرے اڈنٹوں پر کی گئی ہے؟“

”جی ہاں ہوا تو ایسا ہی ہے۔“

”خدا کی قسم تجھے میں اپنے پاس ہرگز نہیں رکھوں گا۔“

باپ نے حاتم کو یکہ و تنہا، بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اب حاتم کے پاس کیا تھا؟ ایک لونڈی، ایک گھوڑی، ایک اس کا بچہ۔

اپنے باپ کے اس سلوک کا ذکر، حاتم اپنے ان اشعار میں کرتا ہے:-

” بلاشبہ میں زمانہ فقر میں عقیقت رہتا ہوں۔ مال داری

کے زمانے میں سب میرے شریک رہتے ہیں، میں ہر ایسی

صورت سے قطع تعلق کر لیتا ہوں جو مجھ سے موافق نہ ہو۔

میں مال کو، آبرو کی ڈھال بنا کر رکھتا ہوں، میں دوسروں کے

مال سے مستغنی ہوں، سعد (پدر حاتم) سے اپنے قبیلے کے چلا گیا،

مجھے بے گھر بے در کر گیا، لیکن مجھے اس سے کوئی نقصان نہیں

بزرگی حاصل کرنے کے لیے، اے سعد! میں ہر اس مال کو جو

تم سے ضائع ہو گیا اپنے سراوڑھتا ہوں، باوجود سخاوت کے

میں بہادر بھی ہوں، کب؟ جب لڑائی کا میدان گرم ہو۔“

(۳۶) ایک خارجی شاعر!

حجاج سے تنگ آکر عمران بن حطانؓ بھاگ کھڑا ہوا، حجاج نے اس کی

سزا عمران بن حطان السدوسی، کنیت ابو سماک فصیح و بلیغ شاعر تھا، ایک نیا فرقہ نکلا تھا،

جس کے پیرو ”شراۃ“ (خارج) کہلاتے تھے، یہ ان کا سرگرم مبلغ اور داعی تھا، جب
(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲۱ پر)

پختگی حافظہ کی تعریف کی ہے، یہ سب اسی کے صفات ہیں“
 ”لیکن امیر المومنین مجھ سے اور عمران سے تو شناسائی بھی نہیں ہے“
 پھر خلیفہ نے حجاج کا مکتوب نکلوایا، اس میں لکھا تھا:-

”اما بعد ایک شخص جو افتراق پسند اور منافق ہے جس نے اہل
 عراق میں فتنہ و فساد برپا کر دیا اور ان میں شرایت“ (خارجیت)
 کی رُوح پھونکی، میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی، وہ سمجھ گیا
 کہ اب اس کی جان کی خیر نہیں، وہ بھاگ کر شام پہنچا، اب وہ
 شام کے شہروں میں گھومتا پھرتا ہے، ڈبلا، پتلا اور لمبا آدمی ہے،
 چہرہ کشادہ رنگ زرد“

روح نے کہا، خدا کی قسم یہ تو وہی شخص معلوم ہوتا ہے جو میرے پاس
 آکر مقیم ہوا ہے“ پھر عبدالملک نے عمران بن حطان کے دو شعر پڑھے، جو
 اس نے عبدالرحمن بن لخم کی مدح میں کہے تھے، یہ وہی عبدالرحمن بن لخم ہے، جس
 نے حضرت علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے
 تھے، کہتا ہے:-

”اس شریف آدمی کی ضرب کتنی بہتر تھی جس سے اس کا
 مقصد بجز خوشنودی زب کے اور کچھ نہیں تھا۔ بے شک میں
 سوچتا ہوں، پھر خیال کرتا ہوں کہ اس کا پدِ مخلوقات میں سب
 سے گراں ہے“

شعر پڑھ کر عبدالملک نے حاضرین دربار سے کہا، ”تم میں سے کوئی جانتا
 ہے، یہ شعر کس کے ہیں؟“ حاضرین دربار خاموش رہے۔ پھر خلیفہ روح سے
 مخاطب ہوا، اور کہا، ”ذرا اپنے ہمان سے تو پوچھنا“

”ضرور پوچھوں گا، بھلا اسے بھی نہ معلوم ہوگا؟ میں نے جو کچھ بھی اس سے پوچھا، تڑپے اس نے جواب دیا“
 روح اپنے مہمان کے پاس گیا، اور کہا، ”امیر المؤمنین کے ہاں آج ہماری بڑی بھد ہو گئی“
 ”کیوں؟“

”انھوں نے پوچھا، ”یا ضربۃ الخ“ یہ شعر کس کے ہیں؟ ہم میں سے کوئی بھی نہ بتا سکا“
 ”یہ تو عمران کے شعر ہیں جو اس نے عبدالرحمن بن بلعم قاتل علی ابن ابی طالب کی مدح میں کہے ہیں، روح نے کہا، ”کیا اس میں اور بھی اشعار ہیں؟“

”کیوں نہیں، سنو“
 ”شاباش ہو اس آدمی پر جس نے بدترین انسان کا خون بہا کر لوگوں کو آرام دیا“
 (لعنہ اللہ علیہ وعلیٰ ابن بلعم ورضی اللہ عنہ امیر المؤمنین)
 روح پھر دو بارہ واپس گیا، اور سارا ماجرا خلیفہ کو کہ سنایا، خلیفہ نے کہا، ”یہ تمہیں کس نے بتایا؟“
 ”میرے مہمان نے“

”وہ یقیناً عبدالرحمن بن حطان ہے، تم جاؤ اسے لے کر آؤ“
 روح پھر اپنے گھر واپس آیا، اور اپنے مہمان سے گویا ہوا۔
 ”میں نے آپ کا خلیفہ سے ذکر کیا، انھوں نے یاد فرمایا ہے،“
 چلیے

اور عمران کی پاکیزہ آیتوں کی تلاوت نے اس سے مجھے روک
رکھا ہے۔“

(۳۷) دو بہادروں کی لڑائی!

محمد بن یزید راوی ہیں کہ جب ہاروں رشید نے کشور کشائی پر کمر باندھی
تو عالم یہ ہوا کہ جس شہر کی طرف پہنچتا اسے فتح کر لیتا۔ جس قلعے کو تاکتا اسے
سر کر لیتا۔ یہاں تک کہ اس نے قلعہ ہر قلعہ پر چڑھائی کی، یہ بہت مضبوط
قلعہ تھا، ہر پہلو سے اسے استوار کیا گیا تھا، کسی طرف سے داخلے کا امکان
نہیں تھا، اہل قلعہ، قلعہ بند ہو گئے، قلعے کا ایک پھاہنگ ایک دادی کی
طرف تھا، سامنے خندق تھی، جو پانی سے بھری ہوئی تھی۔
ایک بوڑھے شخص، علی بن عبداللہ نے، جو سرحد کا نگہبان تھا، مجھ سے
کہا، جب رشید نے قلعے کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا، اور قلعے والوں
پر زندگی تنگ ہو گئی، اور قلعے کی چار دیواری پر منجینق سے آگ اور پتھر
کی بارش شروع ہوئی، تیروں کا سینہ برسنے لگا، تو قلعے کا دروازہ کھلا، ایک
اچھے تن و توش کا آدمی باہر نکلا، اسلحہ سے آراستہ، آتے ہی اس نے لکھارا
”تم لوگ بہت بڑھ رہے ہو، ہو کوئی جو میرے مقابلے میں آئے؟ میں اکیلا
دو کا مقابلہ کروں گا، آئیں دو پہسلوان آئیں“ وہ اسی طرح اپنے مقابلے
کے لیے ہر لکھار میں ایک ایک آدمی کا اضافہ کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ بیک
وقت بیس آدمیوں کو دعوت مبارزت دینے لگا، لیکن رشید کے لشکر سے
کسی نے جواب نہیں دیا، کچھ دیر وہ انتظار کرتا رہا، پھر دروازہ بند کر کے

”میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی آرزو رکھتا تھا، مگر اس
تتنا کو ظاہر کرتے ہوئے ہچکچاتا تھا، آپ تشریف لے چلیے، میں تیار
ہو کر ابھی آیا“

روح پھر خلیفہ کے پاس پہنچا، خلیفہ نے پوچھا۔

”تمہارا مہمان کہاں ہے؟“

”اس نے کہا، تم چلو، میں ابھی آیا“

آچکا، تم واپس جاؤ گے تو اس کو پاؤ گے بھی نہیں،“

روح پھر اٹے پانوں گھر واپس پہنچا، دیکھتا ہے تو عمران غائب، فرش پر ایک
رقعہ پڑا ہوا تھا۔

”اے روح، کتنے گھر والے ہیں جن کے پاس میں اُترا، انہوں
نے میرے ساتھ وہی گمان کیا جو تو نے کیا تھا۔ جب مجھے خون
پیدا ہوا، میں نے اپنی پناہ گاہ چھوڑ دی، کب؟ جب کہا گیا کہ
یہ عمران بن حطان ہے، میں تیار، ایک سال تک مہمان رہا، مجھے
کوئی تکلیف نہیں تھی، یہاں تک کہ تو نے مجھ پر مصیبت ڈالنے
کا ارادہ کیا۔ ابن مروان کے خوف سے جب ساری دنیا لرز رہی
ہے، تو میں بھی کیوں نہ خائف ہوتا؟ پس تو اپنے بھائی کو اے
ابن زبایع معذور سمجھ اس لیے کہ مصائب میں وہ مختلف صورتیں
اختیار کرتا رہا ہے، جب میں کسی یمنی سے ملتا ہوں، تو اپنے تئیں
یمنی بتاتا ہوں، اور اگر کسی مدی سے ملتا ہوں تو مدنی بن
جاتا ہوں۔ اگر میں کسی ظالم سے طلبِ عفو کر سکتا تو آج ظاہر
و باطن ہر اعتبار سے میں ذی وجاہت ہوتا، لیکن سورۃ طہ

قلعے میں داخل ہو گیا۔

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، رشید سوراہا تھا جب وہ جاگا تو اسے سارا حال معلوم ہوا، بہت برہم ہوا، اپنے غلاموں اور خادموں کو بہت لعنت ملامت کی کہ انھوں نے دعوتِ مقابلہ نہیں قبول کی۔ اس پر افسوس کیا کہ اتنا بہتر موقعہ ہاتھ سے نکل گیا، لوگوں نے رشید سے کہا، آج جو ہمارے لشکر سے کوئی اس کے مقابلے میں نہیں نکلا، تو اس سے اس کی ہمت بڑھے گی وہ اور زیادہ دُفن کی لے گا، کل پھر وہ ضرور باہر نکلے گا، پھر دعوتِ مقابلہ دے گا۔ کل کے انتظار میں رشید کے لیے رات کا ٹنڈا ڈوبھ رہا گیا۔ جب صبح ہوئی تو پھر دروازہ کھلا، وہی پہلوان دعوتِ مقابلہ دیتا ہوا باہر آیا۔ کہنے لگا، میں اکیلا تمہارے بیس آدمیوں کا مقابلہ کروں گا، جس کا جی چاہے آئے۔

رشید نے کہا، ”کون اس کے مقابلے میں جائے گا؟“ یہ سنتے ہی اس کے چند سپہ سالار، اور بہادر سامنے آگئے، مثلاً ہرثمہ بن یزید، عبداللہ بن مالک، خزیمہ بن خازم مع اپنے بھائی کے، اور داؤد بن یزید مع اپنے بھائی کے۔ رشید نے ارادہ کیا انھی میں سے کسی کو مقابلے کے لیے بھیجے۔ اتنے میں سپاہیوں میں کچھ کا نا پھوسا ہونے لگی، رشید متوجہ ہوا، تو انھوں نے کہا، ”ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں“ رشید نے کہا، ”کہو کیا کہتے ہو؟“ ایک آدمی نے کہا، ”یا امیر المومنین آپ کے یہ آزمودہ کار لوگ شجاعت میں، بلند آہنگی میں، بہادری میں، حرب و پیکار میں، مشہور زمانہ ہیں ان میں سے کسی کو اپنے اس پہلوان کے مقابلے میں بھیجا، اور اس نے اسے قتل کر دیا، تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہوگی، اور اگر خدا نہ خواستہ پہلوان نے

آپ کے آدمی کو قتل کر دیا تو یہ بڑی سبکی کی بات ہوگی، لشکر پر اس کی ہیبت چھا جائے گی، ہم معمولی سپاہی ہیں، کوئی بڑا پایہ نہیں رکھتے، اگر ہمیں امیر المومنین اجازت دیں تو ہم اپنے میں سے ایک آدمی منتخب کر کے اس کے مقابلے میں بھیجیں، اگر ہمارا آدمی غالب آیا تو قلعے کے لوگ سمجھیں گے امیر المومنین کے ایک معمولی سپاہی نے اتنے بڑے حریف کو چیت کر دیا، اور اگر ہمارا آدمی کام آگیا تو وہ شرفِ شہادت حاصل کر لے گا، اور قلعے کے پہلوان کی ہیبت بھی ہمارے لشکر پر نہیں بیٹھے گی، سب یہی سمجھیں گے معمولی آدمی تھا کام آگیا۔

یہ سن کر رشید نے کہا، ”بات تو معقول ہے، پھر ان سپاہیوں نے اپنے میں سے ایک آدمی چنا جس کا نام جزری تھا۔ رشید نے اس سے پوچھا، ”تم مقابلہ کرو گے؟“

”جی ہاں خدا میری مدد کرے“ رشید نے حکم دیا کہ ابن جزری کو گھوڑا، نیزہ، تلوار اور ڈھال دی جائے۔ اس نے کہا، ”امیر المومنین امیر پاس جو گھوڑا ہے کافی ہے، نیزہ میں ہر وقت ہاتھ میں رکھتا ہوں، ہاں تلوار اور سپر مرحمت ہو“ یہ کہہ کر اس نے سلاح جنگ زیب تن کیے۔ رشید نے اسے اپنے پاس بلایا، اور دُعا خیر دے کے رخصت کر دیا۔

ابن جزری بیس سپاہیوں کے ساتھ پہلوان کے مقابلے میں پہنچا۔ پہلوان نے ایک ایک کر کے سب آدمیوں کو گینا، پھر مسکرا کر کہا، شرط تو بیس کی تھی، تم ہو اکیس، خیر کوئی مضائقہ نہیں، ان لوگوں نے کہا، ”جناب گھبرائے کی ضرورت نہیں، ہم سب بے یک وقت آپ کا مقابلہ نہیں کریں گے، ہم میں سے ایک ایک آدمی الگ الگ آپ سے لڑے گا“

جزری اپنی صفت سے نکل کر، رومی پہلوان کے مقابلے میں آیا۔ پہلوان نے اسے گھوڑ کر دیکھا، قلعے کی دیواروں پر سے اہل قلعہ بھی بڑی تعداد میں اپنے نادیر روزگار پہلوان اور اس کے مد مقابل کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے ہاتھ ملائے، اور لڑائی شروع ہو گئی، پہلے نیزہ بازی ہوئی، اور دیر تک ہوتی رہی، اتنے زوروں سے کہ معلوم ہوتا تھا گھوڑے بے کار ہو جائیں گے، پھر دونوں نے نیزے پھینک دیے، اور تلواریں سونت لیں۔ اس گرمی میں گھوڑے تھکن سے چور چور ہو گئے، اتنے میں ابن جزری نے تلوار کا ایک ایسا چاٹلا ہاتھ مارا، اور کوئی ہوتا وہیں ڈھیر ہو جاتا مگر حریف نے اپنی فولادی ڈھال پر وار روکا، تلوار کی جھنکار دُور دُور تک پہنچ رہی تھی۔ اب رومی پہلوان نے وار کیا، اور سمجھا کہ ابن جزری اس حملے سے ختم ہو گیا۔ جب دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے کرتے تھک گئے، بظاہر سمجھ لیا گیا فتح کسی کی نہیں ہوگی، دفعۃً ابن جزری شکست کھا گیا، مسلمان منوم اور رومی خوشی سے بے خود ہوئے جا رہے تھے۔

درحقیقت ابن جزری کی یہ شکست ایک حیلہ جنگ تھا۔ ابن جزری بھاگا رومی پہلوان نے اس کا پیچھا کیا، موقع دیکھ کے ابن جزری نے تاک کے ایک مضبوط رستی کا پھندا پھینک مارا، پھندا اس کے گلے میں پڑا، پہلوان گڑ بڑا کے اپنا توازن کھو بیٹھا، اور گھوڑے سے گرے لگا۔ ابھی گرنے نہ پایا تھا کہ ابن جزری نے اس کی گردن دھڑ سے الگ کر دی، اب مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کر دیے، رومیوں میں بھگدڑ مچ گئی، انھوں نے جلدی سے قلعے کا پھاٹک بند کر دیا۔

یہ خبر رشید کو پہنچی، اس نے شاہی دستے کے لوگوں سے کہا، منجیقوں

میں آگ بھرو، اور قلعے پر آتش باری شروع کرو، کیوں کہ یہ لوگ مدافعت کی طاقت نہیں رکھتے، لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اب قلعے پر منجیق اور گوبھن سے پتھر اور آگ کی بارش شروع ہو گئی، آخر قلعے والوں کے لیے مقابلہ کرنا ناممکن ہو گیا انھوں نے دروازہ کھول دیا، اور اسن طلب کرتے ہوئے باہر آ گئے۔

(۳۸) مردِ بیمار!

مصعب بن عبداللہ، مصعب بن عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ سالم بن عبداللہ بن عمر نے اشعبؓ سے ملاقات کی، اور کہا، "اشعب آج ہمارے ہاں ہریس تیار ہوا ہے کھاؤ گے؟" اشعب نے کہا، "ضرور کھاؤں گا، میرے ہاں باپ آپ پر قربان ہے؟" تو آنا میرے ہاں، اشعب اچھا کہہ کر اپنے گھر چلا گیا۔ وہاں اس کی بی بی نے کہا، تمہارے پاس عبداللہ بن عمر آئے تھے، دعوت دے گئے ہیں، اشعب نے کہا، "کم بخت، سالم بن عبداللہ نے میری ہریسہ کی دعوت کی ہے، اور تو عبداللہ بن عمر کی دعوت کا حال سنا رہی ہے؟ سالم کے ہاں میرا جانا ضروری ہے، بی بی نے کہا، "اگر وہاں گئے اور وہاں نہ گئے تو عبداللہ بن عمر دُخا ہو جائیں گے، اشعب نے کہا، "پہلے تو میں سالم کے ہاں جاؤں گا، وہاں کی دعوت سے فارغ ہو کر پھر عبداللہؓ سے اصل نام شعیب، کنیت ابوالعلا، لوگ اشعب کہنے لگے، پھر یہی نام پڑ گیا، بڑا حریص اور بڑا لالچی تھا، عربوں میں مثل ہی پڑ گئی، "اطع من اشعب" یعنی فلاں شخص اشعب سے بھی زیادہ لالچی ہے۔

سے ایک قسم کا کھانا۔

کے ہاں جاؤں گا“
اشعب وقتِ مقررہ پر سالم کے ہاں پہنچا، اور وہاں بہت تھوڑا تھوڑا
کھانا شروع کیا، سالم نے کہا، ”اچھی طرح کھاؤ، اور چونچ رہے اسے گھر
بھیج دو“

”یہی میں بھی ارادہ کر رہا تھا“
سالم نے اپنے غلام کے ہاتھ باقی کھانا اشعب کے ہاں بھیج دیا۔ اشعب کھانے
کا خوان غلام کے سر پر رکھوا کر گھر پہنچا، بی بی نے کہا، ”عبداللہ آئے تھے
تم سے خفا ہو کر گئے ہیں اور قسم کھائی ہو کہ تم سے ایک مہینے تک بات نہیں
کر سکیں گے“، دیکھا جائے گا، تم تھوڑا سا زعفران تولادو“
زعفران لایا گیا، اشعب حمام گیا، منہ اور ہاتھ پر خوب زعفران ملا، تھوڑی
دیر تک یونہی بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اس کا رنگ زرد ہو گیا، پھر حمام سے
عصائیکتا ہوا نکلا، کانپتے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ عبداللہ بن عمرو کے ہاں
پہنچا، دربان نے کہا، ”یہ کیا ہوا؟ کیا کچھ بیمار ہو؟“
جب اشعب عبداللہ بن عمرو کے پاس پہنچا تو اتفاق سے وہاں
سالم بھی آگئے تھے، سالم نے کہا۔

”یہ تمہیں کیا ہوا؟ ابھی تو تم میرے ہاں ہر سہ اڑا رہے تھے“
”میں؟ کب“

”ارے واہ، میں نے تمہیں نہیں بلایا تھا؟ اور تم نہیں آئے تھے؟“
”نہیں صاحب، شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی“
”کیا مطلب؟“

”جناب مجھے تو ایک مہینہ ہو گیا میں گھر سے باہر بھی نہیں نکلا“

اب عبداللہ بن عمرو سے نہ رہا گیا، اس نے سالم سے کہا۔
 ”آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ کیوں ان پر تہمت لگاتے ہیں؟“
 ”مجھ میں سچ کہ رہا ہوں“

عبداللہ نے اشعب سے کہا، ”تمہیں میں اپنے سر کی قسم دیتا ہوں، سچ سچ کہ دو
 میں ذرا بھی بُرا نہیں مانوں گا، اشعب نے کہا، ”سالم نے بات تو سچی کہی“
 پھر اسے سارا قصہ سنایا، سب ہنستے ہنستے لوٹ ہو گئے۔

(۳۹) حاسد شہزادہ!

عزیز بن طلحہ قریش کے متعدد بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالملک
 مروان کی اولاد میں، ولید بن عبدالملک سے زیادہ حاسد اور بددلع کوئی نہیں
 تھا، ایک روز اس نے اپنا دربار منعقد کیا، لوگ جوق جوق اس کے پاس
 پہنچے، شعر کو بھی عام اجازت تھی، وہ بھی اپنے اپنے قصیدے لے لے کر آئے۔
 سب سے پہلے ولید سے جس شاعر نے قصیدہ پڑھنے کی اجازت طلب کی وہ۔
 عویف القوائی الفزاری تھا، ولید نے کہا، ”تم طلحہ ابن عوف زہری کی مدح
 میں جو کچھ کہ چکے ہو اب اس کے بعد باقی کیا رہا جو میرے لیے کہو گے؟“
 عویف نے جواب دیا، ”میں نے ان کے لیے جو کچھ عرض کیا ہو وہی آپ
 کے لیے بھی کہا ہے“ اب ولید ذرا برہم ہوا، اس نے کہا، ”کیا تم نے ہی
 ملہ عویف بن معاویہ الفزاری، لقب عویف القوائی، دولتِ امویہ کے سرآمد شعرائیں
 شمار کیا جاتا تھا، کوفے کا رہنے والا تھا، عربوں کے شان دار اور خوش ناما مکانات
 میں سے ایک مکان اس کا بھی تھا۔“

اس کی مدح میں نہیں کہا ہے:-
 یا طلحہ انت اخو الندی وحلیفہ
 ان الندی من بعد طلحہ ماتا
 یعنی اگر طلحہ تو سرچشمی کا ساتھی اور سخاوت کا حلیف ہے، طلحہ کے بعد دنیا سے
 سخاوت فوت ہو جائے گی۔

کیا تو ہی وہ نہیں ہے؟ جس نے کہا ہے:-

إذا ماجاء یومک یا بن عوف
 فلا مطرت علی ارض السماء
 ولا سارا للبشیر بغنم جیش
 ولا حملت علی الطهر النساء
 تساقی الناس بعدک یا بن عوف
 ذریع الموت لیس لہ شفاء
 یعنی "اگر ابن عوف جس دن تو اس جہان میں نہیں رہے گا، تو زمین پر آسمان
 سے بارش بھی نہیں ہوگی نہ عورتیں بچہ جنیں گی، نہ افواج و عساکر کو فتح و غنیمت
 حاصل ہوگی، اگر ابن عوف اترے بعد لوگ موت کا جام تلخ پئیں گے،
 اور کبھی شفا یاب نہ ہوں گے"۔۔۔۔۔ نہیں خدا کی قسم میں تیری زبان
 سے کچھ نہیں سنوں گا، نہ تجھے انعام و اکرام سے نوازوں گا۔۔۔۔۔ لے جاؤ
 اسے یہاں سے"

جب عوف دربار سے نکال دیا گیا، تو اس سے قرشیوں اور شاہیوں
 نے پوچھا، "تمہیں طلحہ نے کیا بخش دیا تھا، جو تم نے اتنی زبردست مدح کر
 ڈالی؟" عوف نے جواب دیا، "مجھے دوسروں نے بھی نوازا ہے، لیکن طلحہ
 سے زیادہ خوش گوار اور باموقع عطیہ کسی کا نہیں رہا۔ جب تک زندہ ہوں
 اسے یاد رکھوں گا، اور اس کا ذکر شکر کے ساتھ کروں گا" لوگوں نے پوچھا، "ذرا
 بتاؤ تو معاملہ کیا تھا؟" کہا، "میں مدینے پہنچا، آشفته حال، اور پریشان
 لے طلحہ بن عبید اللہ بن عوف الزہری،

روزگار، میری پونجی کیا تھی؟ صرف دس دینار! میں نے سوچا زکوٰۃ میں جو جانور وصول ہوتے ہیں وہ بیچ ڈالے جاتے ہیں، انھی میں سے کوئی اؤنٹ خرید لوں میں نے دیکھا کہ بازار کے بیچوں بیچ قالین پر ایک شخص بیٹھا ہے، لوگ اس کے ارد گرد جمع ہیں، اؤنٹ پاس ہی کھڑے ہیں۔ میں نے خیال کیا یہ بازار کا عامل ہے، میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے ملائمت سے جواب دیا۔ میں نے کہا، ”خدا آپ پر رحم کرے، ان جانوروں میں سے کوئی اچھا سا جانور مجھے چن دیجیے، میں خریدنا چاہتا ہوں“ اس نے کہا، ”اؤ آؤ، قیمت لائے ہو؟“ میں نے کہا جی ہاں“ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا، میں نے دس دینار حوالے کیے اس نے قالین کا ایک گوشہ اٹھایا اور رقم ڈال دی، اور پھر اپنے کام میں لگ گیا، جب زیادہ دیر ہو گئی، تو میں نے کہا، ”خدا آپ پر رحم کرے، ذرا میری طرف بھی تو توجہ کیجیے“ اس نے کہا، ”میں تو بھول ہی گیا تھا، تم رسی لائے ہو؟“ میں نے کہا، ”لابا تو ہوں“ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا، ”اؤنٹ کھولو، اور ادھر لاؤ“ اؤنٹ سامنے لائے گئے، پھر اس نے مجھ سے کہا، ”ان ان اؤنٹوں کو باندھ لو“

وہ کیتا گیا میں باندھتا گیا، یہاں تک کہ تیس اؤنٹ ہو گئے، ان اؤنٹوں میں جو سب سے چھوٹا اؤنٹ تھا وہ بھی میری پونجی سے کہیں زیادہ کا تھا، پھر اس نے اپنا قالین اٹھایا، میری رقم مجھے واپس کر دی، اور کہا، ”اس سے اپنا کام چلاؤ“ میں نے کہا، ”یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟“ پھر اس نے میرے ساتھ ایک آدمی کر دیا، جو مجھے راس نمینہ تک پہنچا آیا، خدا کی قسم جب تک زندہ ہوں، اس احسان کو نہیں بھولوں گا۔

(۴۰) چوری اور سینہ زوری!

حماد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خدا کی مخلوق میں محمد الزن، فن غنا کا بہت بڑا ماہر تھا۔ جو راگ کسی سے ایک مرتبہ سن لیتا ازبر کر لیتا۔ جب وہ آنکلتا، ہم لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے تھے، کوئی شخص ہمارا راگ حاصل کرنا چاہتا تو محمد الزن سے التجا کرتا، یہ حضرت ایک دفعہ کسی طرح سن لیتے تو راگ ان کا ہو جاتا، اور اسے سکھا دیتے۔ میرے والد کا تو یہ حال تھا انھیں جو انعام یا تحفہ ملتا اس میں وہ محمد کا حصہ ضرور رکھتے تھے۔ اس حسن سلوک کے پیش نظر ان کے راگ کو وہ ایک مضبوط قلعہ تصور کرتا تھا جس کے قریب بھی وہ نہیں پھٹکتا تھا، لیکن ابن جامع کی تاک میں وہ ہمیشہ رہتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے راگ کے معاملے میں بے حد بخیل تھا۔ ایک روز ابن جامع نے ہارون الرشید کو اپنا ایک خاص راگ اس شعر پر سنایا۔

”وہ بچر کا معاملہ ہو تو بہادر، وصل کا موقع ہو تو بزدل، اس

کا وعدہ فردا کبھی پورا نہیں ہوتا“

یہ راگ وہ خوب گایا۔ میں نے محمد کو اشارہ کیا، ”یہ راگ جانے نہ

پائے“

تھوڑی دیر کے بعد میں نماز کے لیے اٹھا، محمد الزن کو بھی اشارے

سے میں نے بلالیا، وہ آگیا، پھر میں نے مخارق، علویہ، اور عقیدہ کو بھی

لے حماد بن اسحاق موصلی

بلایا، یہ بھی آگئے۔ میں نے محمد سے کہا، ”ابن جامع کا راگ نو سناؤ“ اس نے اس کا چربہ اُتارا، ایسا، گویا خود ابن جامع کا رہا ہے، وہ برابر گاتا رہا یہاں تک کہ ہماری پوری ٹکری نے اسے سیکھ لیا، اس کے بعد میں پھر مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔

جب میرے گانے کی باری آئی، میں نے سب سے پہلے وہی ابن جامع والی دُھن چھیڑی اس نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا، پھر خلیفہ مجھ سے مخاطب ہوا، ”کیا تم یہ راگ گاسکتے ہو؟“ میں نے کہا، ”کیوں نہیں، امیر المؤمنین“ ابن جامع نے کہا، ”بالکل جھوٹ، اس نے ابھی ابھی میرے ہی راگ کا چربہ اُتارا ہے“ میں نے کہا، ”اچھا، یہ بات ہے؟“ پھر میرے اشارے کے مطابق علویہ، عقیدہ اور مخارق نے بھی وہی راگ گایا، اب ابن جامع سے نہ رہا گیا، وہ اُچھل پڑا، خلیفہ کے سامنے پہنچا، کہنے لگا، ”میں اپنی زندگی کی قسم کھاتا ہوں اگر میں غلط کہتا ہوں تو میری بیوی پر طلاق، یہ راگ صرف تین دن ہوئے میں نے ایجاد کیا ہے، اس وقت کے علاوہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی“

خلیفہ میری طرف مخاطب ہوا، ”اچھا اب سچ سچ بتادو“ میں نے سارا قصہ کہنا دیا، خلیفہ بے تحاشا ہنسنے لگا، تالیاں بجاتا، اور کہتا، ”ہر شخص کسی نہ کسی بلا میں گرفتار رہتا ہے، ابن جامع کی بلا، محمد الزنہ ہے!“

(۴۱) بچو کا انعام!

ربیعہ رقی نے عباس بن محمد کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا، ایسا

لہ عبد عباسیہ کا ایک مشہور شاعر

بہتر قصیدہ اس نے زندگی بھر شاید ہی کسی کے لیے کہا ہو۔ اس نے کہا:-
 واذ الملوک تسایروا فی بلدة
 کانو کواکبھا وکنت هکلا تھا
 یعنی، دُنیا کے شاہ و شہر یا رجب کسی شہر میں مجتمع ہوں، تو کیفیت یہ
 ہوتی ہے کہ وہ گویا ستارے ہیں، اور تو ان کے درمیان اس طرح جگمگاتا ہے
 جیسے چاند۔“

ربیعہ توقع کرتا تھا کہ اسے کم از کم دو ہزار دینار انعام ملیں گے، مگر
 عباس بن محمد نے اس قصیدے کا صلہ کیا بھیجا؟ صرف دو دینار۔ جب
 ربیعہ کی نظر ان دو دیناروں پر پڑی تو مارے غصے کے وہ آگ بھجھو کا
 ہو گیا۔ اس نے قاصد سے کہا، ”یہ دینار میں تمہیں دیتا ہوں، تم لے لو!
 اور دیکھو اس رقعے کی پشت پر جو کچھ لکھا ہے وہ کسی طرح عباس تک پہنچا
 دینا۔ ربیعہ نے رقعہ میں لکھا تھا:-

”میں نے تیری مدح کی، جیسے مرصع تلوار ہوتی ہے تاکہ وہ بھی
 وہی مقام حاصل کرے جو میرا ہے، لیکن تو ایسا آدمی ہے جو وفاتے
 نا آشنا ہے۔ میں نے تیری جو مدح کی وہ غلط، جو تحسین کی وہ
 افترا تھا، تیری مدح کر کے میں نے اپنے کمال کو بٹہ لگایا، تیری
 مدح میں نے کی، گویا زنا کا جرم کیا۔“

عباس کی اس رقعے پر نظر پڑی، اٹھایا، پڑھا، غصے سے بے قابو ہو
 گیا اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا، اور ہاروں رشید کے پاس پہنچا۔ ہاروں
 اس کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا، اس کا ارادہ تھا کہ اسی کے ساتھ اپنی لڑکی
 کی شادی کرے، اُس نے جو اسے برافروختہ مزاج دیکھا تو پوچھا:-
 ”کیا بات ہے؟“

”ربیعہ نے میری ہجو کی ہے“

فوراً ربیعہ بابِ خلافت پر طلب کیا گیا۔ خلیفہ نے کہا، ”کیوں نمک حرام، تو نے عباس کی ہجو کی؟ جسے میں بہت محبت اور عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں!“ ربیعہ نے کہا، ”خدا کی قسم، یا امیر المومنین میں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ کہا، ایسا قصیدہ کہ کسی شاعر نے خلیفہ کی مدح میں بھی نہیں کہا ہوگا، میں نے ان کی تعریف میں پورے مبالغے سے کام لیا اور ان کے اوصاف کھول کھول کر بیان کیے، اگر امیر المومنین کو یقین نہ ہو میرا قصیدہ منگوا لیں اور ملاحظہ فرمائیں،“ خلیفہ نے عباس کو حکم دیا کہ ربیعہ کا رقعہ منگایا جائے، اس لیے کہ اب اسے بھی قصیدہ دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو چکا تھا۔ عباس نے آنا کافی شروع کی، رشید نے کہا، ”میں تمہیں قسم دیتا ہوں رقعہ فوراً منگواؤ“ عباس نے محسوس کیا اس نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ رقعہ منگوا یا گیا، رشید نے اسے دیکھا تو وہی کچھ پایا جو ربیعہ نے کہا تھا۔ اس نے قصیدے کی بہت تعریف کی اور کہا، ”خدا کی قسم کسی شاعر نے کسی خلیفہ کی بھی اتنی پُر زور مدح نہیں کی ہوگی، ربیعہ نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا، سچ کہا تھا“ پھر وہ عباس سے مخاطب ہوا ”تم نے اس کا کیا صلہ دیا؟ ربیعہ نے دخل دیا، کہا، ”امیر المومنین اس قصیدے کے صلے میں انھوں نے مجھے دو دینار بھیجے، اس سے میں برا فروختہ ہوا“ خلیفہ کو یقین نہیں آیا، اس نے کہا، ”ربیعہ میں تمہیں اپنی قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ“ ربیعہ نے کہا، ”امیر المومنین کی مبارک زندگی کی قسم ان کے دو دیناروں نے مجھے برا فروختہ کیا؟“ اب رشید کو بہت غصہ آیا، اس نے گھوڑا کر عباس کو دیکھا اور کہا، ”کیوں تم نے اسے خفا کیا

کیا کرتا ہو؟

ابراہیم ابوالعناہیہ کی یہ باتیں سن کر ہنسا، کہا، "ابن امیہ تو اس مجلس کے تمام لوگوں میں تم سے قریب تر بیٹھا ہوا ہے" پھر وہ میری طرف مخاطب ہوا "تم ہو ابن امیہ؟" میں لحاظ سے کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ میں نے کہا، "میں محمد بن امیہ ہوں، کبھی دو چار شعر جی بہلانے کو کہ لیتا ہوں نوجوان جو ٹھہرا۔" "یہی تو شعر و شاعری کے لیے بہترین زمانہ ہے" اس طرح وہ حوصلہ افزائی کی باتیں کرتا رہا، یہاں تک کہ میں رفتہ رفتہ اس سے مانوس ہو گیا، پھر وہ ابراہیم بن مہدی سے گویا ہوا۔

"ان سے کہیے کچھ سنائیں" ابراہیم نے مجھ سے اصرار کیا، میں نے چند اشعار سنائے:-

"بہت سے وعدے تو نے مجھ سے کیے، جنہیں میں نہیں بھول سکتا۔ تیرے وعدوں کا شکر مجھ پر واجب ہے، اگرچہ وہ پورے نہ کیے گئے ہوں۔ میں حُسنِ ظن برتتے ہوئے اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں، اور اس طرح اس مصیبت سے بے پروا رہتا ہوں، جو طے والی نہیں ہے۔ جب میں کسی اچھے دن کی توقع کرتا ہوں، تو میری تمناؤں کے راستے میں کوئی سنگِ گراں حائل ہو جاتا ہے، میں زمانے کو دیکھ رہا ہوں، وہ میری ان آرزوؤں کو جو تجھ سے وابستہ ہیں، قریب تو نہیں کرتا۔ ہاں میری موت کے وقت کو قریب تر کرتا جاتا ہے۔"

یہ اشعار سن کر ابوالعناہیہ پر گریہ جاری ہوا، آنسو بہ بہ کے اس

مال کی کمی سے؟ تو تمہیں میں نے بہت کچھ دے رکھا ہے، یہ تمہارے چھمورے
پن کا نتیجہ ہے جس کے تم خود ذمے دار ہو۔ تم نے اپنے آبا و اجداد کو ذلیل،
مجھے خفیف اور اپنے تئیں رسوا کیا۔

پھر خلیفہ اپنے غلام سے مخاطب ہوا: اسے حکم دیا کہ ربیعہ کو تیس
ہزار درہم فوراً دیے جائیں، بیش بہا خلعت بھی دیا جائے، پھر رشید نے
مجھ سے کہا، ”اب اس واقعہ کا تعریض یا تصریح کسی طرح کا ذکر نہ کرنا“ میں
یوں نواز گیا، اور عباس کو یہ سزا ملی کہ ان کی نسبت خلیفہ کی صاحب زادی
سے ٹوٹ گئی، وہ خلیفہ کی نظروں سے گر گئے۔

(۴۲) دل دردمند!

محمد بن امیہ روایت کرتے ہیں کہ میں ابراہیم بن مہدی کے پاس بیٹھا
ہوا تھا، اتنے میں ابوالعتاہبہ آیا، وہ دنیا سے خفا تھا، درویشی اختیار کر چکا
تھا، شعر گوئی ترک کر رکھی تھی۔ اگر کہتا بھی تھا تو ”چند پند“! ابراہیم نے اس کا
قرار واقعی احترام کیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔

ابوالعتاہبہ نے اس سے کہا، ”یا امیر میں نے سنا ہے آپ کے غلاموں
میں کوئی ابن امیہ ہے، جسے آپ نے اپنا ندیم و رفیق بنا رکھا ہے۔؟ میں نے
اس کے کچھ اشعار سنے ہیں، مجھے تو بہت پسند آئے، وہ کہاں ہے؟“

لے محمد بن امیہ بن ابی امیہ، کاتب اشعار، انشا پرداز، بذلہ بیخ سب ہی کچھ تھا، خط بہت پاکیزہ
اور بیان بہت شیریں، مہدی کا مستعد بھی رہ چکا تھا، شاہی مہر اس کے پاس رہتی تھی، اور اس
کے خزانے کا اہتمام بھی اس کے سپرد تھا، ابراہیم اس کا بڑا قدردان تھا،

کی داڑھی پر گرنے لگے، آخری شعروہ بار بار دہراتا تھا، اسی حالت میں وہ اٹھا اور باہر چلا گیا۔

(۴۳) قید و بند !

ابن کلبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا، قیسبہ ابن کلثوم اسکونی۔ اس نے حج کا ارادہ کیا، جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اہل عرب جب حج کے ارادے سے نکلتے تو ایک دوسرے سے مطلق تعرض نہیں کرتے تھے۔ قیسبہ، قبیلہ بنو عامر بن عقیل کے پاس سے گزرا، قبیلے والوں نے حملہ کر کے اسے گرفتار کر لیا، جو کچھ مال و دولت تھا سب چھین لیا، اور اسے قید کر لیا۔

اسی طرح قید و بند میں قیسبہ کو تین سال کی مدت گزر گئی، یمن میں یہ مشہور ہو گیا کہ اسے کوئی جن اڑا لے گیا۔ جاڑے کا موسم تھا، کڑا کے کی سردی پڑ رہی تھی، قیسبہ ایک بڑھیا کے مکان میں قید تھا۔ اس نے کہا، ”کیا تم مجھے اجازت دو گی کہ میں سامنے کے ٹیکرے پر بیٹھ کر دھوپ کھا لوں؟“ سردی کے مارے بڑا حال ہوا جاتا ہو، ”بڑھیا نے کہا، ”ہاں چلے جاؤ“ وہ ایک منقش یمنی جبتہ پہنے ہوئے تھا، اس کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا، وہ اپنی بیٹیوں اور زنجیروں کو کھڑکاتا ہوا اذ پر چڑھ گیا، وہاں بیٹھ کر اس نے یمن کی طرف نظر دوڑائی، اس کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں، وہ رونے لگا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھ کر اس نے کہا، ”اے آسمان کو سکون دینے والے خدا، جس مصیبت میں میں گرفتار ہوں اس سے نجات دے“ اتنے

میں کیا دیکھتا ہو کہ سامنے سے ایک سوار جا رہا ہے قیسبہ نے اشارہ کر کے اسے
اپنی طرف متوجہ کیا، جب وہ سامنے آکھڑا ہوا تو اس نے پوچھا۔

”کیوں بھائی کیا بات ہے؟“

”تم کہاں جا رہے ہو؟“

”میں کا ارادہ ہے!“

”تم کون ہو؟“

”ابو الطحان القینیؓ“

قیسبہ کی آنکھیں پھر اشک آلود ہو گئیں، وہ رونے لگا، ابو الطحان نے اس
سے پوچھا، ”اے شخص تو کون ہے؟ میں تجھ میں اچھائی کی نشانیاں دیکھتا
ہوں۔ تیرا لباس بھی بادشاہوں کا سا ہے، لیکن تو ایسے گھر میں ہے جس سے
بادشاہوں کو کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا“

”میں قیسبہ بن کلثوم السکونی ہوں، فلاں سال حج کے ارادے
سے میں نکلا، اس قبیلے نے مجھ پر حملہ کیا، اور جو کچھ میرے ساتھ کیا تم دیکھ
رہے ہو“

یہ کہہ کے قیسبہ نے اپنے پانوں کی بیڑیاں اور زنجیریں بھی دکھائیں۔ یہ
منظر دیکھ کر ابو الطحان کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اس نے قیسبہ سے کہا۔

”کیا تم سُرخ رنگ کی تنو اور مٹیاں چاہتے ہو؟“

”خدا کی قسم مجھ سے زیادہ کوئی بھی ان کا محتاج نہیں ہے“

ملہ ابو الطحان، نام حنظلہ بن الشرقی، اچھا شاعر تھا، نڈر اور بہادر تھا، اس نے جاہلیت کا
زمانہ بھی دیکھا، اور اسلام کا بھی، لیکن ہر دور میں کسی دین پر بھی صداقت سے قائم نہ رہا، جاہلیت
کے زمانے میں یہ زبیر بن عبد المطلب کا ندیم اور مصاحب تھا۔

”اچھا اپنا اؤنٹ بٹھاؤ“

اس نے اپنا اؤنٹ بٹھالیا، پھر قیسمت نے اس سے پوچھا،

”کیا تمہارے پاس چھری ہے؟“

”ہاں ہے“

”کجاہے پر جو کچھ ہے اسے بٹھاؤ“

اس نے کجاہے پر سے جو کچھ تھا ہٹا دیا، یہاں تک کہ کجاہے کے آخری سرے کی لکڑی قیسمت کو دکھائی دینے لگی، اس نے چھری سے کجاہے کے آخری سرے پر خطِ مند میں کچھ اشعار لکھے۔ یہ خطِ مینیوں کے سوا کسی کو نہیں آتا تھا:-

”کنندہ کے سب بادشاہوں کو میرا یہ پیام، اے قاصد! پہنچاؤ

جہاں شرفا کو اؤنٹ لے کر چلتے ہیں

کہ وہ لشکر و عسکر کے ساتھ مقامِ عین پر آئیں، بہت جلد، پھر

وہاں سے اس طرح لوٹیں کہ مالِ غنیمت سے بوجھل ہو رہے

ہوں۔

میری پڑوسن مجھ پر تمسخر کرتی ہے، اور عجیب باتیں کرتی ہے،

جب وہ میری گردن کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھتی ہے۔

اگر تو مجھے دُبلایا پتلا قیدی دیکھتی ہے، تو بات یہ ہے کہ اس قید

نے مجھ میں ضعف اور کمزوری پیدا کر دی ہے۔

میں ایسا لشکر لاؤں گا، جو تلواروں سے مسلح ہوگا، خود میں

بھی ہتھیار بند اور زرہ پوش ہوں گا“

ان اشعار کے نیچے اس نے اپنے بھائی کو لکھا کہ ابوالطمان کو نواؤنٹیا

لے یہ ایک رسمِ خط تھا، جسے بنو حمر استعمال کرتے تھے۔

دے دی جائیں۔ پھر اس نے ابو الطحمان سے کہا، ”اگر میری قوم نے یہ پڑھ لیا،
تو تمہیں سنو سُرخ اُونٹنیاں مل جائیں گی“

ابو الطحمان روانہ ہوا، یہاں تک کہ وہ حضرموت پہنچا، یہاں اپنے
کاروبار میں کچھ ایسا اُبھھا کہ قیسہ کی بات بالکل بھول گیا، کچھ عرصے بعد وہ
اپنے کاموں سے سنبٹ گیا، ایک روز اس نے یمن کی بعض بوڑھی عورتوں
کو سنا کہ وہ قیسہ کو یاد کر کر کے رورہی ہیں، اب اسے وہ بات یاد آئی، وہ
قیسہ کے بھائی، جون بن کلثوم کے پاس پہنچا، اس نے کہا، ”میں تمہیں
قیسہ کا پتا بتاتا ہوں، اس نے مجھے ایک سو اُونٹ دینے کو کہا ہے“ جون
نے کہا، ”اُونٹ ضرور تمہیں ملیں گے“

اب ابو الطحمان نے اپنا کجارہ دکھایا۔ جون نے جب اسے پڑھا، تو
فوراً ابو الطحمان کو تُو اُونٹ دینے کا حکم صادر کر دیا۔ پھر وہ قیس بن معدی
کرب الکندی ابوالاشعث بن قیس کے پاس آیا، اور کہا، ”سنئے ہو، میرا
بھائی بنی عقیل کے ہاں قید ہے، اپنا قبیلہ لے کر میرے ساتھ چلو“
اس نے کہا، ”کیا تم اس پر راضی ہو کہ میرے پرچم کے نیچے چلو؟“
میں تمہارا بدلہ لے لوں گا، اور تمہیں کامیاب کروں گا، اگر راضی نہیں
تو اپنی راہ لو“

جون نے کہا، ”آسمان کو چھو لینا آسان ہے، لیکن تو جو فرمائش کرتا ہے
اس کا پورا کرنا میرے لیے مشکل ہے“ ان دونوں کی ان باتوں پر سکونیوں میں
چہ می گوئیاں ہونے لگیں، وہ لوگ جون کے پاس آئے، اور اس سے کہا،
تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ قیس تمہارا ابن عم ہے، تمہارے ہی لیے بدلہ لینے کو
کہتا ہے، اور تم ٹیڑھی میڑھی باتیں کرتے ہو، جو وہ کہتا ہے مان کیوں نہیں

لیتے ۹

جون اٹھ کھڑا ہوا، قیس بھی چل پڑا، دونوں ایک پرچم کے نیچے چلے،
کنندہ اور سکون کے قبائل بھی ساتھ ساتھ تھے، یہ پہلادن تھا کہ سکون اور کنندہ
یہ دو قبائل ایک جگہ قیس کے سبب جمع ہوئے، یہ قیس کے لیے بڑی بزرگی
کی بات مانی جاتی ہے۔

یہ گروہ روانہ ہوا، قبیلہ بنو عقیل پر حملہ آور ہوا، بڑے معرکے کا رن
پڑا، آخر ان لوگوں نے قیسہ کو رہا کر لیا۔ اس موقع پر سلام بن صبیح الکندی
نے کہا:-

” (اے اہل کنندہ) تم ہمیں بڑا بھلا نہ کہو، جب کہ ہم تمہارے
لیے میدانِ جنگ میں دو ہزار گھوڑے کھینچ لائے۔
ہمارے گھوڑوں نے (اے بنو عقیل) تمہاری زمین پر
پیشاب کیا، یہاں تک کہ ہم نے تم سے قیسہ کا بدلہ لیا ہے۔
ہمارے اور حریف کے مابین قبیلہ نذج حاصل ہو گیا،
اس قبیلے کے لوگ ہمارے شکر سے اس حالت میں ملے جب
کہ وہ مصروفِ پیکار تھا۔“

(۴۴) گانے کا رسیا!

محمد بن حارث بن کلیب بیان کرتے ہیں کہ ابن عائشہ المدنی ولید
بن یزید کے دربار سے انعام و اکرام اور تیس ہزار درہم نقد لے کر اپنے
گھر کی طرف چلا، راستے میں اس نے ایک دیہاتی آدمی کو دیکھا جو بنیہ

پی رہا تھا، دیہاتی نے اپنے لڑکے سے پوچھا، ”یہ سوار کون ہے؟“ لڑکے نے کہا، ”مشہور مفتی ابن عائشہ“ اب وہ ابن عائشہ کے قریب آیا، اور پوچھا، ”آپ کو ام المومنین حضرت عائشہ نے بیٹا بنایا ہے؟“ ”نہیں میں قریش کا ایک فرد ہوں، میری ماں کا نام عائشہ تھا آپ کو اس طرح کے سوالات کرنے کا حق نہیں“

”یہ مال و منال میں آپ کے پاس کیسا دیکھ رہا ہوں؟“
 ”امیر المومنین نے میرا گانا پسند کیا، اور یہ دولت بے حساب بخش دی“
 ”کیا آپ مجھ پر احسان کریں گے؟ تھوڑا سا گانا سنانا لے گا؟“
 ”عجیب شخص ہو، مجھ سے شخص، راستے گلی میں گانا سنانا پھرے گا؟“
 ”پھر کیا صورت ہو سکتی ہے؟“
 ”میرے گھر چلو“

یہ کہہ کر ابن عائشہ نے اپنے خچر کو ایڑ لگائی، اور آگے بڑھ گیا، تاکہ اس دیہاتی سے پیچھا چھوٹے۔ آگے آگے ابن عائشہ اور پیچھے پیچھے وہ دیہاتی دونوں ایک ساتھ دروازے پر پہنچے، گویا دونوں ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے تھے کہ جلدی اور پہلے کون پہنچتا ہے؟

ابن عائشہ گھر کے اندر داخل ہو گیا، اور بڑی دیر تک باہر نہیں نکلا، وہ سمجھا تھا شاید دیہاتی انتظار نہ کر سکے اور چلا جائے۔ وہ ایک گھاگھ تھا، کیا جاتا، تنگ آکر ابن عائشہ نے اسے اپنے غلام سے اندر بلوایا

جب دیہاتی اندر آیا، تو ابن عائشہ نے اس سے کہا، ”تمہیں کہاں سے خدانے مجھ پر مسلط کر دیا ہے؟“ دیہاتی نے کہا، ”میں تو دیہات کا رہنے والا ہوں، آپ کا گانا سننے کا اشتیاق ہے“ ابن عائشہ نے کہا، گانے سے بھی زیادہ

فائدے کی ایک بات بتاؤں ؟

” کہیے “

” دو سو دینار دیتا ہوں اور دس تھان بڑھیا کپڑوں کے۔ یہ لے جاؤ

اور اپنے بال بچوں کے ساتھ مزے کرو “

” سنیے صاحب! میری ایک ننھی سنی بچی ہے، خدا جانتا ہے اس کے کان

میں چاندی کی بالی بھی نہیں، سونا تو خیر بڑی چیز ہے۔ میری ایک بی بی

بھی ہے، خدا دیکھتا ہے اس کے بدن پر قمیص بھی نہیں، لیکن بندہ پرور

جو کچھ امیر المؤمنین نے آپ کو دیا ہے وہ سب بلکہ اس کا دو گنا بھی آپ

مجھے مرحمت کر دیں، تو بھی اپنے فقر و افلاس کے باوجود میں ہی پسند

کروں گا کہ بجائے دولت و ثروت کے آپ کا گانا سن لوں ! “

ابن عائشہ کا اصول تھا کہ وہ صرف خلیفہ یا دوسرے جلیل القدر لوگوں

کو گانا سنانا کرتا تھا، اسی لیے وہ اسے سنانے سے کٹے کاٹ رہا تھا۔ مگر جب

اس نے یہ اشتیاق دیکھا تو ساز سنکایا، اور گانا سنالے لگا، دیہاتی سن رہا تھا اور

مست ہو ہو کے جھوم رہا تھا، پھر وہ اٹھا، جیسا خالی ہاتھ آیا تھا، ویسا ہی خالی

ہاتھ چلا گیا۔

اڑتے اڑتے یہ خبر ولید بن یزید کو بھی پہنچی۔ اس نے ابن عائشہ سے

ماجر ا پوچھا۔ پہلے تو اس نے ٹالے بالے بتائے، پھر واقعہ کی تصدیق کی خلیفہ

نے حکم دیا، دیہاتی دربار میں پیش کیا جائے۔

خلیفہ نے اسے انعام و اکرام سے مالا مال کیا، اور اپنے ندیموں میں

شامل کر لیا! ساقی گری کی خدمت اس کے سپرد کر دی اور وہ مرتے دم تک دربار

میں رہا۔

(۴۵) جیل میں !

حمزہ بن بیض قید خانے میں یزید بن الملک سے ملنے گیا، اور اسے چند مدیدہ اشعار سنائے، یزید نے کہا، "حمزہ! ایسے بڑے وقت تمہیں مدح و توصیف کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تم نے اچھا کیا! پھر اس نے اپنے فرش کے نیچے سے ایک تھیلی اٹھائی، اور اس کی طرف پھینک کر کہا، "یہ چند دینار لے لو! اس سے زیادہ میرے پاس کیا ہے؟" حمزہ نے تھیلی لے لی، ارادہ کیا کہ اسے واپس کر دے، یزید نے اس سے آہستہ سے کہا، "دھوکا نہ کھاؤ، لے لو"

حمزہ کہتا ہے، جب یزید نے مجھ سے کہا، "دھوکا نہ کھاؤ" میں سمجھ گیا، اس میں دینار نہیں کچھ اور ہے، مجھ سے دربان نے پوچھا، "یزید نے تمہیں کیا دیا؟" "دینار! میں نے تو ارادہ کیا تھا واپس کر دوں، مگر پھر خاموش ہو گیا"

جب میں اپنے گھر پہنچا، تو میں نے پوٹلی کھولی، دیکھتا کیا ہوں اس

لے حمزہ بن بیض، حنفی، دولت امویہ کے بہترین شعرا میں شمار ہوتا تھا، مہلب بن ابی صفیر اور اس کے بیٹے کے دامن دولت سے وابستہ تھا، دولت عباسیہ کے عروج سے پہلے وفات پا گیا، لے عبدالملک ولید بن عبدالملک، اور سلیمان بن عبدالملک نیز عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک کے زمانے کا مشہور و معروف شخص، بڈر، بے باک، دلیر اور بہادر تھا، سلسلہ میں اس کے اور مسلم بن عبدالملک کے درمیان جنگ ہوئی، اسی جنگ میں مارا گیا۔

میں ایک نگینہ یا قوتِ سُرخ کا رکھا ہوا ہجر اور محلِ شب چراغ کی طرح چمک رہا ہے۔

میں نے اپنے دل میں کہا، اس مال کو اگر عراق میں بیچتا ہوں تو پکڑا جاؤں گا، لہذا میں نے خراسان کا رخ کیا، اور ایک یہودی کے ہاتھ ۳۰ ہزار درہم میں فروخت کر دیا، جب رُپڑ میرے اور نگینہ یہودی کے ہاتھ میں پہنچ گیا، تو اس نے کہا، "اگر تم پچاس ہزار پر اڑ جاتے تو خدا کی قسم میں پچاس ہزار میں اسے خرید لیتا" یہ سن کر میرے دل میں آگ سلگنے لگی۔ یہودی نے میرے چہرے کا رنگ متغیر دیکھا تو کہا، "بھائی میں ٹھہرا تاجر، تم کو اس وقت تکلیف ہوئی" میں نے کہا، "تکلیف کی خوب رہی، تم نے تو مجھے قتل کر دیا" اس نے کہا، "اچھا، یہ سئو دینار اور لو، تاکہ تمہارے راستے میں کام آئیں۔"

(۴۶) بدنام داماد!

ابراہیم بن مدبر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میرے پاس محمد بن صالح قید سے رہائی پا کر آئے، انھوں نے کہا، "آج کا دن میں تمہارے پاس گزارنا چاہتا ہوں لیکن اس طرح کہ میرے تمہارے سوا کوئی اور نہ ہو تاکہ تم سے کچھ راز کی باتیں کہوں، مناسب نہیں کہ وہ باتیں ہم دونوں کے علاوہ کسی اور کے لئے ابراہیم بن مدبر، شاعر، اشاپرواز، متوکل کے دربار میں بڑی عزت رکھتا تھا۔"

ابو محمد بن صالح، شاعر، بذلہ سخ، یکے از شعراء اہل بیت، متوکل پر اس نے خروج کیا، پکڑا گیا، پھر اس کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور رہائی پائی۔

کانوں میں پڑیں، میں نے کہا، ”بسرو چشم!“
 اس نے کہا، ”ایک مرتبہ میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نکلا، راستے
 میں ہم ایک قافلے سے دوچار ہوئے، میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے
 اس پر حملہ کر دیا، اہل قافلے کو شکست دی، اور جو کچھ ان کے پاس تھا چھین لیا۔
 میں لوٹ مار کی چیزیں جمع کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک ہودج سے ایک عورت
 نے میرے سامنے سر نکالا، اس سے زیادہ خوب صورت اور شیریں گفتار عورت
 میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی، وہ مجھ سے کہنے لگی، ”اے نوجوان، اس لشکر کے
 امیر کا مجھے پتا دے“

”تم نے ابھی اُس سے باتیں کیں اور اس نے تمہاری باتیں نہیں“

”تجھے خدا کی قسم، کیا وہ تو ہی ہے؟“

”ہاں خدا کی قسم میں ہی ہوں“

”اچھا تو سن! میں حمد و نہ بنت عیسیٰ بن ابی خالد ہوں، میرا باپ جاہ و
 وید بے کا آدمی ہے، خدا نے اپنی نعمت سے ہمیں مالامال کیا ہے، اگر تم سن چکے
 ہو تو یہ کافی ہے، نہیں سنا ہے تو میرے سو کسی اور سے پوچھ سکتے ہو، میں اپنے
 منہ سے کیا کروں؟ میرے پاس جو کچھ ہے سب تمہیں سونپتی ہوں، اس کے
 بدلے میں تمہیں عہد کرنا پڑے گا۔ عہد یہ کہ تم میری حفاظت کرو، اور مجھے پوشیدہ
 رکھو، یہ میرے پاس ایک ہزار دینار ہیں جو میرے خرچ کے لیے ہیں۔ یہ تم لے
 لو، میرے بدن پر جو زیور ہے، پانچ سو دینار سے کم کا وہ بھی نہیں ہے، وہ بھی
 تم لے لو۔ اس کے علاوہ اگر تم چاہو گے، تو مکہ، مدینے یا دوسرے تاجروں
 سے بھی کچھ سامان تجارت لے دوں گی۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ میں اس سے
 کچھ مانگوں اور وہ نہ دے، لیکن ان سب باتوں کا صلہ تمہاری طرف سے

مجھے یہ ملنا چاہیے، کہ میری حفاظت کرو، اپنے ساتھیوں سے مجھے بچاؤ، اور جو مار مجھے لگ گیا ہو، اس سے بڑی کرو۔ اس کی باتیں میرے دل میں گھر گئیں، میں نے کہا، ”خدا نے تمہیں جو مال دیا ہے، جو عزت دی ہے، وہ تمہاری ہے۔ قافلے کا جو کچھ ہے وہ بھی تمہارا ہے“ پھر میں باہر نکلا، اپنے ساتھیوں کو بلایا، ان سے میں نے کہا، ”اس قافلے کو میں نے پناہ دی ہے، اور اس کی عزت، مال و متاع کا بھی ذمہ لیا ہے۔ اب اگر کسی نے اس کا ایک دھاگا بھی لیا، تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ یہ سب کچھ خدا اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہے، ان کے بعد میری حفاظت ہے، اس اعلان کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ میں آگے بڑھ گیا۔

اب سنیے، کچھ عرصے بعد میں گرفتار ہوا، اور قید کر دیا گیا۔ ایک روز میرے پاس جیلر آیا اور کہنے لگا، ”دروازے پر دو عورتیں کھڑی ہیں، اپنے تئیں تمہارے گھر کا بتاتی ہیں، انہوں نے مجھے سونے کا ایک کنگن دیا ہے اور درخواست کی ہے کہ میں انہیں تم تک پہنچا دوں۔ اب وہ دہلیز پر کھڑی ہیں، ملنا چاہتو تو دروازے تک چلو“ میں سوچنے لگا کہ اس شہر میں مجھے کوئی نہیں پہچانتا کون ہے جو مجھ سے ملنے آئے؟ میں دہلیز پر پہنچا، تو دیکھتا کیا ہوں حمدونہ کھڑی ہے اس نے مجھے ہتکڑی، بیڑی میں جکڑا ہوا دیکھا تو بے اختیار روئے لگی۔ دوسری عورت جو اس کے پاس کھڑی تھی، اس نے پوچھا، ”یہی وہ شخص ہے؟“

”ہاں، خدا کی قسم یہی ہے پھر وہ میری طرف مخاطب ہوئی، کہنے لگی۔

”تم پر میرے ماں باپ خدا گواہ ہے اگر تم کو میں اس مصیبت سے نجات دلا سکتی تو ضرور دلاتی، میری جانب سے تم اسی سلوک کے مستحق تھے، میں تمہاری مدد سے ہاتھ نہیں کھینچوں گی، جیسے بھی تمہیں رہا کر اسکوں گی کروں گی۔ یہ چیزیں تم قبول کرو، یہ دینار ہیں، یہ کپڑے ہیں، یہ خوش بو ہے، انہیں اپنے

پاس رکھو، میرا قاصد ہر روز تمہارے پاس آتا رہے گا، اور جو کہو گے کرے گا۔“ اس کا قاصد روز میرے پاس آتا، اور مزے مزے کے کھانے ساتھ لاتا۔ وہ جیلر کی بھی خاطر مدارات کرتا رہتا تھا اس لیے بے روک ٹوک میں جو چاہتا تھا منگوا تا رہتا تھا۔ آخر خدا نے جب مجھ پر رحم کیا، اور میں نے رہائی پائی، تو حمدونہ سے نکاح کی درخواست کی۔ اس نے کہا، جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو دل و جان سے تمہاری ہو چکی، لیکن فیصلہ میرے ہاتھ میں نہیں والد کے ہاتھ میں ہے۔

میں اس کے والد کے پاس پہنچا، اور حمدونہ سے نکاح کی درخواست کی۔ اس نے کہا، ”بجا ارشاد ہوا، آپ سے اس کا نکاح کر کے ان سب افواہوں کی تصدیق کر دوں، جو جناب کے متعلق پھیل رہی ہیں تم تو ہمارے لیے رسوائی کا سبب بن چکے، تم سے نکاح کیسے ہو سکتا ہے“ میں چُپ چاپ اٹھ کر چلا آیا۔ ابراہیم نے محمد بن صالح سے کہا، ”تم فکر مت کرو، عیسیٰ میرے بھائی کا

پروردہ ہے، میں معاملہ طر کرادوں گا“ دوسرے روز عیسیٰ کے مکان پر گیا، میں نے کہا، ”تمہارے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں“ اس نے گرم جوشی سے کہا، ”فرمائیے“ میں نے کہا، ”تمہاری لڑکی کا پیام لایا ہوں“ اس نے کہا، ”لڑکی آپ کی باندی اور میں آپ کا غلام“ میں نے کہا، ”میں ایسے شخص کی طرف سے پیام لے کر آیا ہوں جو اپنے والدین کے اعتبار سے میرے والدین سے بہتر ہے، اس کی دامادی تمہارے لیے باعث شرف ہے۔ وہ ہے محمد بن صالح العلوی“ عیسیٰ نے کہا، ”یا بیدی، اس کے سبب تو ہم بہت بدنام ہو چکے ہیں، لوگ چہ می گوئیاں کرتے ہیں“ میں نے کہا، ”کیا وہ غلط نہیں ہیں؟“ ”جی ہاں ہیں تو غلط!“ میں نے کہا، ”شادی کے بعد سب باتیں خود بخود زائل ہو جائیں گی“ وہ راضی ہو گیا، میں نے فوراً محمد بن صالح کو بلوایا، عیسیٰ کے

سامنے اسے پیش کیا۔ آخر حمد و نند سے اس کی شادی ہو گئی!

(۴۷) شاعر کی حیلہ سازی!

سہل بن کسیت بیان کرتے ہیں کہ حکیم بن عباس الاعمور کبھی قیدی مضر کی جو بہت کرتا رہتا تھا، مضر کے شعرا اس کی جو کرتے رہتے تھے۔ کسیت کہا کرتا تھا، ”حکیم تم سب میں بہت بڑا شاعر ہو، لوگوں نے اس سے کہا، ایک شخص نے تم پر جو الزامات لگائے ہیں ان کا بھی تم نے جواب دیا؟ اس نے کہا، خالد بن عبداللہ القسری میرا محسن ہو، میں اس سے تو تو میں میں نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے کہا، ”ہوگا، لیکن سنو تو، اس نے تمہاری چچا زاد، پھوپھی زاد اور خالد زاد بہنوں کی کیسی کیسی جو کی ہو، یہ کہہ کر انہوں نے چند جو یہ اشعار سنائے، کسیت کی حمیت خاندانی جوش میں آئی۔ اس نے ایک پر زور تصدیقہ جو یہ جواب میں کہا۔ خالد کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی، اس نے کہا، ”کسیت نے میرے خاندان والوں کو چھوڑ دیا، جو تو جو کچھ بھی کہا ہو، میں اس کی پروا نہیں کرتا، لوگوں نے کہا،

۱۷ کسیت بن زید الاسدی، مشہور شاعر، لغات عرب، تاریخ عرب، اور قصص عرب کا ماہر خصوصی، یکے از شعرا مضر، بنی امیہ کے زمانے میں اس نے فروغ پایا، دولت عباسیہ کے ظہور سے پہلے راہی عام ہوا، اپنے تشیع میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ بنی ہاشم سے اسے عشق تھا، لیکن تعجب یہ ہو کہ طراح سے اس کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ مشکل سے دو آدمیوں میں ایسے گہرے روابط دیکھے گئے ہوں گے، حالانکہ مذہباً دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔ کسیت بڑا کٹر شیعہ تھا اور طراح وریا ہی سخت خارجی تھا!

”آپ پروا نہیں کرتے، کچھ سنا بھی اس نے کہا کیا ہے؟ یہ کہہ کر انھوں نے کمیت کے قصیدے کے چند اشعار سنائے۔ خالد بہت براہم ہوا، اس نے کہا، ”خدا کی قسم میں اسے قتل کرا کے رہوں گا“

خالد نے بڑی گراں قیمت پر تین کینز خریدیں، جو حسن و جمال، تہذیب و تربیت، زبان دانی اور بذلہ سخی کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھیں پھر اس نے انھیں ”ہاشمیات“ یاد کرائے، اور انھیں اس نیلام گھر میں بیچ دیا، جہاں سے ہشام بن عبدالملک کے لیے خرید فروخت ہوتی تھی، چنانچہ یہ سب خرید لی گئیں، جب وہ مانوس ہو گئیں تو ان کی گل افشانی نے ہشام بن عبدالملک کو گرویدہ کر لیا۔ اس نے ان کینزوں سے قرآن سنا تو قرآن بھی بڑے لحن سے پڑھتی تھیں، اور شعر بھی خوب سناتی تھیں۔ ایک روز انھوں نے کمیت کے ”ہاشمیات“ میں سے کچھ شعر پڑھنا شروع کیے، ہشام نے کہا، ”کم بختو! یہ شعر کس کے پڑھ رہی ہو؟“ کینزوں نے کہا، ”کمیت بن زید الاسدی کے اشعار ہیں“ ہشام نے پوچھا، ”وہ کس شہر میں رہتا ہے؟“ جواب ملا، ”کوفہ میں!“ ہشام نے فوراً عراق کے گورنر خالد کو پروا نہ لکھا کہ ”میرے پاس کمیت بن زید کا مسز کیجھو!“

خالد نے راتوں رات کمیت کو گرفتار کر کے زنداں خانے میں ڈال دیا، دوسرے دن صبح مضر کے اعیان و مشائخ کے سامنے، ہشام کا خط پڑھا، اور ان لوگوں سے کمیت کے قتل کے بارے میں معذرت کی، کہ وہ حکم شاہی سے لہ ”ہاشمیات“ کمیت کے وہ قصائد جو اس نے بنی ہاشم کی مدح میں کہے تھے، جن میں بنی امیہ کے جو دستور کو صفائی سے بیان کیا تھا۔ ان قصائد کا شمار بہترین قصائد میں ہوتا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں لیڈن سے شائع ہو چکے ہیں۔

مجبور ہو کر ایسا کر رہا ہے، پھر اس نے اعلان کیا، "کل صبح کمیت کی گردن اڑادی جائے گی، اور سر باب شاہی کی طرف روانہ کر دیا جائے گا، خالد نے کمیت کے یار وفادار ابان بن ولید سے کہا، "دیکھا، تم نے تمہارے دوست کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" ابان نے کہا، "مجھے بہت صدمہ ہے، پھر وہ خالد کی مجلس سے اٹھ آیا، اور ایک غلام سے کہا، "اگر تو میرا یہ خط کمیت کو پہنچا دے، تو تو آزاد، اور یہ خچر بھی تیرا، خط میں اس نے لکھا تھا، "مجھے معلوم ہو چکا ہے تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے، اب سواغدا کے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ میری رائے تو یہ ہے کہ اپنی اہلیہ جی کو اطلاع دو، جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کا نقاب پہن لو، اس کے کپڑے پہن لو، اور نکل بھاگو، مجھے امید ہے اس طرح تمہیں کوئی شناخت نہیں کر سکے گا۔"

کمیت نے ابو وضاح جلیب بن بدیل اور اپنے دوسرے چچا زاد بھائیوں کو اطلاع بھیجی۔ جلیب اس کے پاس گیا، کمیت نے اسے سارا ماجرا سنایا، اور اس بارے میں مشورہ کیا، اس نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ پھر اس نے کمیت کی بیوی جی کے پاس قاصد بھیجا، جس نے اسے سارا قصہ کہ سنایا۔ قاصد نے اس سے کہا، "اگر بنتِ عم، والی تم پر کوئی زیادتی نہیں کر سکتا، اور تمہاری قوم کو چھوڑ بھی نہیں سکتا، اگر مجھے تمہاری جان کا اندیشہ ہوتا تو میں یہ تجویز پیش نہ کرتا، جلی اس سے آخری ملاقات کے لیے زنداں میں گئی، اندر پہنچ کر اس نے کمیت کو اپنے کپڑے پہنائے، اپنی اور صنی اڑھائی، اور کہا، "دکھاؤ توبہ" پھر اس نے کہا، "ہاں ٹھیک ہے، اب تمہیں کوئی نہیں پہچان سکتا۔ خدا کا نام لے کر سدھارو، زنداں خانے کے دروازے پر ابو وضاح اور قبیلہ بنو اسد کے نوجوان موجود تھے، ابو وضاح اس کو اپنے ساتھ لے کر چلا، دربانوں

میں سے کوئی بھی اس کو پہچان نہ سکا، یہاں تک کہ یہ ایک گلی میں پہنچے، پھر بنی تیم کی ایک مجلس سے گزرے، ان میں سے بعض نے کہا، ”خدا کی قسم یہ تو مرد معلوم ہوتا ہے؟“ اور اپنے غلام کو حکم دیا، ذرا معلوم تو کرے، ابو وضاح چیخا، اور کہا، ”ابو بد معاش کیا کرتا ہے؟ آج سے پہلے تو میں نے تجھے کسی عورت کا پیچھا کرتے نہیں دیکھا تھا، یہ کہہ کر اس نے اپنا جوتا اٹھایا، غلام یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔“

اب اس عورت نامرد کو ابو وضاح نے اپنے گھر میں داخل کیا، اور جب بہت دیر ہو گئی تو جیلر نے کیمت کو آواز دی، مگر صدائے برنجاست، وہ اندر داخل ہوا کہ معاملہ معلوم کرے اسے دیکھتے ہی عورت چیخنے لگی، ”موتے کہاں بڑھا آتا ہے؟ پیچھے بہٹ“ جیلر سب کچھ سمجھ گیا۔ روتا پیتا خالد کے پاس پہنچا، اور اسے ساری حکایت سنائی۔

خالد نے فوراً جی کو بلوایا، اس سے کہا، ”او خدا کی دشمن تو نے امیر المؤمنین سے دھوکا کیا، اور ان کے دشمن کو بھگا دیا، خدا کی قسم میں تیرا مثلہ کروں گا، ضرور کروں گا، قطعاً کروں گا“ یہ سن کر بنو اسد کے لوگ اس کے پاس جمع ہوئے، اور کہا، تم ہمارے قبیلے کی ایک خاتون کے ساتھ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، خالد اہل قبیلہ سے خائف ہوا، اور جنتی سے درگزر کیا۔

کیمت ایک عرصہ دراز تک ادھر ادھر پھپھرتا رہا، جب اسے یقین ہو گیا، اب اس کی تلاش و جستجو میں زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا جا رہا ہے، تو ایک رات وہ بنی اسد کی ایک جماعت کے پاس آیا، اس کے ساتھ ایک غلام بھی تھا، وہ قطعاً مثلہ مثلہ۔ قتل کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ کسی کو تعزیراً یا انتقاماً قتل کر دیا، اور ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جوش غضب یا انتقام میں ہاتھ پاؤ، ناک، کان وغیرہ بھی کاٹ لے، اسی آخری صورت کو مثلہ کہتے ہیں۔

” لیکن وہ تو کیت ہی ہے۔“

” حاضر کرو۔“

جب کیت کو بلایا گیا تو دونوں لڑکوں نے اپنے دامن سے اس کا دامن باندھ لیا۔ ہشام نے یہ منظر دیکھا تو اس کی آنکھیں پر نم ہو گئیں، لڑکوں نے کہا، ” یا امیر المومنین اس آدمی نے ابا جان کی قبر پر پناہ لی ہے، ان کا انتقال ہو چکا، ان کے ساتھ دنیا میں آپ کا جو کچھ حصہ تھا وہ بھی ختم ہو چکا، اسے آپ معاف کر دیجیے۔ ابا جان کے پناہ گزیں کو پناہ نہ دے کر ہمیں رسوا نہ کیجیے۔“ ہشام یہ سن کر رونے لگا، پھر وہ کیت کی طرف مخاطب ہوا، پوچھا، یہ شعر تیرا ہی ہے؟

وان لا تقولو غیوہا تنعروا
فوا صیہا قردی بنا وھی شرب
اس نے کہا، نہیں،

پھر اس نے حمد و نعت کے بعد کہا، میں اندھیرے میں ٹاپک ٹونیاں مار رہا تھا، گمراہی کے سمندر میں بچکولے کھا رہا تھا، غلط گوئی نے مجھ پر قابو پالیا تھا، غلط روی مجھ پر غالب آچکی تھی، میں جہالت میں ڈوبا ہوا تھا، حق سے روگردان تھا، جادو صبح سے منحرف تھا۔ جو کچھ کہتا تھا باطل کہتا تھا، بہتان طرازی کرتا تھا، اسی امیر المومنین میری توجہ قبول کیجیے، اور غلطیوں کے دھبے اپنے کرم سے دھو دیجیے، میری لغزشوں سے درگزر فرمائیے۔ پھر یہ اشعار پڑھے:-

” مصیبت زدہ کی مصیبت کے وقت تم میں ایسے لوگ ہیں جو مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تم تمام چھوٹے بڑے مجرمین کے گناہ معاف کرتے ہو، اسی بنی امیہ بے شک تم سلطنت کے اہل اور صاحبِ وسائل ہو۔ ہر مصیبت کے وقت مجھے تم پر اعتماد ہے، حالانکہ میرے اہل و عیال بہت دُور ہیں، تم نسلاً بعد

نسلِ مرکزِ خلافت ہو

پھر اس نے قصیدہ بند کیا اور خطابت کے جوہر دکھانے لگا۔ اس نے کہا:-
 ”امیر المومنین کی چشم پوشی، ان کی خونے درگزر، ان کا لطف و کرم، ان مجربوں
 اور خطا کاروں پر ان کی بخشش، جن کا کوئی وسیلہ نہیں، پناہ نہیں، ٹھکانا
 نہیں، گناہ گاروں کے ساتھ ان کا حسن سلوک، جاہلوں کے ساتھ رحم و
 مروت کا بتاؤ، ایک حقیقت ہے۔“
 امیر المومنین نے کیت سے پوچھا، ”بتاؤ، کس نے تمہیں تاریکی کی طرف
 پہنچایا؟ مگر ہی سے آشنا کیا؟“ جواب دیا، ”اس نے جس نے ہمارے
 باپ کو جنت سے نکالا“
 ”تو نے ہی کہا ہے:-“

”بنی امیہ سے کہو، جہاں وہ اتریں، اگرچہ تم ان کے دُڑوں اور
 تلواروں سے خوف زدہ ہی کیوں نہ ہو، کہو، خدا، ان لوگوں کو بھوکا
 رکھے، جنہیں بنی امیہ شکم سیر کریں اور ان لوگوں کو شکم سیر کرے جو
 بنی امیہ کے ظلم و جور کے سبب بھوکے ہوں۔ وہ ہاشمی، جس کی
 سیاست پندیدہ ہے، خدا کرے وہ اپنوں کے لیے زندہ رہے،“
 کیت نے کہا، ”یا امیر المومنین آپ مجھے معاف کر چکے ہیں پھر ان باتوں کا
 کیا ذکر؟ اب ان کا بدلہ تو نہیں لیا جاسکتا“
 ”یہ کیوں کر؟“

”اس لیے کہ میں ان کی تصحیح کر چکا ہوں، سنیے:-“

”ام ہشام نے اسے، روشن نسب حسب، اور تروتازہ چہرے کا
 وارث بنایا“

ہشام تکیہ لگائے بیٹھا تھا، اب سیدھا بیٹھ گیا، پھر سالم بن عبداللہ بن عمر سے مخاطب ہو کر کہا، ”شعر سے کہتے ہیں“ پھر کہا، ”کیت! میں تم سے راضی ہوں“ کیت اٹھا، اس نے امیر المومنین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اور کہا، ”امیر المومنین، اگر میرا اعزاز بڑھانا چاہتے ہیں تو خالد کی بلاوستی سے مجھے آزاد فرمائیں“

”ہاں ہاں، ایسا ہی ہوگا“ پھر امیر المومنین نے کیت کو چالیس ہزار درہم عطا کیے، اور تیس ہشامی خلعتیں اور خالد کو لکھ دیا کہ کیت کو نہ چھوڑے اور اس کی بی بی آزاد کر دی جائے اور اسے بیس ہزار درہم دیے جائیں اور تیس ہشامی خلعتیں بھی۔

خالد نے بے چون و چرا، اس حکم کی تعمیل کی!

(۴۸) حاتم پر طلاق!

حاتم کا ایک چچا زاد بھائی تھا، مالک۔ اس نے ایک روز حاتم کی بی بی سے کہا، ”تم حاتم کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟ خدا کی قسم جو کچھ بھی پاتا ہو، اُسے ضائع کر دیتا ہو، اگر آج وہ مر جائے تو اس کی اولاد قوم کی عیال بن جائے گی“

ماویہ نے کہا، ”تم سچ کہتے ہو، بات ایسی ہی ہے“..... جاہلیت کے زمانے میں رواج یہ تھا کہ عورتیں خود مردوں کو طلاق دیا کرتی تھیں۔ طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے نیچے کا رخ بدل دیتی تھیں، شوہر سمجھ جاتا تھا اسے طلاق مل گئی، مثلاً اگر نیچے کا رخ مشرق کی طرف ہو، اور عورت اسے مغرب کی طرف کر دے، تو وہی جان لیتا تھا اسے طلاق مل گئی، اب وہ نیچے میں نہیں گھستا تھا۔

حاتم کی بی بی ماویہ اپنے زمانے کی بڑی خوب صورت اور طرح دار عورتوں

میں شمار کی جاتی تھی، ایک روز اس سے مالک نے کہا، "تم حائم کو طلاق دے دو، میں اس سے بہتر شوہر ثابت ہوں گا، مال و دولت کی بھی میرے پاس کمی نہیں، میرے پاس جو کچھ ہر ذرہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے وقف رہے گا۔ مالک نے کچھ اس طرح ماویہ کو پرچایا کہ اس نے حائم کو طلاق دے ہی دی حائم جب اپنے نیچے کے پاس آیا تو نیچے کا دروازہ بدلا ہوا دیکھا، اپنے بیٹے عدی سے پوچھا، تمہاری ماں نے یہ کیا کیا؟" اس نے جواب دیا، "میں کچھ نہیں جانتا، مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ اس نے نیچے کا دروازہ بدل دیا ہے۔"

مہانوں کا ایک گروہ نیچے کے پاس آیا، جیسے ہمیشہ ٹھہرتا تھا آج بھی یہیں ٹھہر گیا، ان لوگوں کی تعداد کوئی پچاس کے قریب ہوگی۔ ماویہ کو فکر ہوئی کہ کیا کیا جائے؟ اس نے اپنی کینیزوں سے کہا، "مالک کے پاس تو جا، ان سے کہیو، حائم کے پچاس مہان ہمارے ہاں آن ٹھہرے ہیں، تم ایک اچھی سی اونٹنی جس پر خوب چربی چھائی ہوئی ہو، بھیج دو، تاکہ اسے ہم مہانوں کے لیے ذبح کر سں اور دودھ بھی بھیجو تاکہ انھیں پلائیں، اور ہاں دیکھیو، پہلے ذرا انھیں بھانپ لینا اگر وہ خوش روئی سے متوجہ ہوں تو تو بھی توجہ کیجیو، اور اگر وہ سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں، داڑھی میں خلل کرنے لگیں، تو کچھ نہ کھیو، اور چلی آئیو۔"

کینیز جب مالک کے پاس پہنچی، تو وہ سو رہا تھا اس نے اسے جگایا، اٹھے ہی وہ سر پر ہاتھ پھیرنے اور داڑھی میں خلل کرنے لگا۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی اس نے ماویہ کا پیام اس سے کہہ ہی دیا۔ اس نے پیام کہہ کر یہ بھی کہا، "آج کی رات وہ رات ہو جب لوگ آپ کی صحیح منزلت سے واقف ہوں گے۔"

مالک نے جواب دیا، ماویہ سے میرا سلام کہنا، اور کہنا، "اسی لیے تو میں نے حائم کو تم سے طلاق دلوائی، میرے پاس نہ کوئی ایسی اعلیٰ درجے کی

خوب چربی چڑھی ہوئی اونٹنی ہو جسے میں ذبح کروں، نہ اتنا دودھ ہو جو اتنے
سارے حاتم کے مہانوں کے لیے کافی ہو۔“
کنیز ماویہ کے پاس واپس پہنچی، اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا ایک ایک کر کے
بتا دیا۔

ماویہ نے اس سے کہا، ”اب تو حاتم کے پاس جا اور اُن سے کہہ، ہمارے
ہاں آپ کے پچاس مہان اُن ٹکے ہیں، وہ آپ کا موجودہ مکان جانتے نہیں، لہذا
آپ ایک موٹی تازی، چربی چڑھی ہوئی اونٹنی بھیج دیجیے، تاکہ ذبح کر کے ہم اس
کا گوشت کھلائیں، اور دودھ پلائیں، یہی وہ رات ہے، جب وہ لوگ آپ کی
منزلت کا صحیح احساس کریں گے۔“

کنیز حاتم کے پاس گئی، اس کے پکارتے ہی حاتم لبیک لبیک کہتا ہوا
آ موجود ہوا، کنیز نے کہا، ”ماویہ نے آپ کو سلام کہا ہے، اور کہا ہے آج کی رات
آپ کے مہان ہمارے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، اُن کے لیے ایک اچھی سی اونٹنی
بھیج دیجیے، تاکہ اس کا دودھ دُور کر انھیں پلائیں، پھر ذبح کر کے گوشت بھونیں
اور انھیں کھلائیں۔“

حاتم نے کہا، ”ہاں ہاں بسر و چشم“ یہ کہہ کر وہ اٹھا، اور دو تو اناؤ تندرست
اونٹنیوں کو کھول لایا، اور نیچے تک انھیں پہنچا بھی گیا۔
ماویہ نے یہ دیکھا تو جھنجھجھ کر کہنے لگی، ”یہی بات تھی جس کے لیے میں
نے تمہیں طلاق دی، تم اپنی اولاد کو اس حال میں چھوڑ جاؤ گے کہ اس کے لیے
کچھ بھی نہیں باقی رہے گا۔“
حاتم نے کہا۔

هل الدهر الا اليوم ادمس اولادك انك النمان بيننا تزد

یہ زمانہ کیا ہو؟ آج یا کل جو گزر چکا، یا کل جو آئے گا، زمانہ اسی طرح ہمارے درمیان
اولتا بدلتا رہتا ہے۔

میردعلینا لیسلمہ بعد یومہا فلا نغنی ما بقیتی ولا اللدھرینفد
اب ہم پر رات چھائی ہوئی ہے، پھر دن آجائے گا، نہ ہم باقی رہیں گے، نہ زمانہ
تاقم رہے گا۔

(۴۹) شاعر کی سخاوت!

ابن منذر بیان کرتے ہیں کہ خاندانِ براء کو تباہ و برباد کرنے کے بعد خلیفہ
ہارون الرشید ایک مرتبہ حج کرنے پہنچا، اس کے ساتھ فضل بن ربیع بھی تھا، فصل
بڑا مہمان نواز اور فضول خرچ آدمی تھا۔ میں نے ارادہ کیا، خلیفہ کو خوش کرنے
کے لیے کچھ کہوں۔ ترویہ کے دن میں اس کے حضور میں پہنچا، وہ خود بھی مجھے کئی
دفعہ پوچھ چکا تھا، قبل اس کے کہ میں لب کشائی کروں، فضل نے پیش قدمی کی
کہا، ”امیر المؤمنین یہ براء کا خاص شاعر ہے، ان کی مدح و توصیف میں اس نے
خوب خوب کہا ہے“ جب میں خلیفہ کے سامنے پہنچا تھا تو میں نے دیکھا تھا،
اس کے چہرے سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی، فضل کی باتیں سن کر اس کے چہرے
لہ محمد بن منذر فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے، علم لنت کا ماہر تھا، اوائل حیات میں بہت عبادت
گوار تھا، ہر وقت مسجد میں پڑا رہتا تھا، جب دیکھیے نقلیں پڑھ رہا ہو، پھر
زندگی کا رخ بدل گیا، اب لوگوں کی ہجو کرنے لگا، اہل بصرہ پر خوب خوب چوٹیں
کیں، آخر وہاں سے نکال دیا گیا، پھر حجاز پہنچا، ماموں کے عہد میں وفات
پائی۔

پرنشکی دوڑ گئی۔

فضل نے کہا، ”امیر المومنین اسے حکم دیجیے کہ اپنا وہ قصیدہ، جو

اتانا بنو لاملاک من آل برمک

سے شروع ہوتا ہو سنائے، خلیفہ نے حکم دیا کہ ”سناؤ“ میں نے انکار کیا۔ خلیفہ

نے برہمی کے ساتھ اصرار کیا۔ آخر میں نے سنانا شروع کیا۔

”ہمارے پاس آل برمک کے شہزادے آئے، یہ خبر کتنی اچھی ہو اور

یہ منظر کس قدر دل کش ہے“

”یہ لوگ جب بظاہر وارد ہوئے، تو یحییٰ، فضل بن یحییٰ اور جعفر

سے وہ جگمگا اٹھا“

”بغداد تاریک ہو گیا، ہماری تاریکی روشن ہو گئی۔ جب کہ ان

تین چاندوں نے حج کیا“

یہ استعارہ سنا کر میں نے دست بستہ عرض کیا، ”امیر المومنین آل برمک جب

آپ کے رفیق اور خدمت گزار تھے، تب میں نے ان کی مدح کی تھی، ان کی مدح

و توصیف میں، میں منفرد نہیں ہوں، یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے اپنے سایہِ عاطفت

میں مجھے پناہ دی، فکر دنیا سے مجھے بے نیاز کیا، مجھ پر احسانات کیے“

ہاروں نے غلام کو حکم دیا ”اس کے منہ پر چائے دگاؤ،“ میری خوب مرمت

کی گئی، پھر کہا، ”خدا کی قسم تجھے مزہ چکھاؤں گا، کسی کی کیا مجال ہے جو تجھے کچھ بھی دے

سکے“ پھر اس نے گھسٹوا کر مجھے نکلوا دیا۔

میں خلیفہ کے ہاں سے اس حال میں نکلا گیا کہ اس سے زیادہ بدترین حالت

کوئی ہو نہیں سکتی۔ میں اتنا زیادہ تہی دست تھا کہ عید کے موقع پر اہل و عیال کے

لیے کچھ بھی میرے پاس نہ تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آیا، اور

میرے قریب آ کر کھڑا ہوگا، کہنے لگا، ”آپ پر جو کچھ گزری، خدا کی قسم اس کا مجھے بے حد صدمہ ہو“ یہ کہہ کر اس نے میری طرف ایک تھیلی بڑھائی، اور کہا، ”جو کچھ اس میں ہے قبول فرمائیے“ میں نے خیال کیا کچھ درہم ہوں گے، کھول کے جو دیکھتا ہوں تو تین سو دینار۔ مجھے بہت اچنبھا ہوا، میں نے کہا، ”میں آپ پر قربان آپ ہیں کون؟“

”آپ کا بھائی ابو نواسؓ“

”خدا آپ کو اس احسان کا بدلہ دے“

(۵۰) بکری کا بچہ؟

یہی بن محمد بن ابی قتیلہ بیان کرتے ہیں کہ اشعب نے ایک بکری کے بچے کو اپنی بی بی اور دوسری عورتوں کا دودھ پلا پلا کر پالا، یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا۔ ایک روز اسے لے کر وہ اسمعیل بن جعفر بن محمد کے پاس آیا، اس نے کہا، ”یہ میرا بیٹا ہے، خدا کی قسم یہ میری بی بی کا دودھ پی پی کر بڑھا ہے، یہ امانت میں آپ کو سونپتا ہوں کہ میری نگاہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی اس کا اہل نہیں، اسمعیل نے خیال کیا، یہ ایک فتنہ ہے، اس کے حکم کے مطابق بکری کا یہ بچہ ذبح کیا گیا، اور اس کا گوشت بھونا گیا۔“

ابو نواس، مشہور شاعر (۱۳۵ - ۲۱۹۸) بصرے میں پیدا ہوا، وہیں نشوونما ہوئی، وسیع سلاطنت کا آدمی تھا، یہ مولدین کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا گیا ہے، اس کی شاعری ایک خاص معیار کی حامل تھی، ہر نوع شعر میں وہ ممتاز نظر آتا تھا۔ بغداد میں وفات پائی، اس کے اشعار ابو بکر صولی اور علی بن حمزہ نے جمع کیے۔

اشعب نے اسمعیل سے کہا۔

”بدلہ! اس کی قیمت!“

اسمعیل نے کہا، ”خدا کی قسم آج تو میرے پاس کچھ نہیں ہے تم ہم سے خوب واقف ہو، آج کا کچھ نہ دینا تمہارے حق کو سوخت نہیں کرے گا“

جب اشعب اسمعیل سے مایوس ہو گیا تو وہاں سے اٹھ کر وہ اس کے والد جعفر بن محمد کے پاس گیا، وہاں پہنچ کر گدھے کی طرح چیخنے لگا، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں سُکڑ گئیں، پھر کہنے لگا۔

”میں تنہائی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں“

”کہو! یہاں کون ہے جو تمہاری باتیں سُنے؟ جو تمہارا نگران ہو؟“

”تمہارا لڑکا اسمعیل میرے بیٹے کے پاس آیا، اسے ذبح کر دیا، اور میں دیکھتا رہا“

یہ سنتے ہی جعفر کانپ گیا، وہ چیخا۔

”کم بخت کیا بکتا ہے؟ کس کے بارے میں کہتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟“

”میں کیا چاہتا ہوں؟ مجھے اسمعیل سے کوئی پر خاش نہیں ہے، آپ کے علاوہ یہ بات کبھی کسی اور تک نہیں پہنچے گی“

جعفر نے اشعب کو اچھا بدلہ دیا، اسے اپنے مکان میں لایا، دو سو دینار

دیے، اور کہا، ”یہ لو، جب کبھی ضرورت ہو ہم خدمت کو حاضر ہیں“

جعفر اسمعیل کی طرف گئے، اسمعیل کو یہ پتہ نہ چلا کون آ رہا ہے؟ وہ پیروں

تک اپنی عبا کے دامن لٹکائے ہوئے اس کی مجلس میں پہنچ گئے، اس نے سر

اٹھا کے جو دیکھا تو داد بزرگ دار جعفر بن محمد سامنے کھڑے ہیں۔ وہ سر و قد تعظیم

کے لیے اٹھا، جعفر نے کہا:۔

” اسمعیل! تم نے اشعب کے بچے کو قتل کر دیا؟“
 اسمعیل کو ہنسی آگئی، اس نے بتایا وہ اس طرح بکری کا بچہ لے کر اس کے
 پاس آیا تھا، جعفر نے اسے بتایا کہ اشعب ان کے پاس آیا اور کیلے گیا؟
 جعفر کبھی کبھی اشعب سے کہا کرتے تھے، ”تو نے مجھے ڈرا دیا، خدا
 تجھے ڈرائے“

اشعب کہتا، ”آپ کے صاحب زادے نے میری بکری کے بچے کو
 مار کر جتنا مجھے برہم کیا تھا وہ خدا کی قسم اس برہمی سے زیادہ ہو جو دو سو دیناروں
 کے سبب آپ کو ہوئی!“

(۵۱) ایک عجیب و غریب قسم!

عبد اللہ بن عباس رضی بیان کرتے ہیں، مجھے موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا، ایک
 روز میں نے اپنی چچی سے کہا، ”مجھے گانا سیکھنے کا بڑا شوق ہے، میں سیکھنا چاہتا ہوں
 لیکن کہیں دادا جان کو خبر نہ ہو جائے، چچی مجھے بہت چاہتی تھیں، دادا بھی مجھ
 پر جان دیتے تھے، اس لیے کہ میں یتیم تھا، دادا افضل کی زندگی ہی میں میرے آبا
 جان کا چراغ زندگی گل ہو گیا تھا“

چچی نے کہا، ”بیٹا یہ شوق تمہیں کہاں سے ہوا؟ میں نے کہا، ہو گیا،
 آپ نے منع کیا تو میں دفور غم سے جان دے دوں گا، چچی نے کہا، ”میں منع
 نہیں کرتی، جی چاہتا ہو تو سیکھ لو، لیکن میری پوچھتے ہو تو مجھے یہ پسند نہیں کہ تم
 گویے بنو، اور باپ دادا کا نام ڈبودو“ میں نے کہا، ”اس کا اندیشہ نہ کیجیے“
 میں دادا کی ایک کینز سے گانا سیکھنے لگا، اس کی ہجو لیوں سے بھی میں

سیکھا کرتا تھا، ساتھ ہی ساتھ میں دادا جان کی خدمت میں بھی حاضر رہتا تھا، وہ میری سعادت سے بہت خوش تھے، حالانکہ ”مطلب سعدی دیگر است“ کا معاملہ تھا۔ یہ میری سعادت نہیں تھی، گانا سننے اور سیکھنے کا شوق تھا جو مجھے ان کی مجلس میں کشاں کشاں لے جاتا تھا۔ اب میرا یہ حال ہو گیا تھا کہ میں نے ابن اسحق ابن جاسع، زبیر بن دحمان، یا کسی اور مشہور صاحب فن کاراگ سنا اور اپنا لیا۔ دو ایک دفعہ مشق کی، اور اسے اپنی گره میں ڈال لیا، فی موسیقی میں، اب میں ”ایجاد بندہ“ سے بھی کام لینے لگا تھا۔

ایک دفعہ میں نے دوراگ ایجاد کیے، اور اس کینز کو سنانے، جس سے میں گانا سیکھا کرتا تھا۔ اس بے کہاد فن میں اس سے بڑھ کر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ حارث بن بخشیر اور ان کے فرزند ارجمند محمد کی کینز میں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں، دادا اور چچی کی کینزوں سے گانا سیکھا کرتی تھیں، میں بھی ان کا استاد بن جایا کرتا تھا، جو کچھ وہ گھر میں نہیں سیکھ پاتی تھیں، مجھ سے سیکھ لیتی تھیں۔ اپنے یہ دونوں نوا ایجاد راگ میں اپنی کینزوں کو سنا رہا تھا کہ یہ کینزیں آگئیں۔ انھوں نے مجھ سے فوراً یہ راگ سیکھ لیے، اور پوچھا یہ کس نے ایجاد کیے ہیں؟ میری کینزوں نے میری طرف اشارہ کر کے کہا، ”ان کے“

کینزوں نے ایک روز میرے یہ دونوں راگ ہاروں رشید کو سنانے سے بہت پسند آئے، اس نے اسحق سے پوچھا، ”تم ان راگوں کو جانتے ہو؟“ اس نے کہا، ”نہیں، لیکن یہ کسی بڑے کامل فن کی ایجاد معلوم ہوتے ہیں“ ہاروں نے کینز سے کہا، ”یہ راگ تم نے کیوں کر حاصل کیے؟“ کینز سہم گئی، خاموش ہو گئی، وہ یہ ڈر رہی تھی کہیں میری چچی کو معلوم ہو تو وہ خفا نہ ہو جائیں، اور یہ بات کہیں میرے دادا تک نہ پہنچ جائے۔ ہاروں رشید سے نہ

رہا گیا، اس نے ڈانٹ بتائی، باندی تو پھر باندی، عزیز نے سب کچھ اگل دیا۔
 خلیفہ نے میرے دادا کو بلایا۔ جب وہ آئے تو ان سے کہا، "فضل تمہارا
 کوئی لڑکا ہے؟ وہ اتنا بڑا ماہر فن موسیقی ہے کہ بہتر سے بہتر راگ ایجاد کر لیتا ہے۔ ایسے
 اچھے کہ اسخی جیسا کامل فن اور دوسرے ماہرین بھی سردھنتے ہیں۔ تم نے اب تک
 ہمیں خبر بھی نہیں دی، گویا تم نے اسے اتنا اذیتا سچا سمجھا کہ ہماری خدمت میں پیش
 بھی نہیں کیا؟ اسے؟" دادا جان نے جواب دیا، "امیر المومنین آپ کی نعمتوں
 اور شفقتوں کی قسم، میں آپ کی بیعتِ خلافت سے روگردان سمجھا جاؤں، میری
 بیویاں مطلقہ ہو جائیں، میرے غلام آزاد ہو جائیں، میں ہر قسم کی قسم کھا کر کہتا
 ہوں مجھے اس وقت سے پہلے اس کی خبر بھی نہیں تھی۔ میں یہ بھی نہیں جانتا میرا
 کون لڑکا ہے جس کا امیر المومنین ذکر فرما رہے ہیں، امیر المومنین نے فرمایا، "وہ ہے
 عبداللہ بن عباس، اسے ابھی میرے پاس لاؤ۔"

دادا جان گھر آئے، غصے کے مارے چہرہ تمہارا ہاتھا آتے ہی مجھے پکارا
 میں حاضر ہوا، مجھے سخت سُست کہنے لگے، فرمایا، "اے کتے! مجھے تیری ساری
 کتھا معلوم ہو گئی، تیری یہ جسارت کہ میری اجازت و علم کے بغیر تو نے گانا سیکھا؟
 اور پھر اسی پر اکتفا نہیں، صاحب زادہ راگ راگنیاں بھی ایجاد فرمائے لگے۔
 اس پر بھی قناعت نہ ہوئی، تو کینز میں بھی اس فن سے سرفراز کی جائے لگیں۔
 انھوں نے حارث بن بخشر کی کینزوں کو سکھایا، ان سے شدہ شدہ خبر امیر المومنین
 تک پہنچی۔ کم بخت تو نے اپنے آباؤ اجداد کو قبر میں رسوا کیا،
 ہماری عزت خاک میں ملا دی۔"

ان کی یہ باتیں سن کر مجھے رونا آ گیا، مجھے یقین تھا دادا جان جو کچھ کہ رہے
 ہیں سچ کہ رہے ہیں، میرے رولنے پر ان کا دل کچھ پیسا، انھوں نے کہا "تمہارے

باپ کے مرنے کے کا زخم ابھی ہرا تھا کہ یہ چرکہ تم نے لگایا، یہ ننگ مجھ پر اور میرے
خاندان پر میرے بعد بھی باقی رہے گا۔ یہ کہا، اور رونے لگے پھر گویا ہوئے، دیکھو!
اب کوئی ایسی بات نہ کرنا جو مجھے ناپسند ہو، رہا یہ معاملہ تو جو ہو چکا سو ہو چکا پھر
کہا، جاؤ عود لے کر آؤ، میں بھی تو سنوں اور دیکھوں کیسا گاتے ہو؟ اگر تم خلیفہ کی
خدمت کے لائق ہوئے تو خیر یہ ذلت بھی برداشت کر لوں گا، ورنہ خلیفہ سے
معذرت کر لوں گا۔

میں عود اٹھا کر لایا، اور پڑانے ڈھرتے پر انھیں کچھ سنا یا، انھوں نے کہا،
”یہ نہیں وہ راگ سناؤ، جو تم نے ایجاد کیے ہیں“ میں نے وہ بھی سنائے، دادا
جان نے انھیں پسند کیا، پھر با چشم پر نم کہا، ”بیٹا تم نے میری سناؤں کو ملیا
میٹ کر دیا، افسوس تجھ پر اور تیرے بد قسمت باپ پر!“ میں نے کہا، جو ہونا
تھا ہو چکا، لیکن میں اپنی اور آپ کی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں بلکہ ہر وہ قسم
کھاتا ہوں جو کھائی جاسکتی ہے کہ میں خلیفہ اور ولی عہد کے سوا کسی اور کو کبھی
اپنا گانا نہیں سناؤں گا“ دادا نے کہا، ”خیر یہ بھی غنیمت ہے!“

ہم دونوں خلیفہ کے حضور میں پہنچے۔ میری حالت یہ تھی کہ میں رعب و
دہشت سے کانپ رہا تھا، خلیفہ نے قریب آنے کا اشارہ کیا، یہاں تک کہ
حاضر بن دربار میں سب سے زیادہ قریب میں ہو گیا، خلیفہ نے میری دل دہی
کی، اور دادا کو رخصت کر دیا۔ پھر اس نے گویوں کو گالنے کا حکم دیا، جب سب
گالچکے تو میں نے عود اٹھایا۔ اسٹی موصلی نے آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے کہہ دیا
جیسے ہی تمہاری باری آئے فرمائش کا انتظار نہ کرنا شروع کر دینا، جب میری باری
آئی تو میں اٹھا اور گالنے کی اجازت طلب کی، رشید ہنسا اور کہا، ”بیٹھے بیٹھے گاؤ“
میں بیٹھ گیا۔ میں نے تین مرتبہ اسے دھرایا، پھر دوسرا راک چھیڑا، خلیفہ نے خود

اور مدہوش ہو رہا تھا، اس نے سردر کو بلایا، اور کہا، ”عبداللہ کو اسی وقت دس ہزار دینار اور تیس پارچے کی خلعت عطا کرو“

میں نے خلیفہ اور ولی عہد کے علاوہ کسی اور کے سامنے نہ گالے کی جو قسم کھائی تھی، اس کا خلیفہ کو علم تھا، وہ اس کا پاس بھی کرتا تھا، چنانچہ جب کوئی شاہ زادہ یہ معلوم کرنا چاہتا کہ خلیفہ نے اپنا ولی عہد کسے بنایا ہے تو وہ مجھ سے گانا سننے کی فرمائش کرتا، اگر خلیفہ مجھے اجازت دے دیتا تو اس کی ولی عہدی طر شدہ سمجھی جاتی ورنہ نہیں

یہاں تک کہ واقعہ کا زمانہ آیا، اس نے مجھے عہد معتم باللہ میں بلایا خلیفہ سے میرا گانا سننے کی اجازت طلب کی، اجازت مل گئی، دوسرے روز مجھے خلیفہ نے بلایا اور کہا، ”تھارا گانا میرے افتخار راز کا سبب ہوتا ہے، سابق خلفا کے افتخار راز کے تمھی موجب بنتے رہے ہو، میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمھاری گردن اڑادوں، ورنہ اب مجھے یہ اطلاع نہ ملے کہ تم نے کسی کے سامنے گالے سے انکار کیا ہے خدا کی قسم اب انہیں نے یہ سنا تو ضرور تمھیں قتل کرادوں گا تم ابھی ان تمام غلاموں کو آزاد کر دو، جو قسم کھانے والے دن تمھارے پاس تھے، اور ان بیبیوں کو بھی طلاق دے دو، ان کے بجائے دوسری شادی کر لو، اس سلسلے میں تمھارا جو نقصان ہوگا، میں اس کی تلافی کر دوں گا، اپنی اس منحوس قسم سے مجھے نجات دو“

میں خلیفہ کے سامنے سے اٹھا، میرے ہوش و حواس پران ہو چکے تھے، جس روز میں نے قسم کھائی تھی، اس روز کے جتنے غلام میرے پاس باقی تھے سب کو میں نے آزاد کر دیا، پھر میں نے قاضی ابو یوسف سے فتویٰ لیا، اور اپنی قسم کی قید سے آزاد ہو گیا۔

اب میں علی الاعلان گانے لگا۔ یہاں تک کہ میں خوب مشہور ہو گیا ہتھم کو بھی اس کی خبر پہنچی، لیکن واثق باللہ بہت برہم ہوا، پھر وہ زمانہ آیا کہ واثق خلیفہ ہو گیا، وہ بدستور مجھ سے کشیدہ تھا میں نے اسے معذرت نامہ لکھا، جسے اس نے منظور کر لیا، اور راضی ہو گیا۔

(۵۲) ایک منچلا پہلوان!

خالد، کنیف بن عبداللہ سے مازنی کا قول روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں ہلال کے ساتھ ساتھ تھا، ہم دونوں اپنے لیے ایک اونٹ کی جستجو میں تھے، اسی تلاش میں ہم لوگ قبیلہ بکر بن وائل کے پاس پہنچے، یہاں پہنچ کر ہم تھک کے چوڑ ہو گئے، پیاس بھی لگی ہوئی تھی، اتنے میں ہم لوگ چند نوجوانان عرب کے قریب پہنچے، جو تالاب پر بیٹھے ہوئے تھے، جہاں ان کے اونٹ پانی پیا کرتے تھے، انھوں نے جب ہلال کو دیکھا تو اس کے قدم قامت کو دیکھ کر وہ پکرا سے گئے۔ ان نوجوانوں میں سے دو آدمی ہلال کے پاس آئے، ان میں سے ایک نے کہا، ”عبداللہ! کشتی لڑو گے؟“ ہلال نے کہا، ”میں تو اس وقت جس چیز کا محتاج ہو رہا ہوں وہ کشتی کے سوا کچھ اور ہے“ نوجوانوں نے پوچھا، ”وہ کیا؟“ ہلال نے جواب دیا ”دودھ اور پانی، میں تھک کے چوڑ ہو گیا ہوں اور پیاسا بھی بہت ہوں“ نوجوانوں نے کہا، ”تم ان میں سے کسی چیز سے لذت یاب نہیں ہو سکتے جب تک ہم سے ہمدرد نہ کرو کہ دودھ اور پانی سے سیر ہونے کے بعد کشتی لڑو گے“

ہلال نے کہا ”میں تمہارا مہمان ہوں، اور مہمان کو یہ زیبا نہیں کہ وہ

اپنے میزبان سے نبرد آزما ہو، لیکن تم شاید اس سے مطمئن ہو جاؤ کہ جو کچھ میں کہ رہا ہوں وہ کرو، ایک خوب مضبوط اور توانا اؤنٹ لاؤ، جو بہت ہیبت ناک ہو، اور ایک کھے جبرے والا طاقت ور آدمی لاؤ، میں اؤنٹ کی کھوپری اور آدمی کا ہاتھ اگر اپنی ٹٹھی میں نہ لے لوں بلکہ آدمی کا ہاتھ اؤنٹ کے منہ میں نہ ڈال دوں، اور دونوں کو بے بس نہ کر دوں، جب کی بات ہو۔ اگر میں ایسا نہ کر سکوں تو گویا تم نے مجھے بچھاڑ دیا، اور اگر ایسا میں کر گزروں تو تم خود سمجھ لو گے کہ تم میں سے کسی ایک کا پچھاڑ دینا بہت آسان ہے۔ بہ نسبت اس کام کے جس کا میں بیڑہ اٹھا رہا ہوں۔“

وہ لوگ ہلال کی ان باتوں سے بہت متعجب ہوئے، پھر انھوں نے اپنے ایک اؤنٹ کی طرف اشارہ کیا جو بہت مضبوط اور برجھایا ہوا تھا۔ ہلال اؤنٹ کے پاس آیا۔ اس کے ساتھ یہ جماعت تھی اور شیخ قبیلہ تھا۔ ہلال نے اؤنٹ کی کھوپری کا وہ حصہ جو اس کے بالائی ہونٹ کے پاس تھا زور سے پکڑ کر دبا یا، اؤنٹ اس زور کی تاب نہ لاسکا اور ہلال نے دگا یہاں تک کہ بے چارہ عاجز ہو گیا، اور پھر ہلال نے لگا۔ ہلال نے کہا، ”اب جس کا جی چاہے میری طرف ہاتھ بڑھائے، میں اسے اس اؤنٹ کے منہ میں داخل کر دوں گا۔“

یہ منظر دیکھ کر شیخ قبیلہ نے کہا، ”اس شیطان سے دور رہو، خدا کی قسم میں نے آج کے سوا کبھی نہیں سنا کہ یہ اؤنٹ کسی کے زور سے بلبلا اٹھا ہو، اس شیطان (ہلال) سے بالکل تعرض نہ کرو۔“

وہ لوگ ہلال کے پیچھے پیچھے چلے، بار بار اس کے نقش قدم دیکھتے تھے، اور اس کے ڈیل ڈول پر تعجب ہوتے تھے، یہاں تک کہ وہ آگے بٹکل گیا۔

(۵۳) غریب نواز

عروہ بن درود کی قوم کے لوگ اس اصول پر عامل تھے کہ جب کبھی قحط پڑتا، وہ اپنے گھروں میں بیماریوں، بوڑھوں، اور آپا بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر خود چلتے بنتے ایسے نازک موقع پر عروہ ان لوگوں کو اور اس طرح کے دوسرے آدمیوں کو جمع کرتا، ان کے لیے خندق اور سرنگیں کھودتا، پھر ان کے لیے باڑے بناتا، کہ وہ سردی اور ہوا سے محفوظ رہیں، پھر ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا، بعد میں جب ان میں کا کوئی بیمار اچھا ہو جاتا، یا کمزور توانا ہو جاتا تو اسے لے کر وہ نکل جاتا، کہیں ڈاکر ڈالتا، جو کچھ لوٹتا اس میں باقی ماندہ لوگوں کا بھی حصہ رکھتا۔

جب لوگ خوش حال ہوتے، اور قحط سالی ختم ہو جاتی تو بچھڑے ہوئے پھر مل جاتے، اور آپس میں مالِ غنیمت کا بٹوارہ کر لیتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی واپس ہوتا، تو وہ پہلے کے مقابلے میں مال دار ہو جاتا، عروہ کو ”غریب نواز“ اسی بنا پر کہا جاتا تھا۔

بعض سال ایسے گزرتے جن میں عروہ تنگ حال ہو جاتا، ایسے ہی

ملہ عروہ الصعالیک عہدِ جاہلیت کے مشہور شعرا میں گزرا ہے، اس کا شمار اپنے وقت کے بہادروں میں ہوتا تھا، بڑا ہی دار آدمی تھا، غریب نواز لے اس لیے کہنے لگے کہ یہ غریبوں اور آپا بچوں کو اکٹھا کرتا، اور ادھر ادھر سے لوٹ مار کے جو کچھ جمع کرتا وہ انہی لوگوں پر خرچ کر دیتا۔

اس کا دیوان، ۱۶۶۱ء میں نولدکی نے شایع کیا تھا۔

موقع پر اس نے کہا:-

” شاید میرا شہر شہر گھومنا، حصول مقصد کے لیے نکلنا، سامان سفر تیار کرنا۔“

کسی ایسے آدمی کے پاس پہنچا دے، جو بہت سے اڈنٹوں کا مالک ہو، اور جو اپنے ان اڈنٹوں سے اپنی تند مزاجی اور بخل کے سبب لوگوں کو فائدہ نہ پہنچاتا ہو“

لوگوں کا خیال تھا اللہ نے اس کے لیے دو سیاہ اڈنٹیوں کو مقدر کر دیا ہے۔ ایک مرتبہ جاڑے کے شدید موسم میں وہ اپنے قبیلے کے فقیروں اور آپا بچوں کے ساتھ تھا۔ ایک اڈنٹی تو اس نے ذبح کر کے ان لوگوں کو کھلا دی، دوسری پر ان کا سامان رکھا اور بعض معذوروں کو بٹھا دیا، وہ ان لوگوں کے ساتھ پھرتا پھرتا ایک جگہ پہنچا جس کا نام ”مادان“ تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پھر کشائش کا سامان کر دیا، یہاں اسے ایک ایسا آدمی ملا جو تنو اڈنٹوں کا مالک تھا، جو اپنی ثروت سے قوم کو فائدہ نہ پہنچاتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس آدمی کے سبب عروہ نے اپنے لوگوں کو مرفہ حال بنا دیا، اس طرح کہ عروہ نے اس آدمی کو قتل کر دیا، اس کے اڈنٹ لے لیے، اس کی بی بی بھی اس کے ہاتھ آئی، جو بے حد خوب صورت تھی، عروہ اڈنٹ لے کر اپنے مفلوک الحال دوستوں کے پاس پہنچا، اس نے بعض اڈنٹیوں کا دودھ دودھ کر انھیں پلایا پھر انھیں اڈنٹوں پر بٹھا کر روانہ ہوا، یہاں تک کہ یہ لوگ اپنے گھر کے پاس پہنچ گئے۔ اب عروہ نے چاہا کہ ان اڈنٹوں کو تقسیم کرے اور خود بھی دوسروں کی طرح ایک حصہ لے لے۔ ساتھیوں نے کہا، ”لات وعزہ کی قسم، ہم کبھی لہ لات دعویٰ، یہ دو بت تھے، جن کی زمانہ جاہلیت میں عرب پوجا کیا کرتے تھے۔“

راضی نہ ہوں گے، جب تک اس عورت کو بھی اس شخص کا حصہ نہ بنا دو، جو اسے لینا چاہے۔

عروہ نے خیال کیا ان پر حملہ کرے اور انھیں یہیں کا یہیں قتل کر دے، اور اڈنٹوں پر قبضہ کر لے، پھر اسے یاد آیا، یہ لوگ اسی کے بنائے ہوئے ہیں، اگر اس نے انھیں قتل کر دیا تو جو کچھ اس نے بنایا ہے، وہ گویا خود اپنے ہاتھوں سے بگاڑ دیا۔ ہڈی دیر تک وہ یہی سوچتا رہا، پھر اس نے انھیں جواب دیا کہ وہ اپنے حصے کے اڈنٹ بھی دے دیتا ہے، صرف وہ اڈنٹ لے لے گا جس پر وہ عورت سوار ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ جائے، لیکن ساتھیوں نے اس بات کے ماننے سے انکار کیا، یہاں تک کہ ایک آدمی اٹھا اور اس نے اپنے حصے میں سے ایک اڈنٹ عروہ کو دے دیا۔

اسی موقع پر عروہ نے ایک قصیدہ کہا، جس کی ابتدائیوں ہوتی ہے۔
”میں نے باڑے والے لوگوں کو ان لوگوں کی طرح پایا، جو آسودہ
حال اور متمول ہوتے ہیں۔“

مقامِ مادان میں رجب ہم چل پھر رہے تھے اور روٹھ
رہے تھے، ان کی محبت مجھے سوچنی گئی ہے۔

میری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے ماں اپنے بچے کے لیے
ملوں و غلبن رہتی ہے۔ ہزار جان سے قربان ہوتی ہے، اور
ہر طرح کے مصائب جھیلیتی ہے۔

وہ رات اس طرح گزارتی ہے کہ اپنی دہنوں کہنیوں کو
گود کی طرح بنا لیتی ہے، اور برابر اس کے لیے گڑھتی اور شکستہ
حال رہتی ہے۔

وہ دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرتی ہے، حالانکہ دونوں ناپسندیدہ ہیں، ایک تو روٹا پیٹنا، دوسرے صبر و ضبط۔ اس نے صبر و ضبط کو اختیار کیا ہے!“

(۵۴) ایک ہذیلی کی ذہانت !

حزبن قطن روایت کرتے ہیں کہ ثمامہ بن ولید خلیفہ منصور کے حضور میں پہنچا، منصور نے اس سے پوچھا۔

”کیوں ثمامہ، تمہیں اپنے ابن عم عروہ کی بھی ایک بات یاد ہے؟“

”امیر المومنین کون سی بات؟ ان کی کوئی ایک بات ہے جو یاد رکھی جائے؟“

”ہذیلی کا واقعہ“

”مجھے تو یاد نہیں، امیر المومنین ہی ارشاد فرمائیں“

منصور نے کہا۔

ایک دفعہ عروہ باہر نکلا، جب منازل ہذیل کے قریب پہنچا، بھوک سے بے تاب ہو رہا تھا، ایک خرگوش نظر پڑا، ایک ایسا تیر لگا یا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ آگ جلائی، بھونا، اور مزے لے لے کر کھایا، پھر تین ہاتھ فاصلے پر زمین کھودی، آگ دبائی اور چل دیا۔ اب رات ہو چلی تھی، ستارے چمکنے لگے تھے، وہ ایک بڑے تن اور درخت کے پاس پہنچا، اس کے اوپر چڑھ گیا اور ڈالیوں میں چھپ گیا، لہ عروہ الصعالیک، عہد جاہلیت کے مشہور شعرا میں گزرا ہے، بڑا بہادر، جی دار اور دلیر تھا، اس کا دیوان ۳۷۳ھ میں تولد کی نے شائع کیا تھا۔

اتنے میں کچھ سوار ادھر سے گزرے، ان میں سے ایک آگے آگے گھوڑے پر سوار
 جا رہا تھا۔ اس نے بس جگہ آگ دہی ہوئی تھی، اپنا نیزہ گاڑا اور کہا: "میں یہاں
 آگ دیکھ رہا ہوں" یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اُترا، ایک ہاتھ کے لگ بھگ زمین
 کھودی، مگر آگ کہیں نہ دکھائی دی، ساتھیوں نے اسے ملامت کی، کہا: "تم
 نے محنت میں ہمیں تکلیف دی، پریشان کیا اور جھوٹ بولے" اس نے کہا:
 "میں نے غلط نہیں کہا، میں اب بھی اپنے نیزے کی جگہ آگ دیکھ رہا ہوں"
 ساتھیوں نے کہا: "نہیں آگ ہونے لگی اور تمہیں اپنی عقل و رائے پر گھمنڈ
 ہو گیا ہے، اسی لیے بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہو، تم پر نہیں، اپنے اوپر
 تعجب ہے، کہ خواہ مخواہ تمہاری باتیں مان لیتے ہیں" ان لوگوں نے اسے اتنا تلیا
 کہ تنگ آکر اس نے کہہ دیا، "اچھا بھائی، پیچھا چھوڑو، میں جھوٹا ہی!"
 یہ لوگ واپس گئے اور اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ عروہ ان کے پیچھے پیچھے
 چلتا رہا، یہاں پہنچ کر ایک خرابہ میں پھنس کر بیٹھ گیا، وہ آدمی جس پر لعن طعن
 ہوئی تھی اپنی بی بی کے پاس آیا، عروہ چھپا ہوا، ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا، عورت
 نے کہا، "خدا کی تم پر لعنت، ساری رات اپنے ساتھیوں کو پریشان رکھا، اس
 نے کہا: "میں اب بھی کہتا ہوں وہاں میں نے آگ دیکھی تھی" پھر اپنے غلام
 سے دودھ مانگا، جب وہ چلا گیا تو کہا، "رب کعبہ کی قسم یہاں کسی اجنبی آدمی
 کی بواڑ ہے" عورت نے کہا، "آگ کے بعد یہ دوسری ہوئی، کس آدمی کی
 بوسو نگھ رہے ہو؟" یہ کہہ کر وہ چیخی، فوراً قبیلے کے آدمی جمع ہو گئے، "کیا ہے؟
 کیا بات ہے؟" یہ مجھ پر تہمت لگا رہے ہیں، میرے چال چلن پر شبہ کر رہے
 ہیں۔ لوگوں نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا، تنگ آکر اس نے اپنے
 الفاظ واپس لے لیے۔

ملا ہر — ہذیل سے — یہ ذہانت تم میرے ننھیال کے لوگوں
میں نہیں پاؤ گے۔ یہ تو قبیلہ خزاعہ سے ہیں جو عورت تم نے میرے
پاس دیکھی تھی وہ انہیں لوگوں میں سے ہے، میں چوں کہ وہیں اترا ہوا تھا
اس لیے بات بات میں وہ لوگ مجھے دبا لیتے تھے۔“

عروہ نے کہا، ”بہت بہتر، یہ لیجیے اپنا گھوڑا، اور صحیح سلامت تشریف لے جائیے۔“
”گھوڑا اپنے پاس رکھیے، میرے پاس اس نسل کے بہت سے گھوڑے
ہیں خدا آپ کو یہ گھوڑا مبارک کرے۔“

(۵۵) اسحق موصلی کا مالِ غنیمت!

اسحق موصلی روایت کرتے ہیں کہ دارا بخلاف کی دربار داری سے تنگ آکر
میں نے ارادہ کیا کہ کہیں باہر سیر کو جاؤں، میں نے اپنے غلاموں سے کہہ دیا
اگر خلیفہ کا قاصد آئے یا کوئی اور مجھے پوچھے تو کہہ دینا میں صبح ہی صبح کسی ضروری
کام سے کہیں باہر چلا گیا ہوں۔ اور یہ کہ تمہیں بھی نہیں معلوم میں کہاں گیا
ہوں؟

میں صحرا کی طرف نکل گیا، خوب ادھر ادھر گھوما، پھر واپس ہوا، دوپہر
ہو چکی تھی، ایک چوراہے کے نکرہ پر سایے میں ٹھہر گیا کہ ذرا ستاروں، اتنے
میں میں نے دیکھا کوئی نوکر ایک گدھے کی لگام ہاتھ میں لیے چلا جا رہا ہے، گدھے
پر ایک تشکیل اور خوب روکنیز بیٹھی ہے، چہرے پر ایک خوب صورت رومال،
جسم پر لباسِ فاخرہ، حسن و جمال کی چلتی پھرتی صورت، میں نے گمان کیا، ہو
نہ ہو یہ کوئی سفینہ ہے، وہ سامنے والے گھر میں داخل ہو گئی، ذرا دیر گزری تھی

کہ دونوں صورت جوان دروازے پر آ کے رُکے، اذن طلب کیا۔ فوراً اندر بلا لیے گئے، میں بھی دونوں کے ساتھ ساتھ اندر پہنچ گیا۔ وہ دونوں یہ سمجھے کہ صاحب خانہ نے مجھے بلایا ہے، اور صاحب خانے نے خیال کیا کہ ان دونوں کے ساتھ میں آیا ہوں۔ ہم لوگ تپاک سے بٹھائے گئے، کھانا آیا، خوب کھایا۔ شراب آئی، خم کے خم لٹھا دیا۔ اتنے میں وہی کینز نمودار ہوئی ہاتھ میں عود لیے ہوئے وہ گاتی رہی، ہم پیتے رہے، صاحب خانہ نے ان دونوں سے میرے بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا، ”ہم تو نہیں جانتے یہ کون بزرگ ہیں؟“ پھر ایک بولا، ”یہ طفیلی ہے، لیکن آدمی خوش مذاق معلوم ہوتا ہے، کیا ہرج ہے، اس سے بھی لطف اٹھاؤ، اب میں مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ کینز اب میری لڑیں گانے لگی اور سچ یہ ہے کہ خوب گائی، پھر اس نے دوسرے راگ چھڑے، میرے ایجاد کیے ہوئے راگ اس نے زیادہ گائے، نئی اور پرانی ہر طرح کی راگنیوں میں اس نے اپنا کمال دکھایا، اسی اثنا میں پھر میرا راگ گانے لگی، اب ذرا بہکی، میں نے ارادہ کیا تصحیح کر دوں، ایک آدمی نے کہا، تمہارا ایسا طفیلی کوئی نہیں دیکھا، منڈکیوں پھلائے بیٹھے ہو؟“ میں نے سر ہلا کر خاموشی اختیار کر لی، کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر وہ لوگ نماز کے لیے اٹھے، میں نے اُٹھتے اُٹھتے عود اٹھایا، اس کے تار کس دیے، اور نماز پڑھنے چلا گیا، نماز کے بعد جب ہم لوگ پھر بیٹھے تو اس آدمی نے مجھ پر فقرے کئے شروع کیے۔ میں چپ چاپ بیٹھا ہا کینز نے عود اٹھایا، تاروں پر انگلیاں چلائیں، اپنی ترتیب سے بدلا ہوا پایا پوچھا ”کس نے میرا عود چھوا تھا؟“ کسی نے نہیں، انھوں نے کہا، ”نہیں، خدا کی قسم کسی کامل استاد نے اس میں ہاتھ لگایا ہے، اور اسے بہت اچھے طور پر

تھیک کیا ہے، کنیز بولی، "یہ حرکت مجھ سے سرزد ہوئی ہے" میں نے کہا۔ کہنے لگی، آپ کو خدا کی قسم یہ عمو لیجیے اور فوراً بجائیے" میں نے لے لیا، اور اپنے ڈھنگ پر طرح طرح سے بجائے لگا، جو لوگ مجلس میں موجود تھے، کھسک کھسک کر سب میرے سامنے آکر بیٹھ گئے، کہنے لگے، "کیوں استاد، کچھ سناؤ نا؟"

"سنا تا ہوں، لیکن جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں ہوں اسحق موسیٰ، لیکن نہ میں ایک بول گاؤں گا، نہ تمہارے ساتھ بیٹھوں گا، جب تک اس یا وہ گویاں سے نہ نکال دو، جس نے میری ہتک کی"

اس کا ساتھی اس سے کہنے لگا "کم بخت میں یہی ڈر رہا تھا، اب بول؟" پھر مجھ سے بڑی لجاجت سے معذرت خواہ ہوا، میں نے کہا، "تا بابا اگر یہ ہے تو میں چلا" آخر وہ شخص دست بدست دگرے باہر پہنچایا گیا، پھر میں نے اپنے وہ راگ شروع کیے جو ابھی کنیز کا چلی تھی۔

"ایک التجا مانے گا؟"

"وہ کیا؟"

"میرے پاس صرف ایک مہینہ ٹھہر جائیے، یہ کنیز، یہ گدھا، یہ زیور، یہ ساز و سلان سب آپ کا"

میں راضی ہو گیا، پورے تیس دن وہاں ٹھہرا، کوئی بھی نہیں جانتا تھا میں کہاں ہوں؟ ماموں رشید روز مجھے طلب کرتا تھا، جب پوچھتا یہی معلوم ہوتا میں بے نشان ہوں۔

ایک چھینے کے بعد کنیز اور ساز و سلان میرے حوالے کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ لے کر میں اپنے گھر پہنچا، پھر وقت منقرہ پر دربار گیا، ماموں نے مجھے دیکھا تو کہا، "کم بخت، اب تک کہاں تھا؟" میں نے سارا واقعہ کہہ سنا یا۔

خلیفہ نے اسی وقت اس آدمی کو بلوایا، اس سے کہا: "تم اچھے خصائل کے آدمی ہو، لیکن خبردار میرے ساتھیوں کو اپنے پاس نہ رکھا کرو" یہ کہہ کر اسے ایک لاکھ درہم عطا کیے۔ پھر کینز کو بلایا، اس کا گانا سنا اور حکم دیا کہ پس پردہ بیٹھ کر درباری کینزوں کو گانا سکھا دیا کرے۔ پچاس ہزار درہم اسے بھی مرحمت کیے۔

(۵۶) خلیفہ ولید اور ایک مغنی!

دحمان اذنیوں کا کاروبار کیا کرتا تھا، بڑا صاحب مروت و خلق آدمی تھا، مغنی بھی بڑے پایے کا تھا، ایک روز کاروباری سلسلے میں کہیں جا رہا تھا، کہ راستے میں ایک غمگین آواز اس نے سنی، کھڑا ہو گیا، پھر آواز پر چل پڑا، دیکھا ایک کینز رو رہی ہے، پوچھا:-

"تو باندی ہے؟"

"ہاں"

"تیرا مالک کون ہے؟"

"ایک قریشی عورت"

"وہ تجھے فروخت کرے گی؟"

"ہاں بیچے گی"

میں اس کی مالک کے ہاں گیا، لونڈی نے مالک سے کہا: "یہ آدمی مجھے خریدے گا" اس نے مجھے اندر بلایا، دو سو دینار پر سودا ہوا، میں نے رُپوہیں گن میے اور لونڈی کو اپنے ساتھ لے کر پہلا آیا۔

دحمان کا بیان ہے، کینز ایک عرصے تک میرے پاس رہی اور فن موسیقی

میں کمال حاصل کرتی رہی۔ جب فن میں کامل ہو گئی تو میں اسے لے کر شام کی طرف روانہ ہوا، جب کوئی منزل آتی ہم بیٹھ جاتے، کھانا کھاتے، نمینڈ پیتے، گالتے اور چل کھڑے ہوتے۔ یہاں تک کہ ہم شام کے پاس پہنچ گئے۔ ایک منزل پر میں اسے اپنا راگ سکھا رہا تھا، جب وہ یکٹھ گئی تو میں نے سنا اور داد دی۔

اسی آٹنا میں ایک سوار ہمارے سامنے آیا، اس نے ہمیں سلام کیا، اور کہا "کیا آپ اجازت دیں گے کہ اس وقت میں آپ کے زیر سایہ کچھ دیر بیٹھوں؟" میں نے کہا، "ہاں ہاں شوق سے آئیے" وہ گھوڑے سے اتر پڑا، میں نے کھانا پیش کیا، نمینڈ پلائی، وہ میرا گانا بار بار دہراتا رہا، پھر اس نے کینز سے کہا، "کیا دھمان کی کوئی اور چیز سناؤ گی؟" "کیوں نہیں؟" یہ کہہ کے اس نے میرے کمی راگ اسے سنا ڈالے، سوار یہ نہیں جانتا تھا میں دھمان ہوں، میرے راگ سن کر وہ بہت خوش ہوا، وہ خم کے خم لٹھھاتا جاتا تھا اور کینز گاتی جاتی تھی، یہاں تک کہ کوچ کا وقت آ گیا، اس نے مجھ سے کہا، "کیا اس کینز کو فروخت کر دے گے؟"

"ہاں ضرور"

"کتنے میں؟"

"دس ہزار دینار میں"

"منظور میں نے لے لیا، قلم دوات کا غداؤ"

یہ چیزیں مہنگی گئیں، اس نے ایک چٹھی لکھی، "حاصل رقم کو فوراً دس ہزار دینار دے دو، اس سے اچھی طرح پیش آؤ" خط پر مہر لگائی اور میری طرف بڑھا دیا، پھر کہا، "کینز ابھی میرے حوالے کر دے گے یا جب رقم وصول ہو جائے گی تب؟" میں نے کہا، "ابھی لے جائیے" اس نے کینز کو اپنے ساتھ لیا، اور کہا، "جب تم نخر پہنچو تو فلاں شخص کو دریافت کرنا، اسے یہ خط دینا،

اور پڑ لے لینا، یہ کہہ کر وہ کینز کو اپنے ساتھ لے آگے بڑھ گیا۔
جب میں نجرہ پہنچا تو میں نے مکتوب الیہ کی جستجو کی، فوراً پتا چل گیا۔
میں نے اسے خط دیا، اس نے خط کو بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا، فوراً دس ہزار
دینار منگائے اور مجھے دسے دیے، پھر کہا، ”یہ امیر المومنین کا رقعہ ہے، پھر کہا،
” تشریف رکھیے تاکہ میں امیر المومنین کو آپ کی اطلاع دے دوں، لیکن میں
مائل گیا۔“

کینز خلیفہ ولید کے پاس ایک ہمینہ رہی، اس سے خلیفہ نے میرے بارے
میں کچھ نہیں پوچھا، جب وہ اس قابل ہو گئی کہ اسے خلیفہ کے سامنے پیش کیا جائے
تو خلیفہ نے اس سے کہا، ”دحمان کا کوئی گانا سناؤ“ اس نے مسایا۔ پھر کہا، ”اور
وہ اور سنانے لگی۔ پھر خلیفہ سے گویا ہوئی، ”یا امیر المومنین کیا آپ نے دحمان
کا گانا خود اس کے منہ سے نہیں سنا؟“

”نہیں“

”خدا کی قسم آپ سُن چکے ہیں“

”میں کہتا ہوں نہیں اور تم قسم کھا کر مجھے جھٹلا رہی ہو؟“

”واللہ آپ نے اس کے منہ سے اس کا گانا سنا ہے؟“

”کم بخت یہ کس طرح؟“

”آپ نے جس آدمی سے مجھے خریدا، وہ کون تھا؟ دحمان ہی تو تھا؟“

”دحمان تھا وہ؟“

”جی! وہ دحمان تھا“

”لیکن مجھے بتایا کیوں نہیں؟“

”اس نے مجھے اشارے سے منع کر دیا تھا“

پھر خلیفہ نے مدینے کے گورنر کو لکھ کر دھان کو اپنے پاس بلایا اور ہمیشہ
اپنے دامن کرم سے وابستہ رکھا!

(۵۷) اینٹ کا جواب پتھر

ابوسعید الکری کہتے ہیں کہ راعی الابل، فرزدق، اور جریر کا موازنہ کیا کرتا
تھا اور فرزدق کو جریر پر ترجیح دیا کرتا تھا۔ راعی کا پایہ بہت بلند تھا، وہ عوام کا
شاعر مانا جاتا تھا، جب اس کی یہ تنقید حد سے بڑھ گئی، تو جریر اس کی قوم کے
ایک آدمی کے پاس گیا، اور اس سے گویا ہوا، "کیا آپ کو تعجب نہیں ہوتا کہ
یہ شخص فرزدق کو مجھ پر ترجیح دیتا ہے، حالانکہ فرزدق نے اس کی قوم کی ہجو
کی ہے، اور میں اس کی مدح کرتا ہوں، اور راعی کے متعلق بھی اچھی رائے رکھتا
ہوں"

۱۔ المراحی جید بن حصین، کنیت ابو جندل، لقب المراحی، اس لیے کہ یہ اپنے اشعار میں
اؤنٹ کا ذکر بہت کثرت سے کرتا ہے، اور متنوع طریقے پر کرتا ہے، وہ شعرائے اسلام میں ایک
نمایاں شخصیت ہے جریر اور فرزدق کے موازنے میں اسے لطف آتا تھا، جریر نے اس حرکت
سے اسے باز رکھنا چاہا، مگر یہ باز نہ آیا، تو جریر نے اس کی ہجو لکھی، اور خوب رسوا
کیا۔

۲۔ فرزدق، نام حمام ابن غالب، لقب فرزدق، کنیت ابو فراس، مضر بن ماضی، جس
سال جریر کا انتقال ہوا اس نے بھی اسی سال وفات پائی، یعنی ۱۱۱ھ ۶۲۹ء
۳۔ جریر نام ابن عطیہ بن الخطمی، کنیت ابو زره مضر بن ماضی۔
فرزدق اور جریر اتنے مشہور شعرا ہیں کہ ان کا ذکر تحصیل حاصل ہے۔

ایک روز جریر پاپیادہ جا رہا تھا، اس نے کہا، خدا کی قسم مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ کسی سے کوئی تعلق رکھوں، راعی اور فرزدق کی نشست بھرے میں مریدانہ پر ہوتی تھی۔

جریر کہتا ہے میں ایک روز اس خیال سے نکلا کہ کسی جیلے سے راعی سے مذہبھیڑ ہو جائے، اسی اثنا میں نے دیکھا کہ وہ اپنی نشست گاہ سے واپس ہو رہا ہے، مجھے یہ پسند نہ تھا کہ کوئی مجھے پہچان لے، اتنے میں وہ خچر پر سانسے سے گزرا، اس کا بیٹا جنڈل اس کے پیچھے پیچھے اسی خچر کے سیاہ پچھیرے پر سوار جا رہا تھا، جس کی دم کٹی ہوئی تھی، ایک اور آدمی بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور کچھ باتیں کرتا جا رہا تھا، جب میں اس کے سامنے پہنچا، میں نے کہا، ”یا ابا جنڈل امر جا!“ یہ کہ کے میں نے اس کے خچر کی ایال پر ایک تھپکی ماری تاکہ وہ ادھر متوجہ ہو، پھر میں نے کہا، ”ابو جنڈل! تمھاری یہ بات بہت مشہور ہو رہی ہے کہ تم فرزدق کو مجھ پر ترجیح دیتے ہو، اور وہ بھی بُری طرح، حالانکہ میں تمھاری قوم کی مدح کرتا ہوں، اور وہ اس کی جو کرتا ہے وہ میرا ابن عم ہے۔ تمھارے لیے یہ کافی ہے کہ جب کبھی ہمارا ذکر آئے، کہ دو، دونوں اچھے شاعر ہیں، نہ میرے بڑے بنو نہ فرزدق کے!

اس دوران میں کہ میں اس کے اور وہ میرے سامنے کھڑا تھا اور ابھی وہ میری بات کا جواب بھی نہ دے پایا تھا اس کا بیٹا جنڈل آکر اس سے مل گیا، اس نے کوڑا اٹھایا اور اپنے باپ کے خچر کی پیٹھ پر مارا، پھر مجھ سے کہا، ”کیا میں تجھے بنی کلیب کے ایک کتے کے پاس کھڑا نہیں دیکھ رہا ہوں، گویا تو اس سٹہ مریدوں تو اڈنٹوں کے طویٹے کو کہتے ہیں، مگر اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جو مجلس کے طور پر برقی جائے۔“

کے شر سے خائف ہو یا اس کے کسی اچھی بات کی آس لگائے ہوئے ہو، یہ کہ کے پھر اس نے خچر کے ایک کوڑا لگایا، اور مجھے دھکیل دیا جس سے میری ٹوپی زمین پر گر گئی۔ خدا کی قسم اگر الراعی نے مجھ سے ایسی بکواس کی ہوتی، تو میں کہتا، "بے وقوفت ہو، نادان ہو، لیکن خدا کی قسم وہ تو کچھ بولا ہی نہیں۔ خیر میں نے اپنی ٹوپی اٹھائی، اس کی گرد جھاڑی، پھر اسے اپنے سر پر رکھ لیا۔

میں نے سنا راعی اپنے بیٹے جندل سے کہ رہا تھا، "تو نے بڑی طرح اس کی ٹوپی زمین پر پھینک دی، اگر اس نے مجھے کچھ بڑا بھلا کہا ہوتا تو یہ واقعہ مجھے گراں نہ گزرتا"

جریر بہت غضب ناک ہو کر اپنے گھر واپس ہوا، عشا کی نماز اس نے گھر ہی میں بالا خانے پر پڑھی، پھر اس نے کہا، "میرے لیے نمینڈ کا جام تیار کرو اور چراغ جلاؤ، چراغ جلا یا گیا، اور نمینڈ کا جام سامنے رکھ دیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ گنگناتے لگا، گھر میں ایک بڑھیا تھی، آواز سن کر اس نے کھڑکی سے جھانکا، دیکھتی کیا ہے، جریر اپنے بستر پر بیچ و تاب کھا رہا ہے، پھر وہ نیچے آئی، کہا، "تمہارا آدمی پاگل ہو گیا ہے، میں اسے اوپر اس حال میں دیکھ کر آرہی ہوں" لوگوں نے کہا، "تم اپنے حال میں مگن رہو، پروا نہ کرو، ہم اسے اور اس کی حالت کو خوب جانتے ہیں، اسی حالت میں جریر نے صبح کر دی، پھر اس نے تکبیر کہی، اس وقت تک اسٹی اشعار بنی نمیر ہو رہے کہ چکا تھا جب وہ اس شعر پر پہنچا، تو بیچ پڑا۔

نفض الطرف انک من نمیر فلا کعباً بلغت ولا کلاباً
اپنی نگاہ نیچی رکھ! تو تو بنی نمیر میں سے ہے، تو کعب اور کلاب کے مرتبے کو ہرگز
نہیں پہنچ سکتا!

اس نے کہا، رب کعبہ کی قسم! میں نے اسے رسوا کر دیا۔
 جب صبح ہوئی تو اسے معلوم ہوا، لوگ مرید میں اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے
 ہیں، جہاں راعی اور فرزدق کی مجلسیں شہور تھیں، پھر اس نے تیل منگایا، سر میں
 ڈالا، بال سنوارے، پھر کہا، "ای غلام! میرے لیے سواری تیار کر، غلام نے
 گھوڑے کو زین سے آراستہ کر دیا، پھر جریر مرید کے قصد سے باہر نکلا۔ یہاں تک
 کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے سلام و کلام شروع ہوتا تھا۔ اس نے سلام
 نہیں کیا، اور کہا، "ای غلام جید سے کہ دے، کیا تمہاری عورتوں نے مال
 کما لے، تمہیں عراق بھیجا ہے؟ اس کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں جریر کی جان
 ہے، وہ ان کے پاس اس طرح واپس ہو گا کہ نہ وہ اس سے خوش ہوں گی، نہ
 اس کا خیر مقدم کریں گی۔ پھر اس نے گانا شروع کیا۔ راوی کہتا ہے، جریر کے
 اشعار آب دار سن کر فرزدق اور راعی الابل نے اپنے اپنے سر جھکالیے، حاضرین
 مجلس خاموش ہو گئے، جب وہ گا چکا تو راعی نکل کر فوراً بھاگا، اپنے خنجر پر بڑی
 برہمی کے ساتھ سوار ہوا، مجلس سے نکل گیا، اور اپنی قیام گاہ پر پہنچا، اس نے
 اپنے ساتھیوں سے کہا، "اٹھو! بھاگو! اب یہاں بیٹھنا مناسب نہیں۔ خدا کی
 قسم تمہیں جریر نے رسوا کر دیا، راعی کے بعض ہم قوموں نے اس سے کہا،
 "یہ آفت تمہاری اور تمہارے بیٹے کی لائی ہوئی ہے، مجلس سے سب اٹھ کر
 چل دیے، یہاں تک کہ سب لوگ مقام شریف میں پہنچے جو بنی نمیرہ کی آبادی
 سے ذرا بلندی پر واقع تھا۔

راعی قسم کھا کر کہتا ہے، ہم نے اپنے گھر میں دیکھا "ففض الطرف انک
 من نمیر" ہر شخص کی زبان پر تھا، خدا کی قسم کلام کی یہ شہرت عام کسی کو نصیب نہ
 ہوئی، واللہ جریر تو جنوں کا ساتھی معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر نے بنو نمیر کو رسوا

کر دیا۔ قبیلے کے لوگوں نے الراعی اور اس کے بیٹے کو بہت گالیاں دیں، کیوں کہ وہ اس شعر کی وجہ سے اب تک بدنام ہیں۔

(۵۸) سب اچھا شعر اور سب اچھا کھانا

عوانہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے ایک دفعہ کھانا پکوا یا۔ کھانا بہت کافی مقدار میں اور بڑا خوش ذائقہ تیار کیا گیا تھا، پھر اس نے لوگوں کو دعوت دی، انہوں نے آکر کھایا، ان میں سے بعض نے کہا، ”کتنا مزے دار ہے یہ کھانا ہم نے تو اس سے زیادہ مقدار میں اور اس سے زیادہ مزے دار کھانا نہیں دیکھا“ ایک گوشے سے کوئی اعرابی بولا، ”جہاں تک فراوانی کا تعلق ہے بلاشبہ میں نے بھی اتنا زیادہ کھانا کسی دعوت میں نہیں دیکھا، لیکن جہاں تک مزے کا تعلق ہے تو خدا کی قسم میں اس سے کہیں زیادہ مزے دار کھانا کھا چکا ہوں“ لوگ اس کی بات پر ہنسنے لگے۔

عبدالملک نے اسے اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور کہا ”جو کچھ تم نے کہا وہ سچ نہیں مانا جاسکتا، جب تک اپنی سچائی کا ثبوت بھی نہ دے سکو“

اعرابی نے کہا، ”سینے امیر المومنین، میں مقام ہجر میں تھا، جو زب احمر میں واقع ہے کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا، اپنے پیچھے وہ یتیموں اور ضعیفوں کو چھوڑ گئے، ان کا ایک کھجور کا باغ تھا اس میں ایسی کھجوریں ہوتی تھیں کہ کاہے کو کبھی کسی نے دیکھی ہوں گی، اس کی کھجوریں کیا تھیں گویا تو عمر اؤنٹ کے ٹھرتھے، ایسی کھجوریں کبھی بھی نہیں دیکھی گئی ہونگی، بھری بھری، بالکل ملائم، گٹھلیاں بھی بہت چھوٹی چھوٹی، اور شیریں تو اتنی کہ بس کیا کہیے، ایک جھگی گدھی اس تخت

سے بہت مانوس تھی، رات وہ اسی کے نیچے گزار کرتی تھی، وہ اپنے دونوں پھلے پیروں کو اس کی ہڈیوں گاڑ دیتی تھی اور دونوں اگلے پیروں کو اوپر اٹھا کرتے پر رکھ دیتی تھی، اور منہ سے کچھ نہیں کھانا شروع کر دیتی تھی، سب کھا جاتی تھی، تھوڑی بہت چھوڑ دیتی تھی، اس کی اس حرکت سے میں بہت نالاں تھا ایک روز میں اپنے ساتھ تیر کمان لے کر گیا نیال تھا کہ جلد واپس آ جاؤں گا۔ میں وہاں پورے ایک دن اور ایک رات رہا، مگر میں اسے نہ دیکھ سکا، آخر صبح ہوتے ہوتے وہ آگئی

میں تاک میں تو تھا ہی، میں نے اسے اپنے تیر کا شمار کر لیا، اسے ذبح کیا، اور اس کا گوشت نکالا۔ پھر میں نے اس کا پیٹ چاک کیا، اور پارچے بنائے، انہیں بھوننے کے لیے ادھر ادھر سے میں نے کچھ لکڑیاں جمع کیں چوٹے میں رکھیں، اب میں نے چھماق اٹھایا، اسے رگڑا اور لکڑیوں کو اس سے سلگایا۔ میں نے وہ پارچے افکاروں پر رکھ دیے، اتنے میں مجھے تھکن کے مارے نیند آگئی، آخر دھوپ کی تپش نے مجھے بیدار کیا، میں چوٹے کے پاس گیا، پارچوں پر سے میں نے آگ، راکھ، دھوئیں کی سیاہی، اور خاکستر کا ڈھیر صاف کیا، پھر میں نے پارچوں کو نرم چلور کی طرح الٹ پلٹ کیا، بعد ازاں میں نے گوشت پر اسی درخت کی چند کھجوریں ڈال دیں، جو ابھی گدراہی ہوئی تھیں، میں نے گوشت کے چرچرائے کی آواز سنی، جیسے عامر و غطفان کے لوگ جنگ کے وقت چلا رہے ہوں۔ پھر میں کھانے بیٹھ گیا۔ میں نے چڑنی اور بلیٹیاں خوب کھائیں، میں گوشت کے پارچے کو دو کھجوروں کے درمیان رکھتا تھا، اور منہ میں ڈال لیتا تھا، خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس سے زیادہ مزے دار کھانا میں نے کبھی نہیں کھایا۔

عبدالملک نے کہا، "اچھا مان لیا، تمہارا وہ کھانا، سب کھانوں سے اچھا تھا، یہ بتاؤ تم ہو کون؟"

"میں وہ ہوں جسے قبیلہ تمیم واسد کی گنوارو بولی نے، اور قبیلہ ربیعہ کی غلط زبان نے، اور اہل یمن کے متوش کر دینے والے لہجے نے تکلیف پہنچائی ہوتی اگر میں ان میں سے ہوتا"

"تم کس قبیلے میں سے ہو؟"

"آپ کے ماموں زاد بھائیوں بنی غدرہ میں سے"

"وہ لوگ تو بڑے فصیح ہیں، تمہیں کچھ شعر و شاعری سے بھی دل چسپی ہے؟"

"پوچھیے جو چاہیے یا امیر المؤمنین"

"جریر کا یہ شعر"

"کیا وہ لوگ جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں، ان میں تم سب سے بہتر نہیں ہو؟ اور دنیا میں سب سے زیادہ کشادہ دست نہیں ہو؟"

اس مجمع میں جریر بھی بیٹھا ہوا تھا، اس نے اپنا سر اٹھایا، گردن ذرا

اٹینچی کی۔

عبدالملک نے پوچھا، "فخریہ اشعار میں سب سے اچھا شعر کون سا ہے؟"

"جریر کا یہ شعر"

"جب بنو تمیم تجھ پر برہم ہوں، تو سمجھ لے کہ ساری دنیا تجھ سے

خفا ہے"

عبدالملک جھومنے لگا، پھر اس نے پوچھا، "اچھا، جو میں سب سے

اچھا شعر کون سا ہے؟

”جریر کا یہ شعر:۔“

”تو اپنی آنکھ نیچی رکھ اس لیے کہ تو بتی نمیر میں سے ہے، نہ تو کعب

کے مرتبے کو پہنچ سکتا ہے نہ کلاب کے“

جریر نے فخر سے ادھر ادھر دیکھا، مارے خوشی کے وہ جھومنے لگا۔

پھر عبدالملک نے پوچھا: ”عرب شعرا میں کس شاعر نے سب سے اچھی تشبیہ

باندھی ہے؟“

”جریر نے اس شعر میں:۔“

”رات کا اندھیا را چھا گیا، گویا آسمان کے تارے قندلیں ہیں

جن میں بتی والے دیے رکھے ہوئے ہیں“

جریر نے کہا، ”امیر المومنین میرا انعام سے مرحمت فرمایا جائے“

عبدالملک نے کہا، ”اس اعرابی کو تم سے دو گنا انعام بیت المال سے دیا جائے

گا، لیکن جریر تمہارا انعام تمہیں ملے گا، اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی“ جریر کو

چار ہزار درہم اور بہت سا ساز و سامان انعام ملا۔

وہ عذری اعرابی اس طرح باہر نکلا کہ اس کے داہنے ہاتھ میں آٹھ

ہزار درہم تھے، اور بائیں میں خلعتِ فاخرہ!

(۵۹) جان بچی لاکھوں پائے

احمد ابن ابی طاہر کہتے ہیں، کہ افشینؓ حیدر بن کاؤس جب

ملہ افشین حیدر کے حالات کے لیے ابن عبری کی تاریخ الدول (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹۴ پر)

بابک سے جنگ کرنے نکلا تو ابو دلف تاسم بن عیسیٰ اس کے ساتھ تھے، وہ ان سے کسی بات پر ناراض ہو گیا اور انھیں قتل کر دینے کا ارادہ کیا، اس کی بھنگ کہیں خلیفہ متصم باندہ کو بھی مل گئی، اس نے احمد بن داؤد کو افشین کے پاس بیجا، اور کہا، "افشین کے پاس جاؤ، مجھے امید نہیں تمہارے کہنے سے وہ ابو دلف کو چھوڑ دے، بہر حال کسی طرح بھی اسے اس کے پنجہ ستم سے رہا کرو۔"

احمد بن داؤد کہتے ہیں، میں روانہ ہوا، یہاں تک کہ افشین کے پاس پہنچ گیا، دیکھتا کیا ہوں ابو دلف اس کے سامنے کھڑا ہوا ہے، دو ترک غلام اس کی مشکلیں باندھے ہوئے تھے، میں فوراً افشین کے پاس بیٹھ گیا۔ جب کبھی میں اس کے پاس آتا تھا وہ مجھے سند پر بٹھاتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "سبحان اللہ کیوں کر آنا ہوا؟" میں نے کہا، "اس مجلس میں تو تمہیں نے مجھے کھینچ بلایا" پھر میں نے اس سے ابو دلف کے بارے میں گفتگو کی، اس کی سعی و سفارش کی، اور التجا کی کہ وہ اسے رہا کر دے۔ جیسے جیسے میں باتیں کرتا جاتا تھا، ویسے ویسے اس کا غصہ بڑھتا جاتا تھا۔

میں نے اپنے دل میں کہا، یہ ہر غلام، جتنا جتنا میں نرم پڑتا ہوں، ویسے ویسے یہ اترتا جاتا ہے، اب ضرورت اس کی ہے کہ اس پر رعب جمائوں،
(صفحہ ۱۹۳ کا بقیہ نوٹ) کے صفحات ۲۳۱ و ۲۳۲ ملاحظہ ہوں۔

۱۰ بابک، یہ ایک سر پھرا شخص تھا، جس نے دین کے پردے میں ہوس رانی کو فروغ دینے کی کوشش کی، اس کے مفصل حالات، مولانا عبدالحکیم شرر مرحوم نے ناول کے پیرایہ میں "بابک خرمی" کے نام سے لکھے ہیں۔

۱۱ ابو دلف بہادر اور شجاع انسان تھا، خلفا کا ندیم اور یار تھا، بہترین شاعر تھا۔

میں اٹھا، میں نے کہا، ”تو کب تک کے بعد دیگرے امیر المومنین کے دوستوں کو قتل کرتا رہے گا، کب تک ایک کے بعد دوسرے فرمان کی نافرمانی کرتا رہے گا؟ یہ دیکھ میں امیر المومنین کا فرمان لایا ہوں اس کا جواب دے!“ یہ سن کر وہ بہت خاکساری پر اتر آیا، حتیٰ کہ زمین بوس بھی ہو گیا۔ اس کے چہرے سے اضطراب ٹپک رہا تھا، جب میں نے یہ رنگ دیکھا، میں ابودلف کے پاس گیا، اس کا ہاتھ پکڑا، میں نے فٹین سے کہا۔

”امیر المومنین کے حکم کے مطابق میں اسے لیے چلتا ہوں“ اس نے کہا، ”ابو عبد اللہ ایسا نہ کرو“ میں نے کہا، ”میں تو گزرنا“ میں ابودلف کو لے کر باہر آیا، اسے سواری پر بٹھایا اور خلیفہ معتمد باللہ کے حضور میں پہنچ گیا۔

خلیفہ نے جب مجھے دیکھا، کہا، ”ابو عبد اللہ، تم خوب آئے جیسا میں سوچ رہا تھا، تم نے ویسا ہی کیا“ پھر اس نے اپنے تصور کے مطابق جو کچھ میرے اور فٹین کے مابین گزری تھی بیان کیا۔ ایک بات بھی غلط نہیں کہی۔ پھر اس نے اپنے کہے ہوئے بیان کی تصدیق چاہی، میں نے کہا، ”آپ نے ایک حرف بھی غلط نہیں کہا!“

(۶۰) عشقِ صالح!

بشینہ ایک پاک دامن، خوب صورت اور خوب سیرت لڑکی تھی، وہ بیان کرتی ہے، ”خدا کی قسم جمیل مجھ سے عشق کرتا تھا، لیکن اس نے کبھی کوئی نازیبا بات نہ کی۔ خدا اس پر اپنی رحمت نازل کرے، اور نہ میں نے

کبھی حد سے تجاوز کیا "

میرا قبیلہ پانی اور چارے کی تلاش میں جا رہا تھا، میں ایک ہوج میں بیٹھی ہوئی تھی، اتنے میں میں نے سنا کوئی جمیل کے درد انگیز اشعار گا رہا ہے، میں اپنے اذپر قابو نہ رکھ سکی۔ قبیلے والے دیکھ رہے تھے، میں ہوج سے اُتری، اور آواز کے پیچھے پیچھے چلی، کوئی نظر نہ آیا، میں نے آواز دی "اے جمیل کے اشعار گانے والے کچھ جمیل کی خبر ہے؟" میرا دل دھڑک رہا تھا کہیں وہ اس دُنیا سے گزر نہ گیا ہو۔ مجھے کوئی جواب نہ ملا، میں نے تین مرتبہ پکارا، اور ہر مرتبہ صدائے برخواست۔

میری سہیلیوں نے مجھ سے کہا، "بشینہ پاگل ہوئی ہو؟ کسے پکار رہی ہو؟" میں نے کہا، "میں حواس میں ہوں، خدا کی قسم میں نے سنا کہنے والا کچھ کہ رہا ہے،" سہیلیاں کہنے لگیں، "ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو کچھ بھی نہیں سنتے" میں واپس آگئی، اپنے ہوج میں ملول و غمگین، پریشان و بے قرار بیٹھ گئی۔ قافلہ چلا، جب رات ہوئی، میں نے سنا پھر کوئی وہی اشعار گا رہا ہے۔ میں پھر ضبط نہ کر سکی، آواز کی ٹوہ میں چلی، جب قریب پہنچی آواز بند ہو گئی۔ میں نے کہا، "اے بولنے والے، خدا کے لیے مجھ پر رحم کر، مجھے سکون دے، ان اشعار کے پیچھے کیا ہے وہ بھی بتا؟" مجھے کوئی جواب نہ ملا، میں اپنی قیام گاہ پر واپس آگئی۔ قافلہ پھر آگے بڑھا، میں اس حال میں جا رہی تھی کہ میرے حواس پرانے تھے، میں جب جب آواز سنتی تھی، میری سہیلیاں کہتی تھیں، "ہم نے تو کچھ نہیں سنا!"

دوسری رات آئی، ہم اتر پڑے قبیلے کے سب لوگ خواب گاہ میں پہنچ گئے، ہر آنکھ سو گئی، میں نے سنا کوئی کہ رہا ہے، "بشینہ، میری

طرف متوجہ ہو، جو تم چاہتی ہو، میں وہ خبر سنا تا ہوں“ میں آواز کی طرف متوجہ ہوئی، دیکھتی کیا ہوں، ایک بوڑھا شخص کھڑا ہے، گویا وہ ہمارے ہی قبیلے کا آدمی ہے، میں نے پوچھا۔

”کہاں سے آئے ہو؟ کیا نام ہے؟“

”اسے چھوڑو، کام کی بات سُنو“

”بناؤ تو“

”جو کہتا ہوں اس پر قناعت کرو“

”تہی جمیل کے اشعار پڑھ رہے تھے؟“

”ہاں“

”جمیل کا کچھ حال معلوم ہے؟“

”وہ خدا سے جا ملا، آغوشِ قبر میں جا سویا، خدا اس پر رحم کرے“ میں ضبط نہ کر سکی، ایک آہ جگر دکار منہ سے نکل گئی۔ میں غم سے ٹدھال ہو رہی تھی، بے ہوش ہو کر گر پڑی، کسی کو پتا بھی نہیں چلا۔ ساری رات اسی طرح پڑی رہی، فجر کے قریب ذرا افانہ ہوا، گھر والے مجھے ڈھونڈھ رہے تھے، آخر کار میری آہ و نالے کی آواز بلند ہوئی، میں اپنی جگہ پہنچائی گئی۔ گھر والوں نے پوچھا، ”کیا ہوا؟“ میں نے انھیں سارا ماجرا سنایا۔ کہنے لگے، ”خدا جمیل پر رحم کرے“ پھر قبیلے کی عورتیں جمع ہوئیں، اور نوحہ و ماتم کے اشعار پڑھنے لگیں، تین دن تک وہ مجھے گھیرے رہیں، ذرا دیر کے لیے بھی نہ ہٹیں۔ ہمارے قبیلے کے مردوں کا بھی غم سے بڑا حال تھا، وہ روتے تھے، مرثیے پڑھتے تھے، اور کہتے تھے، ”خدا اس پر رحم کرے وہ پاک باز تھا، سچا تھا“

بشیرہ کہتی ہے، جمیل کی موت کے بعد سے میری آنکھیں سرمے سے نا آشنا
ہیں، میں نے زینک نکالی، نہ چوٹی گوندھی، نہ عطر لگایا، نہ تیل، سوا اس کے کہ
دردِ سر مجبور کر دے، پھر نہ میں نے رنگی ہوئی اوڑھنی اوڑھی نہ اچھے کپڑے
پہنے، میں اسی طرح روتی رہوں گی، یہاں تک کہ موت آجائے۔

(۶۱) من کی ترنگ!

علی بن امیر کہتے ہیں، میں ایک روز عمر المیدانی کے پاس گیا، اس کے
دروازے پر ایک سبزی فروش (بقال) رہتا تھا۔ عمر کی اس سے خوب بنتی
تھی، جب کبھی عمر تنگی میں ہوتا، تو بقال اسے فرض بھی دے دیتا۔ عمر کو
بھی جب درہم ملتے تو بقال ہی کے پاس رکھا دیتا، اور کبھی اس سے
حساب نہ پوچھتا۔

میں پہنچا تو بقال اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ عمر نے کہا، آج میرے
پاس چار درہم ہیں، ایک تو میرے گدے کے دانے چارے کو چھوڑ دو،
باقی بچے تین، ان سے جو چاہو کھاؤ، پیو، میرے پاس نمید بھی ہے، ہاں،
میں گانا بھی سناؤں گا، یہ بقال اپنی دکان سے خشک سیوے اور پھل لے
آئے گا، ہم بقال کی طرف متوجہ ہوئے، ایک درہم کے تو پھل پھلاری
خرید لائے، کھانا ہم خود پکا رہے تھے، ہانڈی اب اتارنے ہی والے
تھے کہ قاصد نے دروازہ کھٹکھٹایا، عمر نے دروازہ کھول دیا۔ قاصد نے
کہا، ”آپ کو امیر اسلم بن ابراہیم نے ابھی بلایا ہے“ عمر میں بیٹھے رہنے
کی تاکید کر کے خود چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ہم لوگ مزے سے کھاتے پیتے رہے، عمر، اسخنی کے پاس سے رات گئے واپس آیا تھا، صبح ہی صبح اس نے اپنا قاصد بھیج کر مجھے بلوایا، میں گیا، میں نے اس سے کہا، ”لے اب اپنی ساری سرگزشت سنا تو ڈالو!“

عمر نے کہا، میں امیر اسخنی کے ہاں گیا، میرے سلمے دسترخوان چٹنا گیا، میں نے سیر ہو کر کھایا، دو رطل تو شراب پی گیا، پھر ایک طنبور میرے حوالے کیا گیا، امیر اسخنی کے پس پشت پردہ پڑا ہوا تھا، داہنی طرف مخارق اور بائیں جانب علویہ بیٹھے ہوئے تھے، مجھ سے پوچھا:-

”تم ہی عمر الیدانی ہو؟“

”جی ہاں“

”کھانا کھا چکے؟“

”کھالیا یا امیر!“

”ہمارے ہاں یا اپنے ہاں؟“

”آپ کے درِ دولت پر یا امیر!“

”اچھا اب گاؤ، وہی راگ جو تم نے ایجاد کیا ہے۔“

میں گانے لگا، امیر اسخنی نے پردے پر ہاتھ مارا، اور کہا، ”تم بھی یہی گاؤ“ پھر مخارق اور علویہ سے کہا، ”کیسا ہے یہ گانا؟“ میں نے گانا دہرایا اور وہ شراب پیتا رہا، پھر مجھ سے گویا ہوا۔

”میں تو آج خلوت میں رہوں گا، لیکن تمہاری دعوت مجھ پر واجب ہو گئی“

جب میں باہر نکلا تو غلام نے مجھے پانچ ہزار درہم دیے! میں نے

انھیں جیب میں ڈالا، اور چلا آیا، وہ یہ موجود ہیں اب تم ان کو خستم کر کے جانا۔

(۶۲) یارِ شاطر

ابن البراء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن طاہر نے شراب پینے کا ارادہ کیا ان کے پاس حسن بن طلوت بھی موجود تھے، انھوں نے کہا، مجھے اس وقت ایک ایسے آدمی کا خیال آیا، جو اگر شریک مجلس ہو تو بارِ خاطر نہیں بنے گا۔ وہ مجلسی جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، دوستوں کی لغویتوں کا شریک نہیں بنتا۔ اگر آپ اسے اپنے قریب کریں گے تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے گا۔ اگر آپ اسے واپس جانے کی ہدایت دیں گے تو فوراً وہ رخصت ہو جائے گا۔

محمد نے پوچھا، وہ کون ہے؟
 ”مان الموسوس“

”تمہارا انتخاب بُرا نہیں ہے“

پھر محمد نے پولیس کے انسپر اعلیٰ کو حکم دیا کہ اسے فوراً حاضر کیا جائے، اس نے پوری عجلت سے محلہ کرخ کے داروغہ کو حکم دیا، وہ مان کو لے کر محمد بن عبداللہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اسے حمام میں داخل کیا گیا، بال سنوارے گئے، اچھے اچھے کپڑے پہنائے گئے، پھر اسے محمد بن عبداللہ لے مان، مصر کا ایک مشہور شاعر، اس کا کلام مرتضیٰ صنفِ غزل پر مشتمل ہے، نام محمد بن قاسم، کنیت ابوالسعین، لقب مان۔

کے سامنے لایا گیا۔

محمد بن عبداللہ کے سامنے آکر اس نے سلام کیا۔ محمد نے جواب دیا، اور کہا، ”ہم تو تمہارے اتنے مشتاق تھے، اور تمہارا ملنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا؟“

مان نے جواب دیا، ”خدا امیر کو اور زیادہ سر بلند کرے، آتش شوق یہاں بھی بھڑک رہی ہو، محبت یہاں بھی کار فرما ہو، لیکن حجاب سخت ہو در بان بے مروت ہو، اگر ہمارے لیے حاضری کی شرائط آسان کر دیے جائیں تو امیر کی زیارت میرے لیے ایک کارِ آساں بن جائے۔“

محمد نے کہا، ”تم نے اجازت بڑے تکلف سے طلب کی“ پھر حکم دیا کہ بیٹھے وہ بیٹھ گیا، داخل دربار ہونے سے پہلے اسے کھانا بھی کھلا دیا گیا تھا۔ اب محمد بن عبداللہ، ہمدی کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کی کینز کو لے کر آیا۔ کینز کا نام منوس تھا، محمد کو گلے کا بہت چمکا تھا۔ امیر محمد کے پاس رہا کرتی تھی۔ اس نے سب سے پہلے یہ اشعار گائے۔

”میں وہ منظر کبھی فراموش نہیں کر سکتا جب اہل قبیلہ صبح صبح کوچ کر رہے تھے، میرے رخساروں پر شدتِ الم سے آنسو بہ رہے تھے“

”جب میری آنکھوں کے سامنے سے قافلہ گزر رہا تھا اور اذیتوں کے لیے حدی خوانی کی جا رہی تھی۔ میرے دل سے آواز آرہی تھی کہ یہ سفر آخری سفر نہ ہو؟“

مان نے کہا، ”کیا امیر مجھے اجازت دیں گے؟“

”کیسی اجازت؟“

”جو کچھ میں نے سنا، اس کی داد دینے کی“

”ہاں ہاں“

”اگر کینز، واللہ تو خوب گائی، اگر تو مناسب سمجھے تو ان دونوں شعروں کو بھی اپنے گائے ہوئے اشعار میں شامل کر لے۔“

”میں کھڑا ہوا تھا، آنکھیں اشک آلود تھیں، دل بے تاب تھا۔ آنکھیں ایسے تکلیف دہ منظر کو (جدائی کو) دیکھ رہی تھیں۔ اُس امیر نے اپنے انصاف کے ساتھ میرا ساتھ نہیں دیا اس ظالم کے بارے میں، جو روکنے اور منع کرنے پر اصرار کرتا ہو“

محمد نے کہا، ”مان تم کس چیز کے لیے مدد چاہ رہے ہو؟“ اس نے شرماتے ہوئے کہا، ”کسی ظلم کے لیے نہیں، بات یہ ہوئی کہ اس مسرت افزا موقع نے، شوق کو حرکت دی، وہ پہلے چھپا ہوا تھا اب ظاہر ہو گیا“

ابن طلوت نے کہا، ”مان! تم پر شکر واجب ہے، زمانے نے تمہارے ساتھ سعادت کی۔ تم پر امیر نے عنایت کی، تمہیں اس نے مسرت بخشی۔ تم سے غم و الم کو الگ کر لیا، خدا ہمارے اور تمہارے لیے اسے ہمیشہ زندہ رکھے، جس کی زندگی نے ہمیں اکٹھا کیا، اور ہمارا یہ دن مسرت سے گزارا۔ مان نے کہا۔“

”جو کم خلا ملا رکھتا ہے، وہ کامیاب رہتا ہے، جو زیادہ میل

جو مل رکھتا ہے وہ غمگین رہتا ہے“

میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں، پھر وہ اٹھا اور چلا گیا، محمد نے حکم دیا کہ اسے انعام دیا جائے۔

اس دن کے بعد سے اکثر محمد، ماں کو شراب کی مجلسوں میں طلب کیا کرتا، اس کی تعظیم کرتا، انعام دیتا، اور اپنے پاس بٹھاتا۔

(۶۳) امام کی درگت

ابوالعباس بن عمار کا بیان ہے کہ ماں مجھ سے بہت تکلف سے پیش آتا تھا۔ اس کی آواز بڑی رسبی اور سربلی تھی، اس کی غزلوں کے اشعار بھی بہت رواں ہوا کرتے تھے۔ وہ اکثر مجھے کچھ نہ کچھ سنایا کرتا تھا، بھانت بھانت کے شعر سناتا، پھر انھیں کھول کھول کر الگ الگ بیان کرتا۔ ایک روز وہ میرے پاس بیٹھا ہوا، عربیاں بصری کے یہ اشعار سنارہا تھا؛۔

”آنکھوں نے انصاف نہیں کیا کہ وہ رکیں نہیں اور تو نے دیکھا کہ محبوب بھی نہیں ٹھہرا۔“

میں اس جگہ کو دیکھ کر روتا ہوں جہاں وہ ٹھہرا تھا، جہاں وفا کا بدلہ جفا سے دیا جاتا تھا“

میں نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ یہ اشعار مجھے لکھوادے اس نے لکھا دیے۔

اس اثنائیں کہ وہ اشعار سنارہا تھا اس نے دیکھا سامنے کی مسجد کا امام منڈنہ پر اذان دینے کے لیے چڑھ رہا ہے۔ وہ شعر پڑھتے پڑھتے رک گیا اور امام کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ایک بوڑھا، کمزور، اور خجیف آواز والا آدمی تھا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز سے اذان دینا شروع کی۔ ماں بھی منڈنہ سہ منڈنہ وہ جگہ جہاں اذان دی جاتی ہے۔

پر چڑھ گیا، یہاں تک کہ اس کے پاس بلندی پر پہنچ گیا۔ پھر اس نے اس کی داڑھی پکڑ کے اس کے گھٹے ہوئے سر پر ایک چائٹا مارا۔ مجھے تو اندیشہ ہوا بے چارے کی گردن ہی غائب ہوئی۔ اس حرکت کے سبب امام کی آواز کچھ عجیب سی ہو گئی۔ پھر اس نے مؤذن سے کہا: جب تو منارے پر اذان دینے کے لیے چڑھے تو اذان ٹھیک سے دیا کر، پھر وہ اتر آیا، اور امام ناک کی سیدھ بھاگتا چلا گیا۔

میرے والد سے اور بڑوں کے بزرگوں سے اس امام نے شکایت کی جس کی بنا پر مجھے بتلائے معیبت ہونا پڑا۔ اس نے کہا، ”یہ ابن عمار پاگلوں کو اپنے ہاں بلاتا ہے، ان کے ہدیانات لکھتا ہے، اور انہیں بڑوں اور بزرگوں پر مسلط کر دیتا ہے، اور یہ پاگل مناروں پر انہیں چپیلاتے ہیں اس حالت میں کہ وہ اذان دے رہے ہوں“ اس شکایت نے اتنی سنجیدہ صورت اختیار کی کہ مجھے امام کے گھر جا کر معذرت کرنی پڑی۔ میں نے قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ میں صرف اس کے شعر نقل کر رہا اور لکھ رہا تھا۔ مجھے اس کی اس حرکت کی خبر بھی نہ ہوئی، نہ میں جانتا تھا وہ کیا کر رہا ہے؟

(۶۴) تلاشِ معاش

ابن قدامت کہتے ہیں، ابن ابی معقل تلاشِ معاش میں کثرت سے سفر کیا کرتا تھا۔ اس کی بی بی ام نہبیک جو اس کی بہت عم بھی تھی، اسے اس سفر گشت پر برابر ملامت کرتی رہتی تھی۔ ابھی وہ چند روز بھی نہ ٹھہرا تھا کہ اس نے اپنی بی بی سے کہا، ”میرے کوفے جلنے کا سامان سفر تیار کرو، وہاں کے

گورنر میرے دوست مغیرہ بن شعبہ مقرر ہوئے ہیں“ اس نے سامانِ سفر تیار کر دیا، اور کہا، ”تم ہمیشہ سفر ہی میں رہو گے یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے“ ابو معقل نے کہا، ”یا تو موت ہی آجائے گی، یا کامیاب واپس ہوں گا“ پھر اس نے کہا:-

”اُمّ نہیک ذرا اوپر تو نگاہ اٹھا، تو مایوس کیوں ہوتی ہے؟
کبھی تنگ حال بھی مال دار بن سکتا ہے!

میرا یہ درد پھرنا، جلد ہی تجھے اور مجھے فکرِ دنیا سے بے نیاز کر دے گا۔ جو عورت اپنے شوہر کو معاملات میں حصہ نہیں لینے دیتی، وہ بس بیٹھا ہی رہ جاتا ہے۔

یا تو میں بہت جلد مال و دولت لے کر واپس آتا ہوں ورنہ تو رات اس طرح گزارے گی کہ غم سے تیرے دل میں میری فکر سے طرح طرح کے دوسوے پیدا ہوں گے۔

جو شخص اپنے نیزے کے زور سے مالِ ممنوعہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ یا تو دولت مند ہو جاتا ہے، یا عسرت کی زندگی پھر بسر کرنے لگتا ہے“

وہ کوفہ پہنچ گیا، اور وہاں اس وقت تک مقیم رہا جب تک مصعب بن زبیر عراق کے گورنر مقرر نہ ہو گئے۔

پھر ابو معقل، مصعب کے پاس گیا، اور ان سے ملاقات کی۔ اس روز مصعب غزوہٴ زینج کے لیے لوگوں کو دعوتِ جہاد دے رہے تھے، کہہ رہے تھے، کون ہے جو وہاں جائے؟ یہ سنتے ہی عبداللہ بن ابو معقل اٹھا، ملہ زینج بھجتا ہے ایک قبیلے کا نام ہے۔

اس نے کہا، ”میں تیار ہوں“ مصعب نے اس سے کہا، ”تم بیٹھو“ انھوں نے پھر لوگوں کو مخاطب کر کے وہی سوال کیا۔ اب کی بار بھی وہ اٹھا، اور اس نے کہا، ”میں حاضر ہوں“ مصعب نے کہا، ”بیٹھو“! پھر تیسری بار انھوں نے آواز دی، اس وقت پھر عبداللہ بن ابی معقل اٹھا، اور گویا ہوا ”میں جاؤں گا“ مصعب نے کہا، ”تم بیٹھو“ یہ سن کر عبداللہ نے کہا، ”مجھے ذرا اپنے پاس آنے دیجیے، کچھ کہنا ہے“ مصعب نے اسے اپنے پاس بلا لیا، اس نے کہا، ”میں جانتا ہوں آپ صرف اس لیے میری بات نہیں سنتے کہ مجھے پہچانتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص اٹھ کھڑا ہوتا جسے آپ نہ پہچانتے ہوتے تو آپ ضرور اسے بھیج دیتے، شاید آپ کو اس بات سے حسد پیدا ہو رہا ہو کہ میں نیکی کیوں کہاؤں؟ یا شہادت کا درجہ کیوں حاصل کروں؟ اس طرح میں دنیا اور طلبِ دنیا سے راحت حاصل کروں گا نہ؟“

مصعب عبداللہ کی ان باتوں سے اور اس کی فصاحتِ بیان سے بہت خوش ہوئے۔ اسے بہت زیادہ مال انعام میں دیا۔ عبداللہ مدینہ واپس گیا، اور اپنی بی بی سے گویا ہوا، کیوں میں نہ کہتا تھا؟

”میرا یہ درد پھر نا جلد ہی مجھے اور تجھے فکرِ دنیا سے بے نیاز

کردے گا۔ جو عورت اپنے شوہر کو معاملات میں حصہ نہیں لینے

دیتی وہ بس نکھٹو ہی رہ جاتا ہے“

اس نے کہا، ہاں خدا کی قسم، تم نے یہ کہا تھا، اور تم سچے نکلے!



(۶۵) ادیب نکتہ سنج

عمر بن شعبہ اسحق سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ نہیک کا ایک شخص فن
 ”غنا“ سے دل چسپی رکھتا تھا۔ اسے جب یقین ہو گیا کہ وہ اس فن کو اچھی طرح سیکھ
 چکا ہے تو میرے والد کے سامنے اس نے اس باب میں میری رائے پوچھی۔ میں
 نے کہا، ”اگر میری ماں، تو اب گانے گانے کا نام نہ لینا، تم کسی داد کے مستحق نہیں
 ہو“ میرے والد میری اس رائے پر بہت برہم ہوئے، انھوں نے فرمایا
 ”ابے لونڈے تو جانتا ہی کیا ہے؟“ پھر اس آدمی سے مخاطب ہوئے،
 ”دوست! اس لڑکے نے جو کچھ کہا، تم اس کے برعکس ہو۔ اگر تم فن کو پکڑے
 رہے تو ایک روز کابل بن جاؤ گے“ پھر اکیلے میں انھوں نے مجھ سے کہا،
 ”ارے احمق تجھے کیا ہو گیا ہے؟ ایسے ایسے ایک ہزار آدمیوں کو خدا رو
 کرے۔ یہ ارباب ثروت اور ملوک و امرا گانے بجانے کی وجہ سے ہمیں
 حقیر سمجھتے ہیں، انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو، یہ ہمیں ڈوم ڈھاری سمجھتے
 ہیں تو سمجھیں، ہار جھک مار کے ہمارے پاس آئیں گے، ہمیں چلبے کہ
 ان سے نفع حاصل کریں، رہے ہم، تو ہمارا فضل و کمال ایک زمانہ
 جاتا ہے۔“

یہ نہیکی میرے والد سے سیکھنے لگا۔ رفتہ رفتہ اسے فن پر قابو ہو گیا۔
 جب اچھا گاتا تھا تو والد اس سے کہتے تھے، ”بارک اللہ نیک“ (یعنی
 اللہ تجھے برکت دے) اور جب بے ٹکا گاتا تھا تو وہ فرماتے ”بارک اللہ
 ملیک“ (یعنی خدا تجھ سے سمجھے) یہ الفاظ اس کثرت سے انھوں نے

استعمال کیے کہ نہیں کی ان کا مطلب سمجھ گیا، ایک روز وہ گارہا تھا، اور والد سن رہے تھے۔ وہ خاموش رہے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ فیصلگی نے ان سے کہا، ”استاد! میں آپ پر قربان، یہ راگ کن راگوں میں ہے؟ ”برکت“ والا، یا ”خدا سمجھے والا“؟ والد ہنسنے لگے، انہیں اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس لطیف فرق کو سمجھ لے گا۔ انہوں نے کہا، ”خدا کی قسم! میں اب تم پر پوری توجہ صرف کروں گا، یہاں تک کہ تم اپنے تئیں جیسا بنانا چاہتے ہو ویسے ہی ہو جاؤ۔ تم بڑے نکتہ سنج ہو“ والد اب اس پر بہت توجہ کرنے لگے۔ آخر وہ اس فن میں کامل ہو گیا۔ میرے والد نے اسی کے بارے میں کہا ہے:-

”تیرے فہم و ذکا کے سبب اللہ تعالیٰ نے تیرا حق مجھ پر واجب کر دیا ہے۔“

اس واقعے کے بعد، تو مجھے، بس اپنی تعریف ہی میں رطب اللسان پائے گا۔
جس فن میں تو کمزور تھا، اب تو اس میں مضبوط ہو جائے گا!“

(۶۶) گویے سے دھوکا!

یشو، ابوالاحمد بن الرشید کا غلام، بیان کرتا ہے کہ میرے آقا ابوالاحمد نے مجھے اور میرے رفیق محمود کو، نخاس سے خریدا۔ پھر ہم دونوں کو اپنے وکیل (ایجنٹ) کے سپرد کر دیا، جو ایک عجمی شخص تھا، خراسان کا رہنے والا، ابوالاحمد

نے اپنے ایجنٹ سے کہا ان دونوں غلاموں کو اسلحہ موصلی کے پاس بغداد لے جاؤ، یہ کہہ کے اس نے ایجنٹ کو ایک لاکھ درہم دیے، ایک اعلیٰ درجے کا گھوڑا دیا، جو کاٹھی اور لگام سے سجا ہوا تھا، تین چاندی کے توڑے دیے، سات بڑے بڑے بکس دیے، جن میں خراسانی ریشم کے تھان رکھے ہوئے تھے۔ دس مصری ریشم کے تھان بھی دیے، پانچ اور بکس دیے، جن میں دوسرا ساز و سامان رکھا ہوا تھا۔ دوسرے پانچ بکسوں میں کچھ اور پارچے جات تھے۔ تیس ہزار، درہم دوسرے مصارف کے لیے دیے۔ یہ سب سامان دے کر اپنے وکیل سے کہا، "اسلحہ کو یہ بتانا کہ یہ دونوں غلام خراسان کے ایک شریف آدمی کے ہیں، انھیں جی لگا کے گانا سکھائیے، فن میں طاق کر دیجیے۔ جب اسلحہ ان دونوں کو ایک راگ سکھا دے، تم فوراً ایک ہزار درہم دے دو۔ یہاں تک کہ وہ سواراگ سکھا دے، اور تم اسے ایک لاکھ درہم دے چکو۔ اس کے بعد کوئی راگ سکھائے، تو یہ گھوڑا مع ساز و براق کے اسے دے دینا، پھر ہر راگ کے بعد ایک توڑا، اس کے بعد کوئی راگ سکھائے تو پارچے جات کا ایک ایک بکس ہر ہر راگ پر دیتے جاؤ، یہاں تک کہ جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے، سب خرچ ہو جائے۔"

وکیل ہم دونوں کو لے کر بغداد پہنچا، اس نے اپنی پیاسبری کے فرائض ادا کر دیے، اسلحہ ہمیں جی لگا کے گانا سکھانے لگا۔ پھر ہم ایک مقام "سرمین رائی" گئے، اپنے آقا سے ملے، جو کچھ سیکھا تھا، اسے سنایا، وہ بہت مسرور ہوا۔ اسلحہ موصلی بھی یہاں آیا ہوا تھا، آقائے اس سے بھی ملاقات کی، پھر ہمیں آقائے بلایا جو کچھ

اس کا ارادہ تھا وہ بتایا، اور ہمیں خلیفہ واثق باللہ کے پاس روانہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا چلتے وقت یہ تاکید کر دی کہ اسحق سے اپنے تئیں چھپانا۔ نہ اسے سلام کرنا، نہ اس پر یہ ظاہر ہونے دینا کہ تم نے اسے کبھی دیکھا ہے۔ پھر ہمیں خراسانی لباس پہنایا، اور ہم اس کے ساتھ چل کھڑے ہوئے۔ جب ہم واثق کے حضور میں پہنچے، آقائے اس سے کہا:

” امیر المومنین، یہ دونوں غلام خراسان سے خریدے گئے ہیں،

فارسی نغے کے ماہر ہیں

” رہم دونوں سے اگانا سناؤ ”

ہم نے فارسی طرز پر واثق کو اپنا گانا سنایا، وہ بہت خوش ہوا،

پوچھا:

” تم عربی میں بھی گانے ہو؟ ”

” ہاں ایسا میریوں نہیں؟ ”

اب ہم نے اسحق سے جو کچھ سیکھا تھا وہ سنانا شروع کیا، وہ ہماری طرف نظر حیرت سے دیکھ رہا تھا، ہم اسے محسوس بھی نہیں ہونے دیتے تھے کہ ہم اسے جانتے ہیں یہاں تک کہ اس کے راگ اسی کے طرز میں ہم گانے لگے۔ اب اسحق سے ضبط نہ ہو سکا، کھڑا ہو گیا، واثق سے عرض گزار ہوا:

” میرا ہر غلام آزاد، میری ہر چیز خیرات، اگر یہ دونوں میرے

شاگرد نہ ہوں ”

پھر اس نے واثق باللہ سے سارا قصہ کہا، ابو احمد نے اسحق سے کہا:

” میں نہیں سمجھتا اس گفتگو سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ ان دونوں کو

میں نے تو خراسان کے ایک نیلام کنندہ سے خریدا ہے۔
 ”تمہارا جھوٹ تو یہیں کھل گیا، بھلا ایک خراسانی انھیں یہ گانا
 سکھا سکتا ہے؟“

ابو احمد ہنسا، پھر گویا ہوا، میں نے اسحق کو دھوکا دیا، میں اگر کہتا تو
 یہ ہرگز گانا نہ سکھاتا۔“

اسحق نے کہا، ”بے شک میں چرکا کھا گیا“ ابو احمد نے دائق باللہ
 سے عرض کیا، ”اگر امیر المومنین کو یہ غلام پسند ہوں تو حاضر ہیں“ دائق نے
 کہا، ”چچا جان، میں انھیں لے کر آپ کو زحمت نہیں دینا چاہتا، لیکن
 یہ ضرور عرض کرتا ہوں، انھیں میرے پاس آنے سے کبھی منع نہ کیجیے
 گا۔“

(۶۷) لاگ ڈانٹ

مشہور گوئیہ الربعی بیان کرتا ہے کہ جعفر بن سلیمان جب مدینے کا
 گورنر تھا، اس نے ہم سے کہا، کل صبح میرے محل پر آؤ، یہ خطاب،
 مجھ سے، دحمان سے، اور عطرہ سے تھا۔ صبح کو میں دعدے کے مطابق دحمان
 کے ہاں پہنچا، وہ جھیندہ میں تھا، وہ اور عطرہ ایک ہانڈی میں لگے ہوئے
 تھے، کوئی کھانے کی چیز پکا رہے تھے، اس وقت آسمان پر ابر چھایا ہوا
 تھا، اور ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں، میں نے ان دونوں کو یاد دلایا کہ
 ہمیں جعفر کے محل جانا ہے۔

ان دونوں نے کہا، ”دیکھتے نہیں ہو آج کیسا اچھا دن ہے؟ بیٹھو!

جو کچھ ہانڈی میں ہر کھاپی لیں، لطف اٹھائیں، اور اس سہانے دن سے لطف اندوز ہوں“ میں نے کہا، ”میں تو اس کے لیے تیار نہیں ہوں، اس لیے کہ امیر وعدہ لے چکا ہے“ ان دونوں نے مجھ سے کہا، ”اب ہم امیر سے کیا عہدہ برا ہو سکیں گے؟ آج تو امیر بھی دعوت بھول گیا ہوگا۔ تم وہاں بھیگتے ہوئے جاؤ گے، اور تتر بتر ہمارے پاس واپس آؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ گے، ہم اب جو کچھ تم سے کہ رہے ہیں، وہ اس وقت مان گے۔ میں نے ان دونوں کی باتوں پر کان نہیں دھرا، اور امیر کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جعفر اپنے قصر سے برآمد ہو رہا تھا، چھول داریاں گاڑی جا رہی تھیں، بڑی بڑی دگیں چوٹوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ میں اسے سنانے کے لیے گلے لگا۔

”میں نے چاہا کہ میرے ساتھی میرے ساتھ آئیں، لیکن انھوں نے کمزوری دکھائی، صبح صبح چلنے سے انھوں نے تکلف محسوس کیا، آخر میں تن تنہا آپ کے حضور میں حاضر ہو گیا،“

جعفر نے کہا، ”یہ کیا؟“ میں نے اسے سارا قصہ سنا دیا۔ اس نے کہا، ”اس غلام چار سو دینار لاکر ربعی کی گود میں ڈال دے“ پھر مجھ سے کہا، ”تم ابھی جاؤ، تھیلی کی گردہ بھی نہ کھولو، اور ان دونوں کو جا کر دکھاؤ“ میں نے کہا، ”لیکن اس سے مجھے فائدہ؟ کل وہ دونوں آپ کے پاس حاضر ہوں گے، اور آپ انھیں پھر میرا جیسا بنا دیں گے۔ جعفر نے کہا، ”میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا“ میں نے کہا، ”میں تو یہاں سے قدم نہیں نکلنے کا، جب تک آپ قسم کھا کر وعدہ نہ کر لیں کہ ایسا نہیں کریں“

جعفر نے قسم کھا کر مجھے یقین دلایا،

اب میں ان دونوں کے پاس آیا، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، وہ دونوں
چلے اور گویا ہوئے، ”ہم نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ تمہارا یہ حال
ہوگا“ میں نے کہا، ”ہرگز نہیں“ میں نے انھیں دینار دکھائے، انھوں
نے کہا، ”بے شک امیر شریف ہے، بزرگ ہے، ہم کل اس کے پاس
جائیں گے، اور معذرت کریں گے، اس کا کرم اسے مجبور کرے گا، کہ وہ
ہمیں تمہاری ہی طرح نوازے“

میں نے کہا، ”تمہارے دل جھوٹی امید دلا رہے ہیں، خدا کی
قسم میں نے بات سچی کر لی ہے، اور اس پر قسم بھی کھلو والی ہے کہ وہ ایسا
نہیں کرے گا“

انھوں نے کہا، ”خدا کا تجھ پر غضب نازل ہوا“

(۶۸) فرزدق اور ایک انصاری

ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ ابان بن عثمان کے زمانہ امارت میں فرزدق مدینے
آیا۔ فرزدق، کثیر عزم، مسجد میں بیٹھے ہوئے، ایک دوسرے کو اشعار سنار ہے
تھے۔ اتنے میں ایک ڈبلا پتلا نوجوان زرد رنگ کے دو کپڑوں میں لپٹا ہوا
ہمارے سامنے آیا، وہ ہمارے قریب آگیا۔ اس نے کسی کو سلام نہیں کیا،
آتے ہی پوچھا، ”تم میں فرزدق کون ہے؟“ مجھے خیال ہوا کہ وہ قریش
میں سے ہے۔ میں نے کہا، ”تم اس طرح عرب کے سب سے بڑے
شاعر کا ذکر کرتے ہو؟“ اس نے کہا، ”اگر یہ بات ہوتی تو میں اس طرح

اس کا ذکر کرتا "فرزدق نے کہا، "تو ہر کون ؟ تیری ماں مرے ؟" وہ بولا "ایک انصاری، یکے از بنی نجار، میں ابو بکر بن حزم کا بیٹا ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے تو اپنے تئیں سب سے بڑا عرب شاعر سمجھتا ہے، اور قبائل میں قبیلہ مضر کو سب پر فضیلت دیتا ہے۔ ہمارے شاعر حسان بن ثابت نے بھی کچھ شعر کہے ہیں، میں چاہتا ہوں انھیں تیرے سامنے پیش کروں، اور تجھے ایک سال کی مہلت دوں، اگر تو نے ویسے ہی اشعار کہ دیے تو جیسا کہ کہا جاتا ہے میں بھی تجھے سب سے بڑا عرب شاعر مان لوں گا، اور اگر تو نہ کہ سکا تو، تو جھوٹا ہے، یا وہ گوہر" پھر اس نے حضرت حسان کے حسب ذیل اشعار پڑھے :-

"ہمارے لیے جنگ و پیکار کے شدائد نے جو چیزیں
چھوڑی ہیں، وہ کیا ہیں ؟ تلواریں، زرہیں، اور بڑے بڑے
شکر!"

جب کوئی جماعت قبیلہ معد میں سے جنگ آزما ہونے
کا ارادہ کرتی ہے، یا غستان کی، ہم اپنے گھاٹوں کی حفاظت
کرتے ہیں کہ نہدم نہ کر دیے جائیں،
ہر اس نوجوان کے ساتھ ہم حفاظت کے فرائض انجام
دیتے ہیں، جس کی شجاعت مانی ہوئی ہے، جسے بہادریوں
کی تلواروں کی جھنکار نے میدان میں لاکھڑا کیا ہے، جس کے
بدن سے مشک کی خوش بو آرہی ہے، اور جو خون میں لت
پت ہے،

بنی عنقا اور فرزندانِ محرق ہماری ہی پود ہیں، پس

ہماری عزت کرو، جانتے ہو ہم کس کے ماموں ہیں؟ اور کس
کی اولاد ہیں؟

اگر رات کو کوئی مہمان آجائے تو ہم چربی چڑھے ہوئے
صبح سالم گوشت سے اس کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔
ہمارے پاس بڑے بڑے تسلیے ہیں جو صبح کی ہلکی دھوا
میں چمکتے ہیں، اور ہمارے پاس اچھی اچھی تلواریں ہیں جن
سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، (یعنی ہم بہادر بھی
ہیں اور مہمان نواز بھی)۔“

اس نے یہ پورا قصیدہ پڑھ ڈالا جو تقریباً ۳۵ اشعار پر مشتمل تھا
پھر اس نے کہا، میں تمہیں اس کے جواب کے لیے پورے ایک سال کی
مہلت دیتا ہوں، یہ کہ کے وہ چلا گیا، فرزوق بھی غصے میں بھرا ہوا اٹھ
گیا، وہ بُری طرح اپنی لٹکی ہوئی چادر کو گھسیٹ رہا تھا، اسے ہوش نہیں
تھا کہ کدھر جا رہا ہے؟ یہاں تک کہ وہ مسجد سے نکل گیا۔

کثیر نے مجھ سے کہا، ”خدا اس انصاری سے سمجھ، کم بخت کی
زبان کتنی فصیح ہے، باتیں کتنی واضح ہیں، شعر کتنے پاکیزہ ہیں؟“

دن کے باقی حصے میں بھی ہم اسی انصاری اور فرزوق کی باتیں کرتے
رہے، یہاں تک کہ دوسرا دن نمودار ہوا، میں اپنے گھر سے نکل کر کل کی
مجلس میں پہنچ گیا۔ کثیر بھی آگیا، اور میرے پاس بیٹھ گیا، ہم فرزوق ہی
کی باتیں کر رہے تھے۔ کہ رہے تھے، ”کاش اس نے کچھ کہ لیا ہو“ اتنے
میں خود فرزوق ہماری مجلس میں آگیا، وہ خوش نما دھاری دار بینی کپڑے
میں ملبوس تھا۔ اپنے دامن اس نے لٹکا رکھے تھے، وہ اپنی کل کی جگہ پر

آکے بیٹھ گیا، اس نے کہا، ”انصاری بھی کیسی باتیں کر گیا“ رادی کہتا ہے ہم نے انصاری کو بُرا بھلا کہا، پھر فرزدق نے کہا، ”خُدّا اس انصاری کو غارت کرے، ایسے آدمی سے میری کبھی مڈ بھیر نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ایسے شعر کبھی نہیں سنے تھے۔ تم لوگوں کے پاس سے اُٹھ کر میں اپنے گھر گیا، میں نے پوری توجّہ سے فکرِ شعری، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں کھویا کھویا سا ہوں۔ میں شعر کہ ہی نہیں سکتا، یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی، پھر میں اپنی سانڈنی پر بیٹھا، اس کی مہار اپنے ہاتھ میں لی، اور ذباب پہنچ گیا۔ پھر میں نے بلند آواز میں پکارا، ”تمھارا (یعنی شیطان کا) بھائی آیا ہے“ یہ آواز دیتے ہی میرا سینہ اس طرح جوش مارنے لگا جیسے ہانڈی کھد کھد رہی ہو۔ میں نے اپنی سانڈنی کو باندھ دیا، اس کے پیروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، اور اس وقت اٹھا جب میں نے ایک سو تیرہ شعر کہ لیے۔ وہ اپنے اشعار سنار ہاتھاکہ وہی انصاری آ گیا، ہمارے قریب آ کر ہمیں سلام کیا، اور کہا، ”میں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ قبل از وقت تم سے تقاضا کروں، لیکن مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جب تمہیں دیکھوں پوچھ گچھ کر لیا کروں“ فرزدق نے اس سے کہا، ”بیٹھو اور سُنو۔“

”تم مقامِ اعنائش سے دُور ہو، مگر درحقیقت دُور نہیں ہو، تم حدرد سے لاعلمی ظاہر کرتے ہو گویا اسے نہیں پہچانتے۔ تمہیں دردِ فرقت نے گھیر لیا، گویا تم جس گھر میں ہو اس میں موت کا جلوہ (بجائے جلوہٴ محبوب کے) دیکھ رہے ہو“

لہ مدینہٴ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

یہاں تک کہ وہ اس شعر پر پہنچا:-
 ”تم لوگوں کو دیکھو گے، جب ہم چلتے ہیں تو وہ ہمارے
 پیچھے پیچھے چلتے ہیں، اور جب ہم اشارہ کر دیتے ہیں تو وہ
 ٹھہر جاتے ہیں“

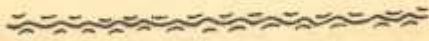
فرزدق نے اسے اپنا پورا قصیدہ سنا دیا، انصاری بہت ملوں
 ہو کر اٹھا، جب وہ چلا گیا تو اس کے والد ابو بکر بن حزم آئے، یہ انصاری
 کے بڑے بوڑھوں میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے ہمیں سلام کیا،
 اور کہا، ”ابو فراس! تم ہماری حیثیت اور درجے سے واقف ہو، جو
 آنحضرتؐ کے دربار میں ہمیں حاصل تھا۔ انھوں نے ہمارے لیے وصیت
 بھی فرمائی تھی، ہمیں معلوم ہوا کہ ہم میں سے ایک بے وقوف نے
 تم سے چھٹڑ چھاڑ کی، ہم تمہیں خدا اور رسول کا واسطہ دے کر التجا کرتے
 ہیں، وصیت رسول کا پاس کرو“

محمد بن ابراہیم کہتے ہیں، میں نے اور کئی نے فرزدق پر بہت زور
 دیا کہ وہ مان جائے، جب ہمارا اصرار بہت بڑھا، تو اس نے ابو بکر
 سے کہا، ”تشریف لے جائیے، اس قرشی کی بدولت میں خاموش ہوا
 جاتا ہوں“

(۶۹) خوب بے وقوف بنے!

احوص اور ابن سرج مدینے آئے، دونوں ایک سرانے
 میں اتر پڑے کہ باہر جانے سے پہلے نہادھولیں، اتنے میں عدی

عرفت الد یاد تو ہما فاعتادھا من بعد ما شمل البسلی ابلادھا
 عدی خوش ہو گیا، اس نے کہا، "خدا کی قسم امیر المومنین ایسا گانا میں
 نے کبھی نہیں سنا، میرا خیال ہے اس سے بہتر اور اچھا گانا تو ہی نہیں سکتا۔
 اگر یہ گانا امیر المومنین کی مجلس میں نہ ہو رہا ہوتا تو میں سمجھتا یہ کوئی جن ہے جو
 گارہا ہے۔ کیا امیر المومنین مجھے اجازت دیں گے کہ میں کچھ عرض کروں؟"
 خلیفہ نے کہا، "کہو!" اس نے کہا، "ایسا کامل آدمی امیر المومنین کے
 پاس موجود ہے پھر بھی وہ ابن سرتج کو یاد فرماتے ہیں جو قریش کی، اور عرب
 کی گردن پر پانور کھتا ہے، کہا جاتا ہے، "عبید بن سرتج گوئیے کو جو بنی نوفل
 کا غلام ہے، امیر المومنین نے یاد فرمایا ہے کہ اس کا گانا سنیں" خلیفہ ہنسا،
 پھر اس نے کہا، "اسے باہر لاؤ!" غلام نے ابن سرتج کو اوٹ سے
 باہر نکالا، عدی نے جب اسے دیکھا تو شرمندگی سے گردن جھکالی، اور
 کہا، "میں خدا سے توبہ، اور اسی بھائی تم سے معذرت کرتا ہوں، مجھے
 نہیں معلوم تھا، تمہاری یہاں یہ منزلت ہے، تمہاری شایان شان یہ ہے
 کہ میری غلطیوں اور لغزشوں سے درگزر کرو"
 ولید نے دونوں کو برابر انعام دیا، وہ اس دن رات گئے تک
 ان ہی دونوں کے ساتھ رہا!



بن رقلع کا بھی اسی طرف آنا ہوا وہ ان دونوں کے پاس ٹھہر گیا، جب رات ہوئی تو یہ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے، عدی بن رقلع نے ابن سرتج سے کہا، ”ہم باہر اس لیے نکلے تھے کہ امیر المومنین کے پاس حاضر ہوں۔ ہمارا ان کے پاس جانا، عربی نوقل کے غلام تیرے پاس ٹھہرتے سے زیادہ اچھا تھا، ابن سرتج نے کہا، ”یہ کیوں کر؟“ جواب ملا، اس لیے کہ تم ہمیں بہلا لو گے اور وہ ارادہ فراموش کرادو گے جو ہم سوچ رہے ہیں۔ ابن سرتج نے کہا، ”تو ہمارے اوپر احسان رکھ رہا ہے کہ ہم تمہارے پاس ٹھہرے، میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ میں کسی چھت کے نیچے آرام سے نہیں سوؤں گا جب تک امیر المومنین کے پاس نہ پہنچ جاؤں، یہ کہہ کر وہ ان دونوں کے پاس سے چلا گیا۔“

ولید جب بادیہ سے واپس آیا تو اس نے ان دونوں کو اجازت دی یہ حاضر ہوئے، اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ابن رقلع اور ابن سرتج کے مابین کیا گزری تھی؟ پہلے اس نے ابن سرتج کو طلب کیا اور ایک جگہ چھپا دیا۔ پھر اس نے عدی کو بلایا، وہ حاضر ہوا، اس نے اپنا مدعیہ قصیدہ سنایا جب وہ فارغ ہوا، خلیفہ نے بعض خدام کی طرف کچھ اشارہ کیا، اس نے ابن سرتج سے کہا، اس نے ابن رقلع کے طرز میں اپنا شعر گایا، جس میں اس نے ولید کی مدح کی تھی:-

لے عدی بن زید بن مالک بن عدی بن رقلع بنی امیہ کے دربار میں اس کی بڑی پوجھ ہوتی تھی، ولید بن عبدالملک کی مدح اس نے خاص طور پر بہت کی ہے۔ ابن سلام نے، شعراء اسلام کے طبقہ ثانیہ میں اسے رکھا ہے، یہ دشتق کا رہنے والا تھا، دہقان نہیں شہری تھا۔

(۷۰) فرش سے عرش پر

علی بن محمد نوفلی کا بیان ہے کہ ان کے والد بعض کلابیوں میں اہل بادیسے روایت کرتے ہیں کہ ابوالمعلقؓ بہت باعزت آدمی تھا۔ اس کا جب انتقال ہوا، تو اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اپنے پسماندگان میں وہ معلق اور تین لڑکیوں کو چھوڑ گیا تھا۔ اس اولاد کے لیے ترکہ کیا چھوڑا؟ ایک سائڈنی، اور دو بہترین چادروں کے محلے۔ جب کوئی مہمان آجاتا، تو انھی محلوں سے اس کی مدارات کا انتظام کیا جاتا۔ اعشیؓ کسی سفر سے واپسی میں اپنے گھر بیٹھا جاتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ وہ اس گھاٹ پر اترتا جہاں سے معلق کا تعلق تھا۔ گھاٹ والوں نے اعشیؓ کی پرتکلف مہمان داری کی۔ معلق کی پھپھی نے اس سے کہا، ”برادر زادہ! یہ اعشیؓ ہے جو ہمارے گھاٹ پر آیا ہوا ہے۔ گھاٹ والوں نے اس کی مہمان داری بھی کی، اہل عرب کا خیال ہے، اعشیؓ جس کی مدح کر دیتا ہے اسے اونچا کر دیتا ہے، جس کی ہجو لے ابوالمعلق، بکر بن کلاب، بن بنی عامر کی اولاد میں سے ہیں، یہ اعشیؓ کے مدوح ہیں، ان کا نام معلق اس لیے پڑ گیا کہ ان کے گھوڑے نے ان کے چہرے پر دانت مار دیا تھا، جس کا نشان ”حلقے“ کی صورت میں باقی رہ گیا تھا۔

لے اعشیؓ۔ نام میمون بن قیس، کنیت ابو بصیر، شعراء جاہلیتہ میں اس کا پایہ بہت بلند ہے، محمد بن سلام نے یونس النومی سے پوچھا، ”سب سے اچھا شاعر کون ہے؟“ انھوں نے جواب دیا، امر القیس، جب برہم ہو، نابغہ جب دہشت میں ہو، زہیر جب مائل ہو، اور اعشیؓ جب مسرور ہو!

کرتا ہوا سے ذلیل بنا دیتا ہے، جو کچھ میں کہتی ہوں اسے سُنو! ایک مشکیزہ میں اچھی سی شراب لے لو، وہ مشکیزہ اس سائڈنی اور اپنے باپ کی دونوں چادریوں کے ساتھ اعشی کو بھیج دو، خُدا کی قسم، اگر کوہان، تلی اور شراب اس کے پیٹ میں پہنچ گئی اور اس نے اپنے شانوں پر یہ دونوں چادریں دیکھیں تو وہ ضرور تمھاری مدح میں شعر کہے گا جس سے تمھارا مقام بلند ہو جائے گا۔“ معلق نے کہا، ”یہی ایک سائڈنی میری کل کائنات ہے، میں تو اس کے دودھ سے لو لگائے ہوئے ہوں۔ وہ اسی فکر میں کبھی باہر جاتا، کبھی اندر آتا۔ سوچتا اور کر کچھ نہ سیکتا، جب وہ اپنی پھپھی کے پاس آتا، وہ اسے برا بکھینچتے کرتی، یہاں تک کہ ایک دفعہ باہر سے آکر اس نے کہا، ”اعشی تو چلا گیا“ اس کی پھپھی بولی، ”خُدا کی قسم یہ تو ضیافت سے بھی اچھا ہوا، تم اس کے پیچھے پیچھے اپنے باپ کے غلام کو بھیج دو، جہاں بھی ملاقات ہو وہ اسے بتائے کہ تم گھاٹ سے باہر گئے ہوئے تھے، جب آئے اور معلوم ہوا کہ وہ آیا تھا، تو تمھیں یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ اس کی مہمان داری کی سعادت سے محروم رہو، اگر تم نے یہ کیا تو یہ اس کی ضیافت سے بھی بہتر رہے گا“ اس کی پھپھی برابر اسے برا بکھینچتے کرتی رہی، یہاں تک کہ وہ ایک تاجر کے پاس گیا، اس سے ایک مشکیزہ شراب کی قیمت قرض لی، اور ضمانت دے دی، تاجر نے شراب دے دی۔ اس نے اوٹنٹ، نٹرا اور دونوں چادریں اپنے باپ کے غلام اسود کے ہاتھ روانہ کر دیں۔ وہ اعشی کے پیچھے پیچھے چلا، جب وہ کسی گھاٹ پر سے گزرتا، اسے یہی بتایا جاتا، ”اعشی تو کل یہاں سے چلا گیا، یہاں تک کہ اسود اعشی کے گھر بیمار میں پہنچ گیا، اعشی کے پاس گئی۔ لوجوان بیٹھے ہوئے تھے، جن کو

خوب کھلایا پیا، اُن چادروں کے ٹلے پہن لیے، جو محلق نے بھیجی تھیں،
پھر اپنے داہنے بائیں دیکھا، اور کہا:۔

” تمہارے کارناموں کا شہرہ خوب پھیل گیا، نجد و عراق
میں اسی کا ذکر سن کے لوگ پڑاؤ ڈالتے ہوئے چلے آ رہے
ہیں، یہی ذکر ہے جو لوگوں کا سامانِ سفر بندھواتا ہے، ہر منزل
میں خیمے کی رسیاں کبھی کھولی جاتی ہیں کبھی باندھی جاتی
ہیں۔“

یہ اشعار فوراً لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے اور سارے عرب میں
پھیل گئے۔ ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ محلق نے اپنی تینوں بہنوں
کی شادیاں کر دیں۔ ہر بہن کے نکاح پر اس کو ستواؤنٹیاں ملیں،
پھر وہ فارغ البال ہو گیا، اور عزت کی زندگی بسر کرنے لگا۔

(۷۱) اسحق موصلی اور واثق باللہ!

خلیفہ واثق باللہ جب خود کوئی راگ ایجاد کرتا تھا، اور اسے
اسحق موصلی کی خدمت میں پیش کرتا تھا تو اپنے بجائے کسی اور کی طرف
منسوب کر کے پیش کرتا، کہتا، ”بعض بڑی بوڑھیوں سے، ہم نے یہ راگ
سنا ہے“ اسحق اپنے معیار پر اسے جانچتا، اور پرکھتا، بہتر پاتا تو تعریف کرتا،
ناقص دیکھتا تو بے تکلف اس کی کمزوریاں ظاہر کر دیتا، واثق کی مرضی
ہوتی تو وہ اسحق سے استعفا کرتا کہ اس کی ضروری اصلاح کر دی جائے۔
کبھی اسحق کی تنقید سے متاثر ہو کر، اس راگ کو نظر انداز کر دیتا۔

اس نے بغیر گوشت کے ناشتہ کرایا تھا اور شراب سامنے رکھ دی تھی، وہ لوگ شراب پی رہے تھے کہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی، اعشی نے کہا، ”دیکھو تو کون ہے؟“ نوجوان باہر آئے، مہلق کا غلام باہر کھڑا تھا اس نے سب وہی باتیں کہیں، وہ لوگ اسے اعشی کے پاس لے گئے، اور کہا، ”یہ مہلق کلابی کا قاصد ہے آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہے اس نے کہا، ”کم بختو! یہ تو ایک دہقانی ہے، اور جس نے اسے بھیجا ہے اس کی بھی کوئی منزلت میری آنکھوں میں نہیں، خدا کی قسم اگر اس نے شراب، تلی، اور کوہان میرے پیٹ میں پہنچا دیا ہوتا تو میں اس کی شان میں ایسے شعر کہتا کہ کبھی نہیں کہے ہوں گے“

نوجوان نے کہا، ”آپ ہم سے بہت عرصے تک جُدا رہے، پھر ہم آپ کے پاس آئے، آپ نے ہمیں گوشت تو کھلایا نہیں، شراب بھی پلائی تو معمولی، اب گوشت اور شراب آپ کے دروازے پر ہے ہم اسے کیسے گوارا کر لیں کہ اسے واپس جانے دیں؟“
اعشی نے کہا، اچھا، اسے اندر بلا لو، غلام آیا۔ اور اس نے مہلق کی طرف سے سب باتیں کہیں، پھر اس نے دروازے ہی پر ساٹنی بٹھا دی، مشکیزہ اور چادریں سامنے رکھ دیں، اعشی نے کہا، ”مہلق سے میرا سلام کہنا، اور کہنا تمہارا تحفہ پہنچ گیا، ہم بہت جلد تمہاری مدد کریں گے“

نوجوان لٹھے، انھوں نے ساٹنی ذبح کر ڈالی، اس کی پیٹھ اور کوہان کا گوشت اور چربی لکالی، کھال اتاری، لے کر اندر آئے، گوشت کو خوب بھونا، اور شراب کا دور جاری ہوا، اعشی نے بھی ان کے ساتھ

”تم کون ہو؟“

”میں ہوں صعصعہ بن ناجیہ بن عقلم“

”مرجبا، مرجبا، آؤ، برادر زانہ کس فکر میں ہو؟“

”میری دو اوتھیاں کم ہو گئیں، انھی کی تلاش میں سرگرداں ہوں“

”میں نے انھیں پالیا ہے، مضبوط رسی سے باندھ رکھا ہے“

”یہ آپ آگ کیوں جلائے چلے جا رہے ہیں؟“

”ایک عورت ماں بننے والی ہے“

اتنے میں عورتوں نے کہا:-

”بچہ مبارک“

”اگر لڑکا ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ کیا کروں؟ اور اگر لڑکی ہو تو قبل اس

کے کہ میں اس کی آواز سنوں، اسے قتل کر دوں گا“

”تو بہ تو بہ قتل کرو گے؟ وہ بھی تو تمھاری ہی لڑکی ہے، رہا رزق

سودہ خدا دے گا“

”جی نہیں، میں تو ضرور قتل کر دوں گا“

”خدا سے ڈرو“

”تمھیں اتنی ہمدردی ہے تو خرید کیوں نہیں لیتے؟“

”میں راضی ہوں، خرید لوں گا“

”کیا دو گے؟“

”اپنی دونوں اوتھنیوں میں سے ایک“

”یہ تو کچھ نہ ہوا“

”اچھا، دونوں!“

”نہیں بھائی، جس اونٹ پر تم بیٹھے ہو، مجھے تو یہ بھی بہت بھارا ہوا ہے، یہ بھی دے دو تو بات ہوا“

”اچھی بات، یہ اونٹ بھی لے لو“

میں نے اس بوڑھے کی نوزائیدہ لڑکی، اپنی دو اونٹنیوں اور ایک اونٹ کے بدلے میں لے لی، اُسے وہیں چھوڑ دیا، اور اس بوڑھے سے عہد و میثاق لے لیا کہ اس کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرے، اچھی طرح کھلانے پلانے۔

پھر میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا اور قسم کھالی کہ اگر کوئی باپ اپنی لڑکی کو قتل کرنا، یا زندہ دفن کرنا چاہے گا تو میں دو اچھی اونٹنیوں اور ایک اونٹ کے بدلے میں اسے خرید لوں گا، یہاں تک کہ اسلام آیا، اس وقت تک میں، تین سو لڑکیوں کو اسی طرح خرید چکا تھا؟

(۷۳) کنجوس گورنر!

اشعب کا بیان ہے کہ عامر بن لوی کا ایک لڑکا مدینے کا گورنر بنایا گیا، یہ بے انتہا نجیل اور کنجوس تھا۔ مجھے وہ بہت پسند کرتا تھا، دن رات باندھ باندھ کر اپنے پاس رکھتا تھا۔ اگر میں اس کے پاس سے بھاگ جاتا تھا، تو پولیس کے سپاہیوں کو بھیج کر مجھے پکڑوا بلاتا تھا۔ اگر کسی اور کے ہاں جا کر منہ چھپاتا تھا تو میرے ساتھ اس کی بھی شامت آجاتی تھی۔ مجھ سے یہی مطالبہ رہتا تھا کہ اسے نئی نئی حکایتیں سنایا کروں، مزے مزے کے قصے بیان کیا کروں۔ نہ مجھے آرام کا موقع تھا، نہ سونے کی فرصت۔ پھر طرہ یہ کہ نہ مجھے

کچھ کھانے کو ملتا تھا، نہ کوئی رقم دی جاتی تھی، میں عجیب ناقابلِ برداشت مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔

حج کا زمانہ آیا، اس نے مجھ سے کہا، "اشعب، میرے ساتھ گئے چلو" میں نے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں تو بیمار ہوں، میری حج کی نیت ہی نہیں ہے" یہ سن کر وہ بہت بگڑا، بہت خفا ہوا، کہنے لگا، "اگر تم میرے ساتھ نہ گئے، تو میں تمہیں جیل میں ڈال جاؤں گا، میرے آنے تک وہیں پڑے سڑتے رہنا،"

چار دن چار میں اس کے ساتھ گئے روانہ ہوا، جب ہم ایک پڑاؤ پر اترے، اس نے کہا، "میں تو روزے سے ہوں" یہ کہہ کر وہ سو گیا، میں بھوکا بیٹھا رہا، تنہائی میں وہ اپنے دسترخوان پر بیٹھا، غلام کو حکم دیا، دو چائیاں اور تھوڑا سانمک مجھے دے دیا جائے، میں یہ زہر مار کر کے خاموش ہو رہا۔۔۔۔۔ ظاہر میں وہ دن بھر روزے سے رہتا تھا میں بڑی بے چینی سے مغرب کا انتظار کیا کرتا تھا۔ نماز مغرب کے بعد میں نے غلام سے کہا، "اب کیا انتظار ہے؟" اس نے کہا، "سرکار تو نڈت ہوئی کھا چکے"

"تو کیا وہ روزے سے نہیں تھے؟"

"نہیں"

"تو کیا مجھے فاتحے سے رہنا پڑے گا؟"

"تمہارا کھانا تیار ہے، کھاؤ گے؟"

یہ کہہ کر اس نے دو چائیاں اور تھوڑا سانمک میرے پاس لا کر رکھ دیا، صبح ہوئی، ہم پھر آگے بڑھے، ایک پڑاؤ پر پہنچے۔ اس نے اپنے

غلام سے کہا، "ایک درہم کا اچھا سا گوشت لے آؤ" جب وہ گوشت لے آیا، حکم ہوا "کچھ کے پارچے بنا لو کچھ کے کباب" غلام نے ایسا ہی کیا ہانڈی چولھے پر رکھ دی گئی، تھوڑی دیر کے بعد وہ کھانے بیٹھ گیا، فرمائیں کر کر کے گوشت نت نئے طریقوں سے پکواتا، اور کھاتا رہتا۔ میں پاس بیٹھا ہوا، یہ سب منظر دیکھ رہا تھا، کم سخت نے مجھے جھوٹوں بھی نہ پوچھا۔ جب سارا گوشت چٹ کر لیا، غلام سے کہنے لگا، "اشعب کو بھی تو کھلاؤ، یہ کہہ کر دو چپاتیاں میری طرف پھینک دیں، میں چپاتیاں لے کر ہانڈی کے پاس گیا، وہاں ہڈیاں تھیں، یا تھوڑا سا شور بہ کسی نہ کسی طرح میں نے روٹیاں کھائیں، اب اس کے سامنے خشک میوے کا ڈبہ لایا گیا۔ وہ مٹھی بھر بھر کر نکالتا اور پھانک جاتا۔ ایک دفعہ مٹھی میں کچھ بے چھلے ہوئے بادام رہ گئے، وہ میری طرف پھینک دیے، اور فرمایا، "اشعب! کھاؤ!" میں نے باہر نکل کر ان کو توڑنے کے لیے پتھر تلاش کیا، اور بادام توڑنے لگا، کبھی وہ ہاتھ سے پھسل جاتا، کبھی پھٹا ہوا گودا نکلتا۔ اسی اثنا میں میں نے دیکھا، بنو مصعب باواز بلند "بئیک اللہم بئیک" کہتے ہوئے جا رہے ہیں، میں نے آواز دی:-

"مدد، مدد، اے آل زبیر مدد، مجھ تک پہنچو، مجھے بچاؤ"

وہ لوگ میری طرف آئے کہنے لگے:-

"اشعب کیا ہے؟"

"مجھے اپنے ساتھ لے چلو، موت کے پنجے سے بچاؤ"

وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے، راستے میں پوچھا:-

"کچھ کہو تو بات کیا تھی؟"

”ابھی نہیں، نین دن کا بھوکا پیاسا ہوں، پہلے کچھ کھلاؤ“
انہوں نے مجھ اچھی طرح کھلایا، پھر کہنے لگے:-
”اب اپنا ماجرا سناؤ؟“

میں نے شروع سے آخر تک سارا قصہ کہ سنایا، وہ لوگ تہنقہ مار مار کر
ہنسے، تالیاں بجائیں، کہنے لگے، ”تم کہاں سے اس معیبت میں پڑ گئے
تھے؟ یہ شخص تو بڑا کنجوس اور بے حد کینہ ہو“
پھر میں نے قسم کھائی کہ ”میری بیوی پر طلاق پڑے، اگر میں اس
کی گورنری کے زمانے میں مدینے جاؤں ”جب تک وہ معزول نہیں
ہو گیا، میں مدینے نہیں گیا“

(۷۴) قاتل کا قاتل

عدیل کے آٹھ بھائی تھے، ان کی ماں شیبان کی ایک عورت تھی۔
ان بھائیوں میں تین کے نام، اسود، سوادہ، اور شملہ تھے، عدیل بڑا بہادر
اور بہت اچھا شاعر تھا۔ اس کا ایک ابن عم تھا جس کا نام عمرو تھا۔ اس
نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کر لی اور ان سے پوچھا تک نہیں۔ یہ
لوگ اس پر بہت برہم ہوئے، انہوں نے اسے مارنے پیٹنے کی تیاری
کی۔ عمرو باہر نکلا، اس کے ساتھ اس کا غلام دارینج بھی تھا۔ عدیل اپنے
بھائیوں کے ساتھ لپکا، سب نے تلواریں سونت لیں، ان کی ماں نے
لہ العدیل، بن قرح، عہد امویہ کا ایک ممتاز شاعر، بصرے میں وفات پائی، فرزدق سے اس
کی بڑی دوستی تھی، اس کی وفات پر فرزدق نے ایک پُرورد مرثیہ بھی لکھا۔

کہا، ”میں تمہارے شر سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں“ اس کے بیٹے اسود نے جواب دیا، ”تم کس بات سے خوف کھا رہی ہو؟ خدا کی قسم اگر ہم اپنی تلواریں کھینچ کر قراقر کی طرف بڑھے تو وہ لوگ ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے“ یہ سب بھائی آگے بڑھے اور عمرو کے پاس پہنچے۔ وہ انہیں دیکھ کر مخالف ہو گیا، انہیں اس نے واسطے دیے، لیکن انہوں نے کچھ نہ سنا۔ سواد نے اس پر حملہ کیا اور تلوار مار دی۔ عمرو نے بھی جواب میں تلوار کا دار کیا، اور اس کی ٹانگ اڑادی، سواد نے کہا:-

”کوئی ہے جو پانوں کے بدلے پانوں خریدے؟ وہ پانوں جو

درماندہ ہو گیا اور اب ایستادہ ہونے سے معذور ہے“

عمرو نے داعی سے کہا، ”حملہ کر پھر تو آزاد ہے“ اس نے ان بھائیوں پر حملہ کیا، اور ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ پھر عمرو نے حملہ کیا اور دوسرے کی گردن اڑادی، یہ دونوں اسی طرح قتل کرتے رہے، یہاں تک کہ چار آدمی انہوں نے قتل کر دیے، عدیل کے سر پر بھی زخم آیا، پھر وہ لوگ متفرق ہو گئے، داعی بھاگ کر شام پہنچا۔

ریض بن نعمان شیبانی نے عدیل کے سر کا علاج کیا۔ عدیل وہاں کچھ عرصے تک ٹھہرا، پھر کچھ مدت کے بعد وہ حج کے ارادے سے نکلا، اسے معلوم ہوا، داعی بھی حج کرنے کے لیے آیا ہوا ہے اور اب واپس جا رہا ہے، شام ہی جائے گا، سواری کا انتظام کر چکا ہے۔ عدیل نے اس کی نگرانی شروع کی، جب داعی چلا تو عدیل بھی اپنے اونٹ پر بیٹھ کر روانہ ہوا، وہ ڈھاٹھا باندھے ہوئے تھا اور داعی کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، یہاں تک کہ بالکل اس کے اونٹ کے پیچھے پہنچ گیا، وہ عدیل ہی کے شر سے عدی خوانی

کر رہا تھا۔

”اوسلی کے مکان، جو مقام ذی قار میں ویران ہو گیا ہے،
کیا گھر کے ویران ہونے میں کوئی مار ہے؟
ایسی حالت میں جب کہ اوشنیوں پر سیاہ رنگ کا جھول
پڑا ہوا تھا، اوشنیاں ازن کے جھول کے نیچے سے نکل
رہی تھیں۔“

عدیل بالکل اس کے پاس پہنچ گیا، اپنے اؤنٹ کو اس کے پیچھے
پیچھے رکھا، اور آہستہ آہستہ چل رہا تھا، داغ بھی تیز نہیں جا رہا تھا، پھر
اس کا اؤنٹ کچھ آگے نکل گیا، عدیل کی خواہش تھی واڈی حنین تک
اس سے ذرا الگ الگ رہے۔ اس سے عدیل نے کہا، ”میرے کجاے
کی رستی ڈھیلی ہو گئی ہے، میں اسے ٹھیک کرنے کے لیے نیچے اترتا ہوں،
ذرا تم بھی میری مدد کرو، یہ کہہ کے عدیل نیچے اتر آیا اور اپنا کجاہ ٹھیک
کرنے لگا، داغ بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگا، یہاں تک کہ جب عدیل نے
کجاہ کس لیا، تو اس نے تلوار نکالی، اور کس کے ایک ہاتھ جو مارا تو داغ
وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عدیل اپنی سواری پر بیٹھ گیا، اور آہستہ
آہستہ گنگنائے لگا۔

”کیا تو نے نہیں دیکھا میں نے اپنی تلوار سے داغ پر
عظمت حاصل کر لی؟ اگرچہ وہ ایسا بدلہ تھا جس نے میرے
دل کی بھر اس نہیں نکلنے دی۔

واڈی حنین میں جب چودھویں کا چاند چمک رہا تھا

میں نے اسے خوف زدہ کر دیا، ایسی تلوار سے جو فولاد کے پانی سے طمع کی ہوئی تھی۔

میں نے ان سے کہہ دیا، یہ راستہ تمہارے سامنے ہے، میں نے کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی، جب کہ وہ اپنے رہنما کے ساتھ جا رہے تھے۔“

(۷۵) حجاج اور ایک شاعر

ابو عمر اشیبانی کا بیان ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے عدیل کی تلاش شروع کی، تو حالت یہ تھی کہ گویا زمین اسے پھینک رہی تھی۔ جس مکان میں وہ پناہ لیتا تھا وہاں سے اسے بھاگنا پڑتا تھا، آخر وہ قبیلہ بکر بن وائل کے پاس آیا، قبیلے کے لوگ باوہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بنو شیبان، بنو عجل، اور بنو لیشکر بھی وہیں تھے، ان لوگوں نے عدیل سے اپنی کیفیت بیان کی، اور کہا، ”وہ مجھے پائے گا تو مار ہی ڈالے گا، کیا تم مجھے پناہ دو گے؟ تم تو عربوں میں سب سے زیادہ معزز ہو“ انھوں نے جواب دیا، ”ہمیں خدا کی قسم نہیں، حجاج رسوائی نہیں قبول کرے گا، ہم تمہیں اس سے مانگ لیں گے، اگر وہ راضی ہو گیا تو خیر پھر کوئی بات نہیں ہے، اور اگر اس نے انکار کر دیا، تب بھی ہم تمہیں بچالیں گے، اور امیر المومنین سے تمہیں مانگ لیں گے“

۱۰ حجاج بن یوسف، عہدِ امویہ میں دس برس تک حجاز اور عراق کا گورنر رہا، ولید بن عبدالملک کے زمانے میں اس نے وفات پائی، بڑا ظالم اور سفاک تھا!

عدیل وہیں ان لوگوں کے پاس ٹھہر گیا۔ بکر بن وائل کے بڑے بیٹے لوگ حجاج کے پاس گئے، انہوں نے اس سے کہا، "اے امیر ہم نے تیری ایک خطا کی ہے، ایسی خطا جس کی بخشش نہیں ہو سکتی، اسے ہم نے پناہ دے دی ہے، ہم آپ کے سامنے دست بستہ حاضر ہیں، اگر آپ نے اسے ہمیں بخش دیا تو آپ کے یہ شایان شان ہے، اور اگر نہیں تو آپ کو اختیار ہے، آپ مالک ہیں، عادل ہیں، حجاج ہنسنا، اس نے کہا، "میں نے سب خطا میں معاف کر دیں لیکن عدیل جیسے فاسق کا جرم معاف نہیں ہو سکتا، وہ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے، انہوں نے کہا، "اے امیر تیری جیسی شخصیت کے لیے یہ سزا وار نہیں کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں اور ہوا خواہوں کی درخواست استثناء کے ساتھ منظور کرے، اگر مناسب ہو تو اپنے ارشاد کو کسی استثناء سے محدود نہ کیجیے، اور سب سے پہلا عطیہ ہیں یہ رحمت ہو کہ عدیل ہمیں بخش دیا جائے۔ حجاج نے کہا، "اچھا میں نے اسے معاف کیا، اسے حاضر کرو، خدا سے سمجھے" عدیل کو فوراً حجاج کے سامنے حاضر کیا گیا۔

جب عدیل حجاج کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے کہا۔
 " آپ امیر المؤمنین کے دوست ہیں اور ان کی تلوار میں ہر
 امام کے لیے کوئی نہ کوئی دوست اور ساتھی ہوتا ہی ہے، تیرے
 ہی دم سے اللہ نے اس خلیفہ کی مدد کی اور وہ حکومت قائم
 کر دی جو قریب تھا کہ مٹ جاتی۔
 آپ زمین پر خالد سیف اللہ کی طرح ہیں، جب تلوار
 سونتی ہے تو اللہ کی مدد کے ساتھ سونتی ہے!"

جھج لے کہا، ”شاہاش، تم نے نجات پائی، پھر اس نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا، اور انعام دیا!

(۷۶) دلچپ مسابقت

ابن عیاش کہتے ہیں حوشب بن یزید بن حارث، بن رویم الشیبلی اور عکرمہ بن ربیع آپس میں بزرگی اور برتری کے مسئلے پر ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ کھانا کھلانے، مہمان داری کے سلسلے میں اذیتوں کو ذبح کرنے میں بھی دونوں مسابقت کی فکر میں رہتے تھے۔ یہ دونوں مصعب کے لشکر میں تھے، حوشب اکثر عکرمہ سے اپنی دولت مندی کے سبب بازی لے جایا کرتا تھا۔

سختر الفقیہ کا غلام، عبدالعزیز بن یسار آٹے کی بوریاں لے کر آیا۔ عکرمہ اس کے پاس پہنچے، کہنے لگے، ”حوشب مجھ پر غالب آجائے گا، اپنی دولت مندی کے سبب مجھ سے بازی لے جائے گا۔ یہ آٹا میرے ہاتھ فروخت کر دو، قیمت بعد میں لے لینا، جتنی قیمت ہوگی اتنا ہی نفع میں دے دوں گا۔ اس نے کہا، ”تے لو“ یہ کہہ کے اس نے سارا آٹا انھیں دے دیا، عکرمہ نے یہ آٹا اپنے آدمیوں کے پاس بھیج دیا، اور ان میں تقسیم کر دیا، اور انھیں حکم دیا کہ سب گوندھ ڈالیں۔ انھوں نے لے حوشب بن یزید، بن حارث، بن رویم، جھج کی طرف سے کونے کا حامل تھا۔ لے عکرمہ بن ربیع بڑا سخی تھا، بشر بن مروان کا یہ سکرٹری تھا، اٹھل نے اس کی مدد میں ایک تصیدہ بھی کہا، جو اس کے دیوان کے صلہ پر موجود ہے۔

سارا آٹا گوندہ لیا، اور اسے ایک بڑے غار میں رکھ دیا، اس کے اڈ پر گھاس ڈھانک دی۔ عکرمہ ایک گھوڑی لایا، اسے حوشب کے گھوڑے کے پاس کھڑا کر دیا، گھوڑا جھنٹی کے لیے آگے بڑھا، وہ بھاگی، ان لوگوں نے گھوڑی کو ہانک کر گھوڑے کے آگے کر دیا، وہ اس کے پیچھے پیچھے لپکا یہاں تک کہ اس آٹے کے دلدل میں انھوں نے گھوڑی گرا دی، گھوڑا بھی اس کے ساتھ ساتھ گر پڑا، دونوں اس میں پھنس گئے، اب عکرمہ کے لوگ باہر نکل آئے، لشکر میں انھوں نے دہائی چمانا شروع کی، ”اگر وہ سلیمان دیکھو حوشب کا گھوڑا، عکرمہ کے آٹے میں غرق ہو گیا، لوگ حیرت کے ساتھ باہر آئے، یہ دیکھنے کہ آٹے میں گھوڑا کیوں کر غرق ہو سکتا ہے؟ لشکر میں کوئی آدمی بھی ایسا نہ تھا جو یہ منظر دیکھنے نہ آ گیا ہو۔

لوگ گھوڑے کے پاس آئے وہ آٹے میں ڈوبا ہوا تھا، صرف سر اور گردن کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا تھا، آخر اسے رستیوں اور لاکھٹیوں کے سہارے باہر نکالا گیا۔ اس واقعہ سے عکرمہ آگے بڑھ گیا اور حوشب کو خفت ہوئی۔ عدیل بن فرخ ان دونوں کی مدح میں کہتا ہے:-

”ہم میں عکرمہ اور حوشب جیسے فیاض لوگ موجود ہیں
وہ دو ایسے نوجوان ہیں جن سے بدقت نہیں لی جاسکتی۔
وہ دونوں ایسے نوجوان ہیں کہ ان کے مرتبے کو کوئی
دولت مند حیرتی نہیں پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی سردار ان کا
مقابل ہو سکتا ہے،“

حوشب کی مدح میں ایک شاعر کہتا ہے:-
”حوشب مال لٹانے میں حاتم سے بھی زیادہ سخی ہے،“

اور (مہانوں کے لیے) خود جو شب سے بھی زیادہ اچھے اچھے
اونٹ ذبح کرتا ہے،

(۷۷) ایک شاعر

عبداللہ بن ابراہیم الحنفی بیان کرتے ہیں کہ اعلم حجازی کا بھائی تھا۔
یہ فقرائے ہذیل میں سے تھا، بھاگتا اتنا تیز تھا کہ اسے کوئی پکڑ نہیں سکتا
تھا، اس کا نام جلیب بن عبداللہ تھا

ایک مرتبہ اعلم اور اس کے دونوں بھائی صحرا اور صحیر روانہ ہوئے
صبح ہوتے ہوئے سکاع پہاڑ کے نیچے پہنچے، گرمی کا موسم تھا، اس کی بغل
میں مشکیزہ دبا ہوا تھا، جس میں پانی تھا، لیکن جسے تیز اور گرم ہوائے
خشک کر دیا تھا، پیاس کے مارے ان کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آ گیا۔
اعلم نے اپنے ساتھی سے کہا، ”اپنے مشکیزے میں سے کچھ پلاؤ تو شاید
میں پانی کے گھاٹ پر پہنچ سکوں تم میرا یہیں انتظار کرنا، بنو عدی بن
الدیل اس گھاٹ پر رہتے تھے، وہ لوگ ایک کھجور کے باغ کے پاس
مقیم تھے، جو گھاٹ سے ذرا دُور تھا۔ وہ اسی طرف ڈھاٹھا باندھ کر روانہ
ہوا، تلوار، کمان، اور تیر اس نے اپنے اور اپنے ساتھی کے مابین رکھ لیے۔
جب وہ قبیلے کے سامنے پہنچا تو آہستہ آہستہ چلنے لگا، کسی آدمی نے کہا۔
”یہ آدمی کون ہو گا؟“ جواب ملا، ”ہمیں تو یہ بنی مذبح بن مرہ کا آدمی معلوم
ہوتا ہے“ پھر ان میں سے بعض نے کہا، ”اس نوجوان سے ملو، اور اسے
پہچانو“ لوگوں نے کہا، ”اس سے مطلب؟ ایک آدمی تمہارے پاس

سارا آٹا گوندہ لیا، اور اسے ایک بڑے غار میں رکھ دیا، اس کے اوپر گھاس ڈھانک دی۔ عکرمہ ایک گھوڑی لایا، اسے حوشب کے گھوڑے کے پاس کھڑا کر دیا، گھوڑا جھننی کے لیے آگے بڑھا، وہ بھاگی، ان لوگوں نے گھوڑی کو ہانک کر گھوڑے کے آگے کر دیا، وہ اس کے پیچھے پیچھے لپکا یہاں تک کہ اس آٹے کے دلدل میں انھوں نے گھوڑی گرا دی، گھوڑا بھی اس کے ساتھ ساتھ گر پڑا، دونوں اس میں پھنس گئے، اب عکرمہ کے لوگ باہر نکل آئے، لشکر میں انھوں نے دہائی مچانا شروع کی، ”اگر وہ سلیم دیکھو حوشب کا گھوڑا، عکرمہ کے آٹے میں غرق ہو گیا، لوگ حیرت کے ساتھ باہر آئے، یہ دیکھنے کہ آٹے میں گھوڑا کیوں کر غرق ہو سکتا ہے؟ لشکر میں کوئی آدمی بھی ایسا نہ تھا جو یہ منظر دیکھنے نہ آ گیا ہو۔

لوگ گھوڑے کے پاس آئے وہ آٹے میں ڈوبا ہوا تھا، صرف سر اور گردن کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا تھا، آخر اسے رسیوں اور لٹھیوں کے سہارے باہر نکالا گیا۔ اس واقعہ سے عکرمہ آگے بڑھ گیا اور حوشب کو خفت ہوئی۔ عدیل بن فرخ ان دونوں کی مدح میں کہتا ہے:-

”ہم میں عکرمہ اور حوشب جیسے فیاض لوگ موجود ہیں وہ دو ایسے نوجوان ہیں جن سے بہتت نہیں لی جاتی سکتی۔ وہ دونوں ایسے نوجوان ہیں کہ ان کے مرتبے کو کوئی دولت مند حیرتی نہیں پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی سردار ان کا مقابل ہو سکتا ہے،“

حوشب کی مدح میں ایک شاعر کہتا ہے:-

”حوشب مال لٹانے میں حاتم سے بھی زیادہ سخی ہے،“

اور (بھانوں کے لیے) خود جو شب سے بھی زیادہ اچھے اچھے
اونٹ ذبح کرتا ہے،“

(۷۷) ایک شاعر

عبداللہ بن ابراہیم الحنفی بیان کرتے ہیں کہ اعلم مخرمینی کا بھائی تھا۔
یہ فقراے ہذیل میں سے تھا، بھاگتا اتنا تیز تھا کہ اسے کوئی پکڑ نہیں سکتا
تھا، اس کا نام حبیب بن عبداللہ تھا

ایک مرتبہ اعلم اور اس کے دونوں بھائی صحرا اور صحیر روانہ ہوئے
صبح ہوتے ہوئے سکھ پہاڑ کے نیچے پہنچے، گرمی کا موسم تھا، اس کی بغل
میں مشکیزہ دبا ہوا تھا، جس میں پانی تھا، لیکن جسے تیز اور گرم ہوائے
خشک کر دیا تھا، پیاس کے مارے ان کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آ گیا۔
اعلم نے اپنے ساتھی سے کہا، ”اپنے مشکیزے میں سے کچھ پلاؤ، تو شاید
میں پانی کے گھاٹ پر پہنچ سکوں تم میرا یہیں انتظار کرنا، بنو عدی بن
الدیل اس گھاٹ پر رہتے تھے، وہ لوگ ایک کھجور کے باغ کے پاس
مقیم تھے، جو گھاٹ سے ذرا دُور تھا وہ اسی طرف ڈھاٹھا باندھ کر روانہ
ہوا، تلوار، کمان، اور تیر اس نے اپنے اور اپنے ساتھی کے مابین رکھ لیے۔
جب وہ قبیلے کے سامنے پہنچا تو آہستہ آہستہ چلنے لگا، کسی آدمی نے کہا۔
”یہ آدمی کون ہوگا؟“ جواب ملا، ”ہمیں تو یہ بنی مذبح بن مرہ کا آدمی معلوم
ہوتا ہے“ پھر ان میں سے بعض نے کہا، ”اس نوجوان سے ملو، اور اسے
پہچانو“ لوگوں نے کہا، ”اس سے مطلب؟ ایک آدمی تمہارے پاس

(۷۸) انصاف کی طلب !

ہارون بن محمد بن عبدالملک کہتے ہیں ایک روز میرے والد اپنے
عہد کے ظلم و جور کے انصاف کے لیے بیٹھے، اور قضا یا فیصلہ کرتے رہے،
جب مجلس برخواست ہو گئی، انہوں نے دیکھا ایک آدمی بدستور بیٹھا
ہوا ہے، پوچھا:-

”کوئی کام ہے؟“

”میں منظر ہوں، مجھے قریب بلائیے اور سنیے“

”اؤ، کہو!“

”آپ سے انصاف چاہتا ہوں“

”کس نے ظلم کیا تم پر؟“

”آپ نے“

”تو صاف صاف کہو نا“

”آپ کی ہدایت، آپ کی فصاحت و بلاغت، آپ کا حسن استدلال

مجھے مرعوب کیے ہوئے ہے“

”تم پر کس طرح ظلم ہوا؟“

”فلاں گاؤں میں رہتا ہوں، وہ میرا ہی گاؤں ہے آپ کے کارندے

نے اس پر زبردستی قبضہ کر لیا، مجھے کوئی قیمت بھی نہیں دی،

جب بھی اس کی لگان واجب ہوئی، میں نے فوراً ادا کی، تاکہ

ایسا نہ ہو کوئی دوسرا آدمی آپ کے سامنے پیش کر کے میری ملک

آ رہا ہے، تاکہ پانی پیے، اسے اس کے حال پر چھوڑو، وہ ہمیں کوئی نقصان تو پہنچائے گا نہیں، وہ ان لوگوں کی طرف سے پیٹھ کر کے جھک کے تالاب سے پانی پینے لگا۔ جب وہ سیر ہو گیا تو اس نے اپنا سر اٹھایا، اور چہرے پر نقاب ڈال لیا، اور پھر اپنے راستے پر پڑ گیا۔
ان لوگوں نے اپنے غلام کو جو گھاٹ پر تھا بلایا، اور کہا، "کیا تو نے پہچانا یہ آلے والا کون ہے؟"
"نہیں"

"تو نے اس کی صورت دیکھی؟"

"ہاں اس کا ہونٹ پھٹا ہوا ہے"

"یہ اعلم ہے"

اس کے اور گھاٹ کے مابین ایک تیر کا فاصلہ رہ گیا تھا، وہ لوگ اس کے پیچھے پیچھے دوڑے، انہی میں جذبہ نامی ایک آدمی بھی تھا۔ اس سے بڑھ کر تیز دوڑنے والا، سارے قبیلے میں نہ تھا۔ انہوں نے اسے ابھارا کہ اس کا پیچھا کرے، چنانچہ اسی کو آگے بڑھایا گیا، وہ ایسا بھاگا کہ یہ لوگ اس سے پچھڑ گئے۔ اعلم اپنی کمان، تلوار، اور تیر کے پاس سے گزرا، اور جھپٹ کر ان سب کو لے لیا، پھر وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس سے گزرا، اور انہیں لیکار کر بلایا، وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہو لیے، قبیلے کے لوگ ان کی گرد بھی نہ پاسکے!

باطل کر دی جائے۔ آپ کا کارندہ وہاں کا سارا غلہ لے لیتا ہے، پھر
مجھے لگان بھی پوری پوری ادا کرنا پڑتی ہے۔ یہ ایسا ظلم ہے جس کی
مثال شکل سے ملے گی،

” یہ تم نے ایسی بات کہی ہے جو بغیر ثبوت و شہادت کے نہیں
مانی جاسکتی“

” اگر میں کچھ عرض کروں تو چشم غضب سے تو محفوظ رہوں گا؟“
” محفوظ رہو گے، کہو!“

” ثبوت خود شہادت ہے، اور جب یہ فراہم ہو جائے، پھر کس
چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟“
محمد ہنسنا، اس نے کہا۔

” تم سچ کہتے ہو، تم احسان کے مستحق ہو“

یہ کہہ کر اس کا گالو اسے واپس کر دیا، اور یہ بھی حکم دے دیا کہ جو
غلہ لیا گیا تھا، واپس کر دیا جائے، نیز ستر دینار دیے جائیں، تاکہ اس کے
کوٹھار وغیرہ کا جو نقصان ہوا ہو اس کی تلافی ہو جائے۔
پھر محمد نے اسے اپنے مصاحبوں میں شامل کر لیا، اور ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے اسے اپنا بندہ کرم بنا لیا۔

(۷۹) کہو تو کہہ دوں ؟

عبید اللہ بن محمد بن عبد الملک کہتے ہیں، کہ جب ابراہیم بن خلیفہ
ہمدی، خلافت پر قبضہ کر بیٹھا، تو اس نے بعض بڑے بڑے تاجروں سے

رقمیں قرض لیں۔ میرے والد عبدالملک سے بھی دس ہزار درہم قرض لیے، اور کہا، جب رقم ملے گی واپس کر دی جائے گی۔ جب ماموں نے آکر خلافت لے لی اور پھر کچھ عرصے بعد اس سے خوش ہو گیا تو اب لوگ اس سے اپنی دی ہوئی رقموں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ابراہیم نے کہا، یہ قسمیں گو میں نے مسلمانوں کے لیے قرض لی تھیں، ارادہ یہ تھا کہ انھی سے وصول کیے ہوئے مال میں سے واپس کر دوں گا، لیکن اب صورت حال ہی کچھ اور ہے، میں خلیفہ تو ہوں نہیں، خلیفہ ہر ماموں، رقم میں کہاں سے دوں؟

ابو محمد بن عبدالملک نے ماموں کو مخاطب کر کے ایک قصیدہ لکھا۔ اسے ابراہیم بن مہدی کے پاس لے گیا، سنایا، اور کہا، "خدا کی قسم اگر تم نے میرے والد کی رقم واپس نہ کی، تو یہ قصیدہ میں ماموں تک پہنچائے دیتا ہوں، پھر برا نہ ماننا"

ابراہیم سٹپٹا گیا کہ کہیں ماموں تک یہ بات پہنچی اور اسے میرے گزشتہ عزام کا علم ہوا تو نہ جلنے انجام کیا ہو؟ کہنے لگا، "کچھ رقم تو ابھی لے لو، باقی میں قسط وار ادا کر دوں گا" والد اس پر راضی ہو گئے۔ ابراہیم نے انھیں قسم دی کہ ماموں کی زندگی بھر یہ راز افشاء ہونے پائے۔

والد نے اپنا وعدہ نباہا، اور ابراہیم نے اپنا کہا پورا کیا!

(۸۰) چھپے رستم

عبداللہ بن ابی الشیخ کا بیان ہے کہ مجھ سے دعبل نے روایت کی کہ میں اپنے بھائی زرین کے ساتھ حج کرنے گیا۔ مصر کا گورنر مطلب بن عبداللہ بن مالک تھا۔ ہم نے اس کے نام کچھ سفارشی خطوط لکھوائے تھے جو ہمارے ساتھ تھے۔

ہم مکے سے مصر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک آدمی ساتھ ہو گیا، نام تھا احمد السراج، ہم سے بڑے رفیق و محبت اور خاطر مدارات کے ساتھ پیش آتا رہا۔ راستے بھر ہماری خدمت چاکروں کی طرح کرتا رہا، اس طرح اس نے اپنے سے ہمیں مانوس کر لیا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا لیکن ہم سمجھ نہ سکے کہ وہ شاعر بھی ہے۔ وہ اپنی اس خصوصیت کو برابر ہم سے چھپاتا رہا، اس نے باتوں باتوں میں ہم سے ہمارا مقصد سفر بھی معلوم کر لیا۔ ہم نے اس سے اپنے خطوط کا بھی ذکر کر دیا، پھر ہم نے اس سے کہا، "کہو تو ہم تمہیں ایک قصیدہ کہہ دیں، وہ تم مطلب کو اپنے نام سے سنا دینا۔ امید ہے کہ تمہیں بھی انعام و اکرام ملے دعبل، کنیت ابو علی، مشہور و معروف شاعر، جو خاص موضوع، زبان کا بڑا گندہ، خلفا، وزراء، امراء اور ان کی آل اولاد میں سے کوئی شخص بھی اس کی بدزبانی سے نہ بچا نہ اس نے اپنے سخن کو چھوڑا، نہ غیر جانب دار کو، نہ مخالف کو، نہ سبب شیعہ تھا، چون کہ خلفا و وزا کی ہمیشہ جو کیا کرتا تھا اس لیے ان سے خائف بھی رہتا تھا، ساری زندگی راہ فرار اختیار کرتا رہا، یہاں سے وہاں، وہاں سے یہاں، بس یہی اس کا طریقہ تھا، مقتسم باللہ کے دورِ خلافت میں یہ بہت مشہور ہوا۔

مل جلے گا۔ اس نے بڑی مسرت سے ہمارے اس ارادے کا خیر مقدم کیا، اور بدل و جان اس پر راضی ہو گیا۔

ہم مصر پہنچے، مطلب کے حضور میں حاضر ہوئے، خطوط جو ساتھ لے گئے تھے پیش کیے، اس نے کہا، "سناؤ" ہم نے سنایا، وہ بہت مسرور ہوا، پھر ہم نے اس سے احمد السراج کی تعریف کی، مطلب نے اسے بھی دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی، ہم خیال کر رہے تھے جو قصیدہ اس موقع کے لیے ہم نے اسے لکھ کر دیا تھا، وہ اب سنانے کا، اذن حاصل کرنے کے بعد جب وہ قصیدہ سنانے کے لیے کھڑا ہوا، تو جو قصیدہ ہم نے دیا تھا، وہ تو کم بخت نے پڑھا نہیں، اور ایک تازہ بہ تازہ، نو بنو قصیدہ مطلب کی شان میں پڑھنے لگا، بڑا زور دار اور بلند قصیدہ تھا۔

مطلب اس قصیدے کی خوش بیانی، معنویت، اور روانی سے اس درجے متاثر ہوا کہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ احمد السراج کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اسے اپنے پاس سند پر بٹھایا، آواز دی، "یہاں آؤ" فوراً غلام حاضر ہوا، حکم دیا، "تھیلی لاؤ"، تھیلی لائی گئی، حکم دیا، "کھولو" کھولی گئی، اور احمد کے سامنے "انڈیل" دی گئی، پھر ساز و پیراق سے آراستہ ایک گھوڑ منگایا، وہ بھی اس کے حوالے کر دیا، اور بھی بہت سا سیم و زر انعام میں دیا، یہ سب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ہمیں بڑا غصہ آیا، غصہ اس پر آیا کہ کم بخت نے اپنی شعر گوئی ہم سے چھپائی غصہ اس بات پر بھی تھا کہ آئے تو تھے ہم آرزوؤں کا پستارہ لے کر اور جھولی بھر کر یہ جا رہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ احمد السراج تو وہاں سے کامیاب و کامراں واپس ہوا، اور

ہم جیسے گئے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ واپس آگئے!

(۸۱) دو ہجوگو شاعروں کی ملاقات!

میرے اور ابوسعد مخزومی کے درمیان ہجو کا بازار گرم تھا، میں اس کے خلاف زہرا نشانی کرتا تھا، وہ میرے خلاف۔ ایک روز میں قلم دوات کاغذ سامنے رکھے بیٹھا، اسی کی ہجو کہہ رہا تھا، اتنے میں میرا غلام آیا، کہنے لگا، ابو سعد مخزومی دروازے پر کھڑے ہیں، میں نے کہا، ”بھوٹا کہیں کا۔“ نہیں بیچ سرکار، میں نے اسے حکم دیا جلدی سے قلم دوات اٹھالے، پھر میں نے اس سے کہا، ”اب بلا لاؤ“ میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس پڑائے دشمن سے اب معاملات صاف ہوئے جاتے ہیں۔ اب وہ گندگی جو ہمارے مابین اچھلتی رہتی تھی، بند ہو جائے گی، اگرچہ اس کی ابتدا ہمیشہ اسی کی طرف سے ہوتی رہی۔

میں سر و قد کھڑا ہو کر تعظیم بجالایا، وہ خنداں اور مسرور اندر داخل ہوا، میں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا، پھر میں نے کہا:-

”آج صبح جب میں اٹھا تو آپ پر نفریں بھیج رہا تھا“

”کس بات پر ابوعلی؟“

”آپ کی سبقت پر جو میرے مقابلے میں فضل کے ہاں آپ کو حاصل تھی“

”اب تو میں تمہارا مہمان ہوں، تمہارے پاس ہوں“

”آپ کی کیا خاطر کی جائے؟“

میں نے اپنے دل میں کہا، ابوسعد تو پانچلوں کی سی باتیں کر رہا ہے۔ پھر
میں نے غلاموں سے کہا، ”بھئی یہ نہیں مانتے تو جو کچھ کہتے ہیں وہ سنا دو“
پھر اس نے ایک خاص قصیدہ ہجویہ کی فرمائش کی، غلاموں نے وہ بھی سنا دیا۔
ابوسعد اپنا سر اور بازو ہلاتا رہا، تالیاں بجاتا اور داد دیتا رہا۔ سارا دن اسی
جشنِ مسرت میں ختم ہو گیا، پھر وہ رخصت ہوا، غلام اسے دروازے
تک پہنچا آئے۔

ایک غلام نے مجھے ایک پرچہ دیا، کہا، ”یہ ابوسعد مخزومی نے دیا
تھا تاکہ یاد کر دی تھی کہ میں آپ کو دے دوں“
میں نے وہ پرچہ لے لیا، یہ شعر لکھے تھے:-

” اس کے دو چہرے ہیں، بظاہر وہ میرا ابنِ عم ہے، اور باطن
وہ بد طبیعت اور بد سرشت ہے، تجھے ظاہر میں وہ خوش رکھتا ہے
اور باطن میں ضرر پہنچانا چاہتا ہے، حرامی لوگ ایسے ہی ہوتے
ہیں۔“

میں نے کہا، ”لاؤ قلم دوات، میں نے بھی ایک زوردار ہجو لکھ ڈالی،
دو تین روز بعد سربراہ ملاقات ہوگئی، نہ اس نے مجھے سلام کیا، نہ
میں نے اسے!

(۸۲) ایک محبِ اہل بیت شاعر!

محمد بن موسیٰ ضبی عتابی کی روایت بیان کرتے ہیں جو عبداللہ بن طاہر
کا درباری تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ایک روز ہم رات کو بیٹھے ہوئے ادب و شعر

اور شعرائے جاہلیت و اسلام کا تذکرہ کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں شعرِ عمر حاضر کا ذکر چھیڑا، اسی سلسلے میں دعبل کا نام بھی زیرِ بحث آیا۔ اس نے کہا، "عتابی میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، جب تک میں زندہ ہوں کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا"

"آپ مجھ پر بھی بدظنی کرتے ہیں؟"

"نہیں یہ بات نہیں، لیکن میری تسکین کے لیے ضروری ہو کہ تم قسم

کھا کر مجھ سے عہد کرو، تاکہ میں مطمئن ہو جاؤں"

"اگر میرا تنے محتاط ہیں تو بہتر ہو ذکر ہی نہ کریں"

لیکن وہ کہنے پر اور مجھ سے قسم لینے پر مُصر رہا۔ آخر میں نے کہا، "جو

امیر کی رائے ہو"

"کھاؤ خدا کی قسم"

میں نے قسم کھائی۔ اس نے میری قسم، بیعت، طلاق، اور ہر قسم کھانے والی چیز سے مؤکد کی۔ پھر کہا، "کیا تم جانتے ہو دعبل مدخولِ نسب ہو؟" پھر وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے کہا، "کیا یہی بات کہنے کے لیے آپ نے اتنی کڑی قسمیں مجھ سے لے لیں؟" کہا، "ہاں خدا کی قسم اسی لیے" میں نے کہا، "یہ کیوں؟" فرمایا، "اس لیے کہ دعبل ایسا آدمی ہے جو خطرات و مہالک سے کھیلتا ہے، جو پھانسی کا تختہ اپنے کاندھے پر لیے ہوئے چلتا ہے میں یہ ڈرتا ہوں کہ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں نے اس کے متعلق ایسی باتیں کہی ہیں جن سے اس پر عار آئے گی تو چاہے میں اسے یمن کی بادشاہت دے دوں، یا اسے بھگڑی بیڑی میں جکڑ کر بابِ شام کے زنداں خانے میں ڈال دوں وہ میری ہجو کرنے سے باز نہیں آئے گا"

میں نے کہا، ”کیا آپ خیال کرتے ہیں وہ آپ کی ہجو کرنے کی جرأت کرے گا؟“ ”کیوں نہیں؟ جب اس نے ہاروں رشید، امین، مامون کو نہیں چھوڑا تو میں کیا ہوں؟ وہ تو میرے باپ کی ہجو بھی کر چکا ہے، تو بھلا موقع پانے کے مجھے چھوڑ دے گا؟“

میں نے کہا، ”یہ بات ہے تو امیر نے مجھ سے جو قسمیں لی ہیں ان میں وہ حق بجانب ہیں“ عتابی نے کہا، ”دعبل میرا دوست تھا۔“

میں نے کہا، ”میں جانتا ہوں لیکن امیر نے یہ کہاں سے جانا کہ وہ مذحول النسب ہے؟ وہ تو خزاعہ کے ایک بڑے گھرانے کا چشم و چراغ ہے، خزاعہ سے بڑا کوئی گھرانہ ہو سکتا ہے تو بس بنی اہلبان کا گھرانہ ہو سکتا ہے“

اس نے کہا، ”سنئے جاؤ ایک زمانہ تھا کہ مسلم بن ولید کے خادموں اور شاگردوں میں دعبل بھی تھا، اس وقت تک وہ شعر کہنا نہ جانتا تھا، اس زمانے میں اس نے ایک ہجو یہ شعر اپنے استاد مسلم کے خلاف لکھا، یہ شعر بعض گویوں تک پہنچا، وہ لے اڑے، رشید نے بھی کہیں سن لیا، بہت محفوظ ہوا، پوچھا، ”یہ کس کا شعر ہے؟“ بتایا گیا دعبل بن علی نے

کہا ہے، جو خزاعہ کا ایک چھوٹا ہے“ رشید نے اسی وقت دس ہزار درہم اور خلعتِ فاخرہ منگوا لیا، فوراً یہ سب چیزیں اپنے خادمِ خاص کو مع اپنے ذاتی مرکب کے دیں اور کہا، ”یہ سب چیزیں خزاعہ تک لے جاؤ، وہاں دعبل بن علی کو پوچھنا، جب وہ مل جائے، تو اسے یہ سب دے دینا اور کہنا، اگر مناسب سمجھو تو دربار تک چلو، وہ آئے تو لے آنا، ورنہ چھوڑ دینا۔“ پھر رشید نے اس گویے کو بھی انعام دیا، جس نے دعبل کا ہجو یہ شعر گایا تھا۔

رشید کا غلام انعام و اکرام لے کر دعبل کے پاس پہنچا۔ سب چیزیں اس
لے سوئپ دیں اور دربار چلنے کی درخواست کی

دعبل دربار میں حاضر ہوا، خلیفہ کو سلام کیا۔ اس نے بیٹھنے کی اجازت
دی، یہ بیٹھ گیا، پھر خلیفہ نے شعر کی فرمائش کی دعبل نے اپنے اشعار سنائے
خلیفہ نے اظہارِ خوشنودی کیا اور اپنے خلقہ متوسلین میں شامل کر لیا۔

جب رشید کا انتقال ہوا تو جلتے ہوئے دعبل نے اس کے احسانات کا
بدل کس طرح دیا؟ ان احسانات کا جنھوں نے اسے فقیر سے غنی، ذلیل سے
بلند مرتبت بنا دیا تھا؟ اس نے ایک قصیدہ حضرات اہل بیت علیہم السلام
کی مدح میں کہا: اور اس سلسلے میں رشید کی خوب ہی خوب بھجوی۔

ولیس حی من الاحیاء لعلمہ	من ذی یمان ومن بکرو من مض
الا وہم شرکاء فی دما کھم	کما تشارک الیسار علی اجزئہ
قتل واسر و تحریق و منہبہ	فعل الغزاة بأرض الروم و لکنہ
اری امیۃ معد و رین ان قتلوا	ولا اری لبنی العباس من عزز
اربع بطوس علی قبر الذکی اذا	ما کنت تریع من دین علی و طر
قبران فی طوس خیر الناس کلہم	وقبر شہم ہذا من العبر
ما ینفع الرجین من قری الذکی و لا	علی الذکی من قری الرجین من الضر
ھیحات کل امری رہن پاکسبت	لہ ید اہ فخذ ما شئت رو فذر

ان اشعار میں پاکیزہ اور گندی قبروں کا اشارہ ہے حضرت رضا علیہ السلام

لے سکتے ہیں حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کا شہر عوس میں انتقال ہوا،
ماہون نے اپنے باپ ہاروں رشید کی قبر کے پاس انھیں دفن کیا۔

اور ہاروں رشید کی قبروں کی طرف پھر اس نے ماموں کو بھی نہیں چھوڑا۔
 سُنو کہتا ہے:-

انی لیکون ولیس ذاک بکائن
 یوث الخلافة فاسق عن فاسق
 ان کان ابراہیم مضطعاً بها
 فلتصلحن من بعدہ الخارق

جب ماموں نے یہ پڑھا، ہنسا، اور کہا، "میں نے دعبیل کی ہجو گوئی کی
 خطا معاف کر دی، کیوں کہ اس نے ابراہیم کو مخارق کے ساتھ خلافت اور
 ولایت عہد میں برابر کر دیا۔ پھر میرے والد کو لکھا کہ دعبیل کو امان دے دی
 جائے۔ اسے مال و منال سے سرفراز کریں، اگر چاہے تو وہیں رہے، ورنہ
 جہاں جی چاہے مال و دولت لے کر چلا جائے۔ والد نے ایسا ہی اسے لکھ دیا،
 وہ والد پر بھروسہ کرتا تھا۔ ان کے پاس آگیا، والد نے اسے دولت دی،
 نوازا، سرفراز کیا، اور ماموں کے عزم سے بھی مطلع کر دیا۔ دعبیل ماموں کے
 دربار میں حاضر ہوا، سلام گزار ہوا، ماموں نے کہا، اپنا یہ شعر سناؤ۔

مدار من آیات خلت من تلقا
 ومنزل وحی مقفر العرصات

سہ ماموں نے اپنے بعد حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس
 لیے کہ بنو عباس میں وہ کسی کو بارِ خلافت سنبھالنے کا اہل نہیں دیکھتا تھا، لیکن بنو عباس
 کو یہ گراں گزارا، انھوں نے ماموں کے چچا ابراہیم بن ہمدی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔
 لیکن حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی وفات کے بعد اہل بغداد نے ابراہیم کو
 چھوڑ دیا۔ اب وہ ماموں کے خوف سے چھپا چھپا پھرنے لگا۔ کچھ عرصے بعد ماموں نے
 اسے معاف کر دیا، — مخارق ایک مشہور گویا۔

سہ یہ قصیدہ بہترین قصائد میں شمار کیا جاتا ہے، اہل بیعت علیہم السلام کی شان میں
 اس نے بڑا زور بیان صرف کیا ہے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۱ پر)

دعبل یہ قصیدہ سنانے ہوئے ہچکچایا۔ ماموں نے کہا، ڈرو مت۔ تمہیں
اماں دی گئی، میں یہ قصیدہ سن چکا ہوں، لیکن اب تمہاری زبان سے سنانا
چاہتا ہوں۔

دعبل نے اپنا یہ قصیدہ شروع سے آخر تک سنا یا۔ حالت یہ تھی کہ ماموں
زار زار رو رہا تھا، روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر
ماموں کے انتقال کے بعد دعبل نے اس کی بھی ہجو لکھی اور اس کے احسانات
وانعامات کا ذرا بھی لحاظ نہ کیا۔

(۸۳) معرکہ خیز مناظرہ

ابو محمد الیزیدی کا بیان ہے کہ ہمدی کے مسند خلافت پر متمکن ہونے
سے کوئی چار مہینے پہلے ہم ایک شہر میں اس کے ساتھ مقیم تھے۔ رمضان کا
مہینہ تھا، کسائی بھی ہمارے ساتھ تھا، ہمدی نے مسائل عربیہ پر گفتگو کا آغاز
کیا، اس وقت ایک مفیندہ کا چچا عیسیٰ بھی ہمدی کے پاس موجود تھا۔ ہمدی
نے کہا، ”ہم یزید اور کسائی کو بلانا چاہتے ہیں“ میں اس زمانے میں ہمدی
(۲۵۰ کا بقیہ نوٹ) خراسان میں اس نے یہ قصیدہ حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام کی
خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے دس ہزار درہم عطا فرمائے، وہ درہم جن پر حضرت
کا اسم گرامی کندہ تھا۔ نیز اپنے لباس مبارک میں سے ایک خلعت بھی دیا، اہل
قم نے اس لباس کی تیس ہزار درہم قیمت دینی چاہی، لیکن دعبل بیچنے پر راضی نہ ہوا۔
پھر ان لوگوں نے ڈاکر ڈال کر چھین لیا، مگر ایک آستین واپس کر دی، جو مرنے کے
بعد اس کے کفن میں رکھ دی گئی!

کے ماموں یزید منصور کے پاس تھا، اور کسائی، حسن الحاجب کے پاس۔ ہمارے پاس خلیفہ کا قاصد آیا۔ میں جب بابِ خلافت پر پہنچا تو کسائی کو بھی وہاں دیکھا۔ وہ مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے کہا، ”ابو محمد! میں تمہارے شہر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں“ میں نے کہا، ”خدا کی قسم تم مجھ سے بازی نہیں لے جا سکو گے، میں ہی تم سے آگے رہوں گا“

جب ہم مہدی کے پاس پہنچے وہ مجھ سے مخاطب ہوا، اور کہا، ”یہ کیا بات ہے“ بحرین کی طرف نسبت کرنا ہوتی ہے تو ”بحرانی“ کہتے ہیں ”حصین“ کی طرف نسبت ہو تو ”حصنی“ کہتے ہیں، ”حصنانی“ کیوں نہیں کہتے؟ میں نے عرض کیا، ”خدا امیر المؤمنین کو سلامت رکھے، اگر بحرین کی طرف نسبت دیتے ہوئے ”بحری“ کہیں تو شبہ ہوگا یہ نسبت ”بحر“ کی طرف ہے یا ”بحرین“ کی طرف؟ رہا حصین کا معاملہ سو کوئی دوسری جگہ ”حصن“ تو کہلاتی نہیں، لہذا، اس کے منسوب کو ”حصنی“ کہہ دیتے ہیں، اس لیے کہ اس میں کسی غلط فہمی کا امکان نہیں“ دربار میں عمر بن زینج بھی حاضر تھا۔ میں نے سنا، کسائی اس سے کہ رہا ہے، ”اگر امیر نے مجھ سے پوچھا ہوتا تو میں اس سے بھی اچھی تو جیہہ بناتا“ یہ سن کر میں نے مہدی سے کہا، ”خدا امیر کو سلامت رکھے، یہ کسائی کہتا ہے اگر آپ نے اس سے دریافت فرمایا ہوتا، تو جو جواب میں نے دیا ہے، یہ اس سے بھی بہتر جواب دیتا“ مہدی نے کہا، ”اچھا اب ہم پوچھتے ہیں!“

کسائی نے کہا، جب ”حصین“ کی طرف نسبت کرتے ہیں تو چونکہ اس میں دو نون ہیں اس لیے ”حصنی“ کہتے ہیں کہ ایک نون کی ثقالت کم ہو جائے، برعکس اس کے بحرین میں صرف ایک نون ہے لہذا اس کے

منسوب کو "بحرانی" کہتے ہیں، میں نے کہا، "خدا امیر کو سلامت رکھے" پھر "بنی جنان" کے آدمی کو کس طرح نسبت دیں گے؟ کسائی کے اس تیاں کی بنا پر تو اسے "جنی" کہنا چاہیے، اس لیے کہ "جنان" میں بھی دونوں ہیں اور اگر "جنی" کہیں تو پھر جب "جن" کی طرف نسبت دیں تو کیا کہیں گے؟

ہمدی نے مجھ سے اور کسائی سے کہا "تم دونوں اس موضوع کے علاوہ کسی اور مسئلے پر مناظرہ کرو تا کہ ہم شہین!"

ہم دونوں نے چند مسائل پر مناظرہ شروع کیا۔ خوب رد و کد ہوتی رہی، میں نے کہا، "ان من خیر القوم" اور خیر ہم نیتہ ذید" اس جملے کی ترکیب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ بڑی دیر تک سوچتا رہا، لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا، اگر جواب دو گے تو بھی غلطی کرو گے؟ احسن نامی ایک شخص نے اس طویل سکوت سے کچھ سمجھ لیا۔ اس نے کہا "ان من خیر القوم" اور خیر ہم نیتہ ذید" ہونا چاہیے، میں نے کہا، "خدا امیر کو سلامت رکھے، یہ حضرت بھی چوک گئے" ہمدی نے کہا، "کیونکہ میں نے کہا اس لیے کہ اس شخص نے "خیر" کی "ر" کو پیش دے دیا، اور "ان" کا اسم بعد میں لایا، پھر پیش کے بعد زبردے دیا، "شہبہ بن ولید نے کہا، احسن نے "او" سے "بل" مراد لیا ہے، لہذا پیش، دے دیا، اصل بات یوں ہے، کسائی نے کہا، "ہاں میرا بھی یہی مطلب تھا" میں نے کہا، "اگر امیر ان سب سے چوک ہوئی، اگر "او" یا "بل" کی لے "ان" عربی کا وہ حرف ہے جو کسی اسم سے پہلے آئے تو اسے زبردیتا ہے، اور خبر کو پیش! مثلاً ان زیداً عالم!"

ہمدی مسکرایا، اس نے کہا، ”کچھ سمجھتے بھی ہو؟ تم بیزیدی کی تائید کر رہے ہو“

اتنے میں وہ اعرابی آگیا، جسے ہمدی نے بلوایا تھا، تمام مسائل اس کے سامنے رکھے گئے، اس نے جتنے جوابات دیے سب میری تائید میں تھے۔ میں خوشی سے دیوانہ ہو گیا، جوشِ مسرت میں میں نے اپنی کلاہ زمین پر پھینک دی۔ میں نے کہا، ”میں ابو محمد ہوں“ شیبہ نے کہا، ”کیا اسیر کے نام پر اپنی کنیت رکھو گے؟“ ہمدی نے کہا، ”یہ اس نے کسی بڑی نیت سے نہیں کہا۔ ظفر مندی اور کامیابی کے وقت ایسا ہی ہو جاتا ہے اور سچ تو یہ ہے بھئی کہ یہ جیت گیا“ میں نے کہا، ”خدا نے بزرگ و بزرگ لے آپ کے دہن مبارک سے وہ الفاظ نکلوائے ہیں جن کے آپ اہل ہیں، اور دوسرے کے منہ سے وہ جن کا وہ سخت ہے!“

جب ہم باہر نکلے تو مجھ سے شیبہ نے کہا، ”کیا تم نے امیر المؤمنین کے سامنے مجھے برسرِ غلط نہیں ٹھہرایا؟ کیا تم مجھے جانتے نہیں؟“ میں نے کہا، ”تم نے جو کچھ کہا میں نے سن لیا مجھے امید ہے تمہیں اس کا صلہ ملے گا“ صبح ہوتے ہوتے میں نے متعدد پرچیاں لکھیں، کوئی دیوان ایسا نہیں تھا جس میں ایک آدھ پرچی میں نے شامل نہ کر دی ہو، جس میں وہ اشعار تھے جو میں نے اس کی شان میں کہے تھے، صبح کو لوگوں کی زبان پر میرے یہ اشعار تھے:-

”زندگی سہی و کوشش کے ساتھ بسر کر، تجھے کوئی

احق نقصان نہیں پہنچا سکتا، کامیاب زندگی وہی بسر کرتا

ہر جو سرا پا عمل ہوتا ہے۔

وجہ سے زید کو پیش دیا تو بھی غلط، پھر تو یوں ہونا چاہیے "بل خیر ہم زیداً"
 مہدی نے کہا، "کسائی تم میرے پاس ایک مرتبہ مسئلہ انجوی وغیرہ کے ساتھ
 آئے تھے، اس دن تو میں نے تمہیں اتنا در ماندہ نہیں دیکھا تھا"
 تھوڑی دیر کے بعد مہدی نے کہا، "یہ دونوں بلند پایہ عالم ہیں،
 ان کا فیصلہ تو کوئی بہت ہی فصیح اعرابی کر سکتا ہے، جس کے سامنے یہ مختلف
 فیہ مسائل پیش کیے جائیں۔ وہی معقول جواب دے سکے گا۔ ابو محمد
 کہتا ہے، پھر مہدی نے فصحاء اعراب میں جو سب سے زیادہ فصیح شخص
 تھا اسے بلایا جب تک اعرابی آئے میں سر جھکائے بیٹھا رہا، مہدی اپنے
 ہاموں منصور بن یزید بن منصور سے بہت محبت کرتا تھا، وہ بھی حاضر دربار
 تھا، میں نے کہا، "خدا امیر کو سلامت رکھے، اشعار ذیل میں یہ شعر کس
 طرح پڑھا جائے گا؟

"اگر سائل! میں اسے اس شخص کے بارے میں بتا دوں

جو مقام صفا میں ہے اور صاحبِ حسب و نسب ہے۔

وہ قبیلہ حمیر ہے، جس کی سرداری کا بڑے بڑے ذی شان

عربوں نے اعتراف کیا ہے، اور بلاشبہ ان میں کا بہتر، اور

شریف ترین یقینی طور پر ابو کرب ہے۔"

مہدی نے مجھ سے کہا، یہ تم کس طرح پڑھ رہے ہو؟ میں نے

کہا، "تو پھر "خیر ہم بتتہ ابو کرب" سہی، گویا، "ان خیر ہم بتتہ ابو کرب"

سجھی، کسائی نے کہا، "خدا کی قسم اس نے اب یہ کہا ہے اور پہلے وہ

کہا تھا"

لہ ابو کرب الیمانی کے از ملوک حمیر اس کا نام اسعد بن مالک الحمیری تھا!

توسعی و کوشش کے ساتھ زندگی بسر کر خواہ ہنسنقہ القیسی
 (احق) ہو، خواہ جہالت میں شیبہ بن ولید -
 اور شیبہ، اور بکری کے بچے تو بنی قنقاع میں سے ہو، تجھ
 میں بردباری اور سلامت روی نہیں ہے۔
 اور نہ تو کوئی تیرے اندر بھلائی کی خصلت ہے کہ تو نے
 اسے بردباری اور سخاوت کے ذریعے سے محفوظ رکھا ہو۔
 سو اس کے کہ تو گا بجا اچھا لیتا ہے، دت اور عود بھی
 خوب بجا لیتا ہے۔

تیرا تو کام یہی ہے، ایسے لوگوں کو زمانہ اٹھائے پھرتا ہے
 خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے ہوں!

(۸۴) یاد دہانی

ابو محمد الیزیدی کہتے ہیں کہ ہاروں رشید نے مجھے انعام دیے جانے
 کا حکم دیا۔ وہ سن میں درود فرما تھا۔ میں عاصم غسانی سے ملنے گیا، جو یحییٰ
 بن خالد کے پاس مقیم تھا۔ میں نے اس سے کہا، ”امیر المومنین نے مجھے
 رُپیہ دلوا یا ہے وہ سن میں بنفس نفیس موجود ہیں جیسا کہ آپ کو علم ہے۔ میری
 خواہش ہے کہ آپ ابو علی یحییٰ بن خالد سے امیر المومنین کے اس حکم کا ذکر
 کریں تاکہ وہ جلدی سے مجھے رُپیہ دے دیں۔ اس نے کہا، ”اچھا، دو
 روز کے بعد میں پھر اس کے پاس گیا، اس نے ذرا بے رخی کے ساتھ
 کہا، ”تمہارے کام کا مناسب موقع نہیں ملا،“ میں نے کہا، ”خدا آپ

کو بزرگی عطا کرے، ذرا موقع نکالیے نا“ میں جب باہر نکلا تو ایک آدمی نے جو اس مجلس میں موجود تھا، مجھ سے کہا، ”ابو محمد! یہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم اس کتبے کے پاس آتے ہو، اور اپنی حاجت طلب کرتے ہو“ میں نے کہا، ”کیوں کیا ہوا؟“ اس نے کہا، ”جب تم چلے گئے تو میں نے سنا یہ کہ رہا تھا اگر میرے ہاتھ میں دجلہ اور فرات ہوں تو بھی اسے ایک چلو تک پانی نہ پلاؤں“ پوچھا گیا، ”خدا آپ کو سلامت رکھے یہ کیوں؟ وہ تو بہت معزز اور عالم ہے“ کہا، ”اس لیے کہ وہ قبیلہ مضر سے ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی مضر کسی یمانی کو پسند کرتا ہو“ میں نے یہ سن کر کڑکھریا اب اس سے کوئی تقاضا نہ کروں گا۔

دوسرے دن میں پھر اس کے پاس گیا۔ میں نے کہا، ”خدا تمہیں بزرگی عطا کرے، کہو میرا کام کیا؟“ اس نے کہا، ”تم تو اس طرح باتیں کرتے ہو جیسے تمہارا کچھ قرض میرے اذپر آتا ہو“ اب مجھے یقین ہو گیا اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا تھا، سب صحیح تھا۔ میں نے کہا، ”اللہ میاں میری یہ ضرورت تمہارے ہاتھوں پوری نہ کریں، میں اگرچہ تم سے بار بار کہوں لیکن زندگی بھر یہ کام تم سے انجام نہیں پائے گا۔ خدا کی قسم میں اب کبھی سلام میں پیش قدمی نہیں کروں گا، اور اگر تم نے سلام میں پہل کی، تو جواب بھی نہیں دوں گا“ پھر میں نے اپنے کپڑے سنبھالے اور چل دیا۔ میں چل رہا تھا اور سوچ رہا تھا یہ کام اب کیوں کر بنے گا؟ اتنے میں ایک سوار میرے پاس آیا۔ اس نے کہا، ”مجھے آپ کے پاس ابو علی یحییٰ بن خالد نے بھیجا ہے، تاکہ میں آپ کو ان کے حضور میں پیش کروں اور وہ آپ سے مل لیں“ میں قاصد کے ساتھ یحییٰ کے پاس پہنچا۔ قریب

پہنچ کر میں نے اسے سلام کیا، پھر میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا، ”امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے ان کے بیٹے صلح کے لیے کسی اتالیق کی تلاش کے لیے کہوں۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، یہ واقعہ مجھ سے میرے والد خالد بن برمک نے بیان کیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے اپنے بیٹے کے لیے اتالیق کی جستجو کی۔ اس سے کہا گیا یہاں تو ایک عیسائی عالم ہو، دوسرا مسلمان ہو، لیکن اس کا علمی مرتبہ عیسائی سے فروتر ہو۔ حجاج نے کہا، ”مسلمان کو میرے پاس لاؤ“ جب وہ آیا تو اس نے کہا، تمہیں نہیں نہیں معلوم، ہم سے کہا گیا ہے کہ نصرانی تم سے زیادہ قابل ہو، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ میری اولاد کا اتالیق ایسا شخص ہو جو شریعت اسلامی اور معاملات دینی بھی انھیں نہ سمجھا سکے، تم میں اگر ذرا بھی عقل ہو تو تم میری اولاد کو ایک دن میں بمقابلہ نصرانی کے ایک ہفتے کے برابر سکھا سکتے ہو، ایک ہفتے میں تم اتنا بتا سکتے ہو جتنا وہ ایک مہینے میں ایک مہینے میں تم برق بنا دو گے جتنا وہ ایک سال میں“ پھر مجھ سے یحییٰ نے کہا، ”ابو محمد! مناسب یہی ہے کہ دین کو ہر چیز پر ترجیح رکھو“ میں نے کہا، ”میں آپ کا مطلب سمجھ گیا!“ پھر میں نے حسن بن سوز کی سفارش کی، اس نے انھیں رکھ لیا، پھر اس نے پوچھا، ”کہاں سے آرہے ہو؟“ میں نے اسے حاصم کا سارا واقعہ سنایا، میں نے کہا، ”یہ حالات پیدا ہو گئے“ اب میں حیران ہوں کہ کس طرح تقاضا کروں؟“ وہ ہنسنا، اس نے کہا، ”تم جعفر برمکی (یعنی یحییٰ کا لڑکے) سے ملو، وہ امیر المومنین کو یاد دلا دے گا، یا مجھی سے یاد دہانی کر دے گا“ پھر میں یحییٰ سے رخصت ہو کر چل کھڑا ہوا۔ میں نے جعفر کی مدد میں راستے ہی میں چند اشعار کہے۔

” اس سائل کیا میں جعفر کے کرم اور اس کے عادات و خصائل

بیان کروں ؟

بیچھی کا بیٹا جعفر ایسا شخص ہے جس کے گوشت پوست

میں سخاوت رچی ہوئی ہے۔

اس کے اوپر کوئی کام رکھا نہیں رہتا، جو بات وہ کہتا ہے

وہ بخشش ہی کی ہوتی ہے۔

جو اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اسے اس

کی خاکِ قدم پر بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔“

میں جعفر کے پاس پہنچا اور اسے سارا واقعہ سنایا، اپنے اشعار سنائے

یہ بھی بتایا اس کے والد نے مجھے کیا ہدایت کی ہے۔ اس نے کہا، ” تم دو

شعر ایسے کہو، جن میں اپنی حاجت کا ذکر ہو۔ جب تک میں غسل وغیرہ سے

فارغ ہوں، اس اتنا میں تم شعر لکھ لو، میں انہیں ساتھ لے جا کر دونوں

کو یاد دلا دوں گا“ میں نے کہا، ” میرے آقا بہت بہتر“ میں نے لکھنا

شروع کیا۔

” جو اپنا وعدہ پورا کرتا ہے وہ مستحق ستائش ہے، وہ اللہ کی

مخلوق پر اس کا نائب ہے۔

وہ وارث بنتی ہے، اس کا حق کوئی نہیں مار سکتا۔

وہ اچھی باتوں میں اپنی اچھائیوں کی طرف منسوب ہوتا ہے

اور سچائیوں میں اپنی سچائی کی طرف۔

جس کی اطاعت فرض ہے، جس کی غلامی وحی سے

ثابت ہے

وہ بہت سی اُلھنوں کو سلجھاتا ہے، جن کے سلجھانے پر لوگ

قادر نہیں“

جعفر نے یہ اشعار لے لیے، رشید کے پاس گیا، اور اس سے یہ
اشعار پڑھوائے۔ اس نے اسی وقت رُپڑ دینے کا فرمان لکھ دیا۔ میں نے
اسی دن اس پر قبضہ کر لیا

(۸۵) حضرت عمرؓ کی رحم دلی!

عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ کلاب بن امیہ الاسکر نے مدینہ کی
طرف ہجرت کی، یہ زمانہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی خلافت کا تھا۔ ایک عرصے
تک وہ مدینہ منورہ میں مقیم رہا۔ ایک روز طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر
بن عوام رحمہما اللہ سے ملاقات ہوئی، ان دونوں سے اس نے پوچھا:-
”اسلام میں سب سے افضل کون کام ہے؟“
”جہاد“

کلاب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا، ان سے فوج میں بھرتی ہونے کی
درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے اسے ایک پلٹن میں داخل کر لیا۔
کلاب کا باپ ایک کہن سال مرد بیمار تھا، جب کلاب کو گئے
ہوئے عرصہ ہو گیا، باپ تابِ سفارت نہ لاسکا، اس نے ایک طویل
قصیدہ فراقیہ لکھا

ملہ امیہ بن الاسکر، شاعر، بہادر، مخضرم، جاہلیت اور اسلام، دونوں زمانے
دیکھے تھے بہت پرگو اور بلند پایہ شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔

قصیدے کے اشعار حضرت عمرؓ فاروق تک بھی پہنچ گئے، مگر انھوں نے کوئی خاص اثر نہیں لیا، نہ کلاب کو میدانِ جنگ سے واپس بلا لیا۔ ایک مدت اور گزر گئی، امیدِ شدتِ غم اور وفورِ الم سے گویا دیوانہ ہو گیا، ایک روز وہ مسجدِ نبویؐ میں حاضر ہوا، حضرت عمرؓ وہیں تشریف رکھتے تھے، ان کے ارد گرد مہاجرینِ کرام اور انصارِ عظام مجتمع تھے، امیہ سامنے جا کر کھڑا ہو گیا، اور ایک دوسرا قصیدہ سنایا جو سوز و حرمان کی بولتی ہوئی تصویر تھا، ایک ایک حرف سے، حسرت، تمنا، بے چارگی اور مہرِ پدری کا اظہار ہو رہا تھا، الفاظ کی نشست، خیالات کی روانی، ترکیب کی چستی، اور جوش، اثر، درود اور رقت کی ایسی کیفیتیں اس میں پہنچا تھیں کہ اور تو اور خود حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا، فوراً حکم بھیجا کلاب مدینے واپس بھیجا جائے۔

جب کلاب واپس آیا تو حضرت عمرؓ کے حضور میں حاضر ہوا، آپ نے پوچھا:

”اپنے باپ کی تم بہت خدمت کرتے تھے؟“

”میں ان کے تمام کام انجام دیتا تھا، میں انھیں دودھ دودھ کر پلاتا تھا، اس طرح کہ پہلے اونٹنی کو خوب کھلا پلا لیتا تھا پھر اس کے تھن دھوتا تھا، پھر دودھ دھوٹتا تھا، پھر اپنے باپ کو پلاتا تھا“ حضرت عمرؓ نے اسی وقت آدمی بھیج کر امیہ کو بلوایا۔ امیہ اس حالت میں لایا گیا کہ ضعف سے قدم اٹھانا دو بھر ہو رہا تھا، بصارت زائل ہو چکی تھی، گھل کے کاٹا ہو گیا تھا، حضرت نے پوچھا:

”ابو کلاب کیسے ہو؟“

”جیسا امیر المومنین دیکھ رہے ہیں“

”کوئی ضرورت ہو تو کہو؟“
 ”میری تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ کلاب کو دیکھ لوں، اس
 کی خوشبو سونگھ لوں، اسے اپنے سینے سے لگا لوں“
 حضرت عمرؓ پر پھر گریہ طاری ہوئی، انہوں نے امیہ سے ارشاد فرمایا:-
 ”جو کچھ تمہاری تمنا ہے، خدا نے چاہا ابھی پوری ہوگی“
 پھر حضرت نے کلاب کو حکم دیا، کہ جس طرح وہ اپنے باپ کے لیے
 اوٹنی کا دودھ دوا کرتا تھا، دوسے، اور حضرت کے پاس بھیج دے۔ کلاب
 نے ایسا ہی کیا حضرت نے برتن اپنے دست مبارک میں لے لیا اور
 فرمایا، ”یہ لو ابو کلاب!“ امیہ نے برتن لے لیا، منہ کے پاس لے گیا،
 کہا، ”امیر المؤمنین خدا کی قسم اس برتن سے مجھے کلاب کی خوشبو آ
 رہی ہے“

حضرت عمرؓ یہ سن کر رونے لگے، فرمایا، ”ہاں! کلاب یہ تمہارے
 سامنے موجود ہے، تمہارے لیے ہم نے اسے واپس بلا لیا“ امیہ جلدی
 سے کلاب کے پاس پہنچا، اسے سینے سے لگایا، اور خوب پیار کیا۔ حضرت
 اور حاضرین کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ حضرت عمرؓ نے
 کلاب سے کہا، ”اب تم اپنے والدین کا دامن نہ چھوڑنا، یہی تمہارا
 جہاد ہے“

پھر حضرت نے اس کے اور امیہ کے مصارف کے لیے بیت المال
 سے ایک رقم منظور کی، جب تک امیہ زندہ رہا، کلاب دل و جان سے
 اس کی چاکری کرتا رہا۔

(۸۶) حافظے کا کمال !

علی بن عباس نوبختی، بحرہی سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے ابو تمام کو ابو سعید محمد بن یوسف کے ہاں دیکھا، میں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا، وہی لے کر میں وہاں گیا تھا۔

امیر ابو سعید نے میرا قصیدہ سنا، بہت خوش ہوئے، فرمایا، "نوجوان شاعر تو نے خوب کہا، بہت خوب کہا" اسی مجلس میں ایک شریف و جلیل شخص بھی بیٹھا تھا۔ حاضرین مجلس میں سب سے ممتاز، سب سے الگ گھنٹے پر گھنٹنا رکھے تنگن تھا، وہ میری طرف مخاطب ہوا، اور کہا۔

"میاں صاحب زادے تمہیں شرم نہ آئی، میرے شعر اپنے بتا کر سنا رہے ہو؟"

ابو سعید نے اس سے پوچھا، "سچ؟ یہ اشعار تمہارے ہیں؟"

"میں سچ کہتا ہوں، یہاں آنے سے پہلے اس چھو کرے نے یہ شعر مجھ سے سنے اور اب اپنا لیے"

لہ البحرہی - ولید بن عبید اللہ بن بحرہی، کنیت ابو عبادہ، شاعر فاضل، فصیح اللسان زود گو، خیال و بیان پر کیفیت، اشعار کی شہرت دوردور پھیلی ہوئی، ارباب ذوق و نظر اسے خاتم الشعرا کہتے ہیں، بچو کے میدان میں سست گام تھا، دوسرے اصناف شعر کا امام ہر وقت پیلے کچیلے کپڑے پہنے رہتا تھا، سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ اول درجے کا بخیل تھا۔

لہ ابو تمام - جبیب بن اوس، النطائی، شاعر بے بدل، ہر حلقہ میں کلام مقبول، بہل ممتنع اس کا امتیاز خصوصاً، دقیق معنی اس کا جوہر، اپنے رنگ کا لیکنا اور اپنے طرز کا موجد گزرا ہے۔

یہ کہہ کر اس شخص نے میرا وہ سارا قصیدہ فر فر سنا دیا، جو ابھی ابھی میں
سنا چکا تھا۔ قصیدہ اس روانی سے اس نے سنا یا کہ میں خود شک اور
مذہذب میں پڑ گیا کہ یہ شعر کس کے تھے جو میں نے سنائے؟ اس کے یا
میرے؟ میں حیران و پریشان اس کا منہ دیکھ رہا تھا اور شعر سن رہا تھا۔
پھر ابو سعید میری جانب مخاطب ہوا، کہا، "اے نوجوان تجھے یہ
زیبا نہ تھا، تجھے ہمارا شرفِ تقرب حاصل ہو، تیرے لیے ہمارے دل
میں حجت ہو، تجھے ایسی فریب کاری سے بے نیاز رہنا تھا۔ میں نے
بڑی سخت قسمیں کھائیں، اور یقین دلایا کہ یہ شعر میرے ہی ہیں، میں
نے ہی کہے ہیں، میری ہی طبع رسا کا نتیجہ ہیں۔ نہ میں نے انھیں کسی سے
سنا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے کہے، نہ میں نے کہیں سے نقل کیے، لیکن
میری ان باتوں پر کسی نے بھی کان نہ دھرا، سب مجھے جھوٹا سمجھتے رہے
میں اتنا شرمندہ ہوا جی چاہتا تھا زمین پھٹ جائے اور میں اس میں
سما جاؤں۔

اب وہاں بیٹھنا لا حاصل تھا۔ میں سر جھکائے ہوئے اٹھا، پاؤں
رکھتا کہیں تھا پڑتا کہیں تھا ابھی زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ مجھے واپس
طلب کیا گیا۔

وہی آدمی پھر میری طرف مخاطب ہوا، کہنے لگا، "بیٹے وہ اشعار
تمہارے ہی تھے، خدا کی قسم وہ میرے کہے ہوئے شعر نہیں ہیں نہ میں
نے تمہارے علاوہ کسی اور سے سنے، میں نے تمہیں ذرا سبق دینا چاہا
تھا، تم نے میری توہین کی تھی، تم نے میرے سامنے بکثائی کی جرأت
کی۔" ابو سعید نے جب یہ سنا تو خوش ہوا اور ہنسنے لگا۔

پھر ابو تمام نے مجھے بلایا لکھ سے لگایا۔ معانقہ کیا، اس کے بعد میں
ابو تمام کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ اس سے بہت کچھ سیکھا، اور اسی کی
پیروی کو اپنا شعار بنالیا۔

(۸۷) مامون کا سمجھ دار محاسب!

ابراہیم بن رباح راوی ہیں کہ میں خلیفہ مامون الرشید کے ذاتی
حساب کتاب کا کام کرتا تھا۔ ابراہیم بن اسحق موصلی نے ایک روز اس کے
سامنے عربیہ کا ذکر کیا۔ خلیفہ نے فوراً اس کی خریداری کا حکم دے دیا
ایک لاکھ درہم میں وہ خرید لی گئی۔ مامون نے مجھے حکم دیا کہ عربیہ،
اور اس کے ساتھ ایک لاکھ درہم اسحق موصلی کو دے آؤں۔ میں نے
ایسا ہی کیا، اب میں اس سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ یہ رقم حساب میں
کس طرح دکھاؤں؟ کیا درج کروں؟

میں نے رجسٹر میں لکھ دیا کہ ایک لاکھ درہم کے جواہرات خریدے
گئے، اور ایک لاکھ درہم دالوں اور صاف کرنے والوں کو دیے گئے۔
فضل بن مروان نے یہ حساب دیکھ کر اس کی تصدیق۔ مامون سے
چاہی اس نے انکار کیا، پھر فضل نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا، بات
وہی ہے جو تم رجسٹر میں دیکھ رہے ہو "مامون نے کہا، "جواہرات
کی صفائی اور دالوں کا کمیشن ایک لاکھ درہم؟" پھر اس نے مجھے
قریب بلایا، میں نے چپکے سے کہا "یہ وہ رقم ہے جو عربیہ کے خریدنے
سے مشہور مغنیہ، شاعرہ بھی تھی، اس کے اشعار ایک خاص پایہ رکھتے تھے؛

اور اسحق کو عطیہ دینے میں صرف ہوئی ہے، آپ ہی ارشاد فرمائیے امیر المومنین
یہ بہتر تھا کہ ساری تفصیل لکھی جاتی؛ یا یہ مناسب تھا کہ اس طرح بات بنا
دی جاتی؟ ”یہ لکھنا کہ ایک مغنیہ ایک لاکھ درہم میں خریدی گئی، اور ایک
گوئیے کو ایک لاکھ درہم انعام کی مد میں دیے گئے“ مجھے اچھا نہیں
معلوم ہوا۔

مامون یہ سن کر ہنسا، کہا، ”تم نے ٹھیک کیا؟“ پھر فضل بن مروان
سے کہا، ”اسی نبلی امیرے اس خزانچی سے کبھی مت الجھنا!“

حُسن طلب! (۸۸)

حرمی زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے فرمایا،
ایک بار خلیفہ منصور نے جب وہ حج کے عزم سے روانہ ہو رہا تھا، حکم
دیا ایک ایسا آدمی تلاش کیا جائے جو مدینہ منورہ وہاں کے رہنے والوں،
وہاں کے گلی کوچوں سے خوب واقف ہو۔ مدینے کا ایک انصاری عرصہ
دراز سے ربیع کے پاس ٹیکا ہوا تھا، اس سے ربیع نے کہا، ”تیار ہو
جاؤ، امیر المومنین کو ایک تمہارے ہی ایسے آدمی کی ضرورت ہے، میں
تمہیں ان کے ساتھ کیے دیتا ہوں لیکن دیکھو اس کا خیال رکھنا کہ اپنی
طرف سے کچھ نہ بولنا۔ جو وہ کہیں سُننا، جو پوچھیں بتانا۔ کوئی بات نہ پھیلانا
ان پر وقت بے وقت اپنی ضرورتوں کا اظہار بھی نہ کرتے رہنا۔ صبح ہوئی
منصور نے فجر کی نماز پڑھی، اور ربیع سے پوچھا، ”کہو آدمی لائے؟“
اس نے کہا، ”جی ہاں یہ موجود ہے!“ منصور اس انصاری کو لے کر

روانہ ہو گیا۔ وہ جو کچھ پوچھتا تھا، انصاری اس کا جواب دیتا جاتا تھا، یہاں تک کہ قافلہ مدینے کے قریب پہنچ گیا، شہر رسول کے در و دیوار نظر آنے لگے، منصور نے انصاری سے پوچھا:-

”تم کون ہو؟“

”مجھے آپ نہ پہچان سکیں گے“

”تمہارے اہل و عیال ہیں؟“

”نہیں نے اب تک شادی کی، نہ میرا کوئی خادم ہے“

”تمہارا گھر کہاں ہے؟“

”ہر ہی نہیں“

”امیر المومنین نے تمہارے لیے چار لاکھ درہم کا حکم دیا ہے“
یہ سنتے ہی انصاری خوشی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گیا، فوراً اس نے جھک کر پانوں چوم لیے۔

جب وہ چلنے لگا، تو رزیع سے کہا، ”ابوالفضل میرے لیے امیر المومنین نے کچھ حکم دیا ہے؟“

”کیا“

”جو کچھ حکم دیا ہو اس کو جلد پورا کر دینا“

”مجھے تو کوئی حکم نہیں ملا“

بے چارہ انصاری نوجوان خاموش ہو رہا، کچھ دنوں کے بعد منصور

نے رزیع سے پوچھا:-

”کہو اس نوجوان انصاری کا کیا حال ہے؟“

”حاضر ہے“

(۸۹) رقابت!

خدا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم بن ابی سلمہ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس حاضر ہوا، اور کہنے لگا، ”امیرالمومنین، میری تمنا ہے میری اس طرح عزت افزائی کی جائے کہ میرا اور اسحق موصلی کا درجہ ایک کر دیا جائے۔ میں اور وہ ایک ہی ساتھ آپ کے حضور میں حاضر ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میری یہ گزارش قبول فرمائیں۔ ہارون نے کہا، ”کیا مضائقہ ہے؟“

اسحق کہتے ہیں، جب دربار میں میری حاضری کا دن آیا، تو ابراہیم میرے گھر پر آیا، دروازہ کھٹکھٹایا، میرے خادم نے مجھے اطلاع دی، کہ ابراہیم آیا ہے۔ میں نے کہا، بلا لاؤ، لیکن اس نے اندر آنے سے انکار کر دیا۔ آدمی سے کہا، ”اسحق سے کہ دو، تم باہر نکلو“ مجھے اس کی یہ بات بڑی معلوم ہوئی، پھر بھی میں باہر آیا، میں نے پوچھا، ”کیا ہے، کیوں گرج رہے ہو؟“ اس نے کہا، ”امیرالمومنین نے تمہیں یاد فرمایا ہے، اور حکم دیا ہے کہ کبھی گھر میں بغیر میرے داخل نہ ہونا، نہ کہیں اور بغیر میرے جانا، چلو، اٹھو، سوار ہو“ مجھے اس کی یہ باتیں بڑی تو بہت معلوم ہوئیں لیکن حکم حاکم، گیا اس کے ساتھ، دن بھر اپنی اس توہین پر افسردہ اور مضطرب رہا۔

پھر میں فضل بن ربیع کے پاس گیا، ان سے شکایت کی، انہوں نے کہا، ”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ امیرالمومنین تمہارا درجہ اتنا پست

کر دیں۔ چلو میرے ساتھ،“ میں فضل کے ساتھ خلیفہ کے ہاں پہنچا، خلیفہ سے فضل نے کہا، ”یا امیر المومنین، اسلحہ، اس کی خدمتیں، اس کے باپ کے حضور پر حقوق، حضور ہی پر نہیں امیر المومنین مہدی پر بھی،“ ان سب کا تقاضا یہ تو نہیں تھا کہ اس کی ابراہیم بن ابی سلمہ کے مقابلے میں توہین کی جائے؟“ خلیفہ نے کہا، ”خدا کی قسم میں نے تو ایسا نہیں کیا“ فضل نے کہا، ”اسلحہ میرے پاس گریہ کننا آیا، اور یہ ساری داستان شنائی، اس نے تو قسم کھالی ہے، چاہے اسے قتل کر دیا جائے لیکن وہ یہ سلوک برداشت نہیں کر سکتا“

ہارون نے کہا، ”نہیں بھائی، میرا یہ ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ بات یہ ہوئی ابراہیم بن ابی سلمہ میرے پاس آیا، اور اس نے مجھ سے یہ باتیں کیں، میں نے کہا، یہی سہی“ لیکن میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اسلحہ کی توہین کی جائے، یا اس پر اس طرح کی پابندیاں عائد کی جائیں، یا اسے ناجائز طور پر مجبور کیا جائے، تم اسلحہ سے کہہ دو، وہ جب چاہے میرے پاس آئے۔ تنہا آئے، ابراہیم کے ساتھ کبھی نہ آئے“ فضل نے اس گفتگو سے مجھے اطلاع دی، میں خوش خوش واپس آ گیا۔

اب کے پھر جب دربار میں جانے کی میری باری آئی، ابراہیم آیا، اور وہی پہلی باتیں اس نے پھر کیں۔ میں نے آدمی سے کہا، ”کہ جسے امیر خبیث ابن جبیت۔ نہ میں تیرے ساتھ جاؤں گا، نہ تو میرے ساتھ جا سکتا ہے“ میں نے جی بھر کے صلواتیں سنائیں۔ خادم باہر آیا، اس نے میرا پیام ابراہیم کو سنا دیا، وہ سمجھ گیا میں ایسی باتیں بغیر کسی سہارے کے نہیں کہہ سکتا تھا، میں نے خلیفہ سے استصواب کر لیا ہے۔ وہ نادم ہوا،

خادم سے اس نے کہا، "کہ دینا، آپ اتنے برہم کیوں ہو گئے؟ میرا مقصد تو صرف یہ تھا کہ ساتھ ساتھ لطف سے راستہ کٹے گا، اگر انھیں یہ پسند نہیں، نہ سہی" یہ کہا۔ اور چلا گیا۔ پھر کبھی اس نے میرا پیچھا نہیں کیا۔

(۹۰) دراندازی!

حماد، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مامون نے بغداد میں آنے کے بعد بیٹن مہینے تک غناد موسیقی سے کنارہ کشی رکھی۔ ایک دن بھی گانا نہیں سنا، سب سے پہلے جس شخص نے اس کے سامنے گانے کی ہمت کی وہ عیسیٰ بن رشید تھا۔ شروع شروع میں مامون نے یہ وطیرہ رکھا کہ خفیہ طور پر جب جی چاہتا عیسیٰ کا گانا سن لیا کرتا، اسی طرح چار سال کی مدت گزر گئی۔

اب وہ گانے کی طرف زیادہ مائل ہوا، گویوں سے کھلے بندوں سننے لگا۔ جب اس کا جی چاہتا، مجھے پوچھتا، میں اس کے حضور میں حاضر ہوتا، اور اس کے مرغوب گانے اسے سناتا۔

ایک روز ایک درانداز نے کہا، "امیر المومنین ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو خلافت تک سے گھمنڈ کرتا اور نخرے دکھاتا ہے؟" مامون نے کہا۔۔۔۔۔ وہ سمجھ گیا اشارہ میری طرف ہے۔ "اچھا یہ بات ہے؟ وہ شاید اس لیے حد سے تجاوز کر رہا ہے کہ میں اس کی قدر افزائی کرنے لگا ہوں"

اب مامون نے میرا ذکر چھوڑ دیا، مجھے بلاتا بھی نہیں تھا۔ اس کی

داد و دہش کے دروازے میرے لیے بند ہو گئے، ظاہر ہے اس سے مجھے
غیر معمولی نقصان پہنچا۔

ایک روز میرے پاس علویہ آیا، کہنے لگا، ”مجھے اجازت دیتے
ہو کہ امیر المومنین سے تمہارا ذکر کروں؟ آج ہم لوگ وہاں بلائے گئے
ہیں“ میں نے کہا، ”یوں ٹھیک نہیں، یہ کرو، جو اشعار میں تمہیں سنا
ہوں وہ اسے سناؤ، پوچھے گا، کس کے ہیں؟“ بس راستہ پیدا ہو جائے
گا اسی مرحلے سے اپنی مہم کا آغاز کر دینا“ اس نے کہا، ”اچھا سناؤ“
میں نے اپنے مخصوص راگ کے ساتھ اپنے چند شعر سنائے۔

علویہ مامون کی مجلس میں گیا، وہاں پہنچ کر اس نے گانا شروع کیا۔
وہی اشعار گائے جو اسحق نے اسے تلقین کیے تھے۔ ابھی پورے شعر
ہوئے بھی نہیں تھے کہ مامون نے پوچھا، ”علویہ! یہ کس کے شعر ہیں؟“
”یا سیدی، آپ کے ایک بندہ درگاہ کے، جو بغیر کسی جرم کے
نشاندہ جو رہا۔ جو بغیر کسی خطا کے مردودِ بارگاہ قرار دیا گیا“
”تم اسحق کے بارے میں کہہ رہے ہو؟“

”جی ہاں، امیر المومنین“

مامون نے فوراً اسحق موصلی کو طلب کیا، اسحق کا بیان ہے، میں
عند الطلب فوراً حاضر دربار ہوا۔

خلیفہ نے مجھ سے کہا، ”قریب آؤ“ میں قریب پہنچا۔ اس نے اپنے
دونوں ہاتھ پھیلا دیے، میں قدموں پر گر پڑا، اس نے مجھے اٹھایا، سینے
سے لگایا۔ میری عزت و توقیر بڑھائی، اس کا پچھلا انس و سلوک پھر تازہ
ہو گیا، وہ مجھ سے پھر اس طرح گھل مل گیا کہ کیا، دو جگری دوست اس

(۹۱) "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز!"

ابن کلبی کی روایت ہے، ہوازن کے دو آدمی پڑوس میں رہتے تھے، جن کے نام عمرو، اور ابن عامر تھے۔ یہ لوگ بنی مرہ بن عوف بن ذبیان میں سے تھے، انھوں نے اپنے قبیلے میں خون ریزی کی تھی۔ قیس بن عاصم المنقری نے بنی مرہ بن عوف بن ذبیان پر ڈاکہ ڈالا۔ بنی مرہ کے جن آدمیوں کو اس نے قید کیا، ان میں عامر بھی تھا۔ قیس بن عاصم کے پاس بنی مرہ کے جتنے لوگ قید تھے وہ سب فدیہ دینے کے بعد رہا کر دیے گئے۔ عامر بھی چھڑا لیا گیا لیکن ہوازنی رہ گیا، اس کے بھائی نے بنی مرہ کے بڑے لوگوں کے سامنے فریاد کی مگر کسی نے بھی نہ سنی، پھر عکاظ کے میلے کا وقت آیا۔ ایک روز وہ منازل ندج کے پاس پہنچا، اس نے برجستہ فریاد منظم کا سلسلہ شروع کیا:-

سے قیس بن عاصم بن سنان بن منقر، شاعر بہادر، دلیر، بڑے بڑے دھاکے بولنے والا اور چڑھائیاں کرنے والا، ہر جنگ میں کامیاب رہا۔ اسلام اور جاہلیت دونوں زمانے دیکھے، ۱۵۰ زمانہ جاہلیت سے دستور چلا آ رہا تھا کہ "سوق عکاظ" کے نام سے ایک بڑا میلہ لگتا تھا، جس میں مرد اور عورت جمع ہوتے تھے، داد عیش و طرب دیتے تھے، زندگی کے مسائل حل کرتے تھے، قصایا کا فیصلہ کرتے تھے، لڑتے اور دوست بنتے تھے، خطیب اپنی آتش نوازی کا، شاعر اپنی فصاحت و بلاغت کا پہلوان اپنے زور بازو کا مظاہرہ کرتے تھے، عوام "معمول" کی طرح خطیب اور شاعر کے اشاروں پر چلتے تھے

اور درخواست کرتا ہوں میرے بھائی کو چھڑ دیجیے۔
مکشوح نے اس سے کہا، ”خدا کی قسم قیس بن عاصم ایسا آدمی ہے جس
سے میں نے کبھی کوئی بھلائی سرزد ہوتے دیکھی ہی نہیں۔ نہ وہ میرا پڑوسی
ہے لیکن میں اس پر تیار ہوں کہ تمہارے بھائی کو اس سے خرید لوں، وہ کتنی
ہی گراں قیمت پر بیچے اس کی پروا نہیں۔“

پھر وہ عمرو بن معدی کرب کے پاس گیا۔ عمرو نے پوچھا، ”تم مجھ
سے پہلے بھی کسی کے پاس گئے تھے؟“ اس نے کہا، ”ہاں قیس بن
مکشوح کے پاس گیا تھا، اس نے کہا، ”پھر میرے پاس کیوں آئے؟“
اسی کے پاس جاؤ!“

عمرو سے رخصت ہو کر وہ یزید بن عبدالمدان کے پاس آیا، اور گویا
ہوا، ”اے ابانضر! مجھ پر یہ یہ گزری“ اس نے کہا، ”اؤ اؤ خوش آمدید
میں ابھی قیس بن عاصم کے پاس پیام بھیجتا ہوں اگر اس نے تمہارا بھائی
مجھے عطا کر دیا، میں اس کا شکریہ ادا کروں گا، ورنہ میں اس پر حملہ آور
ہوں گا، یہاں تک کہ تمہارا بھائی چھوٹ جائے۔ یہ بھی نہ ہو تو نجران میں
بنی تمیم کے جتنے قیدی ہیں وہ سب تمہیں دے دوں گا، تم انہیں فروخت
کر کے اپنے بھائی کو چھڑالینا۔ اس نے کہا، ”ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے!“
یزید نے قیس کو حسب ذیل پیام بھیجا:۔

”اے قیس قبیلہ بنی جشم کے امیر کو یہاں بھیج دے، اگر تو نے ایسا
نہ کیا تو تو میرے غصے سے محفوظ نہیں رہے گا۔ بہتر یہی ہے کہ امیر
سے حسن سلوک کر اور اسے واپس کر دے۔“
یہ پیام لے کر ایک قاصد، قیس بن عاصم کے پاس پہنچا۔ اس نے

” میں نے سنان، ابن عوف اور حارث سے فریاد کی، میں نے
حصین اور ہاشم تک اپنی التجا پہنچائی، لیکن وہ گونگے بنے بیٹھے
رہے۔ زلزلے کی مصیبتیں بہت ہیں، بھائیوں میں کوئی نہیں
جو انھیں بانٹ لے، آہ اکاش مجھے معلوم ہوتا کہ ہو کوئی جو اس
وقت ان کے حالِ زار پر توجہ کرے ہو کوئی جو غلاموں کو آزاد کرے؟“
اس نے سنا وادی سے ایک آواز آرہی ہے:-

” اس شخص! جس کی فریاد صدا بصر اتنا بت ہوئی، تجھے چاہیے
کہ اس قبیلے کے پاس پہنچے، جو مصیبت کی گریہیں کھول دیتا ہے
تو نذرج کے اس قبیلے کے پاس جا، جو خوشی اور غضب ہر
حالت میں جہربان رہتا ہے، تو یزید بن عبد المذان سے فریاد
کر، قیس سے فریاد کر، عمرو بن معدی کرب سے فریاد کر، یہ لوگ
اپنے مال و دولت کے یوتے پر تیرے بھائی کو چھڑائیں گے،
ان کا ساتھ سارے عرب میں شکل سے کوئی اور پائے گا۔“

وہ آواز پرچلا، لیکن وادی میں اسے کوئی بھی نظر نہ آیا، وہ مکشوح
(قیس بن عبد) کے پاس پہنچا کہ شاید وہ اس کی مراد کو پہنچے اس نے قیس
سے کہا، ”میرا بھائی قیس بن حاصم کے بچے میں گرفتار ہے، میں نے سنان
بن ابی حارث بن عوف حارث بن ظالم، ہاشم بن حرمہ سے فریاد کی، مگر
میں داد کو نہ پہنچا پھر عکاظ کے قبیلے میں، میں پہنچا کہ شاید وہاں کوئی ایسا
مرد مل جائے جو میرے بھائی کو چھڑا دے، میں منازل نذرج کے پاس
پہنچا، وہاں میں نے فریاد منظوم کا سلسلہ شروع کیا، وادی سے ایک آواز
آئی، اس نے مجھے اس اس طرح ہدایت کی، اب میں آپ کے پاس آیا ہوں

پیام سنایا، اور کہا: "ابوعلیٰ یزید بن عبدالمدان نے آپ کو سلام کہا، اور کہا
ہر اس جہمی کو رہا کر دیجیے، اس کے بھائی نے اشتراف بنی حشم سے فریاد کی
عمرو بن معدی کرب کے سامنے گڑ گڑایا، مکشوح بن مراد سے التجا کی، لیکن
اپنی مراد کو نہیں پہنچا، پھر اس نے میراد اس پکڑا، تم اگر درخواست بھیجے کہ
مصر کے تمام قیدیوں کو رہا کر دو تو میں ضرور ایسا کرتا۔"

قیس نے حاضرین مجلس سے جو بنی تمیم کے افراد تھے، کہا، "یزید
بن عبدالمدان کا قاصد ہے یزید مذحج کا سردار ہے، اس کا کہنا مانتے ہو تو
بولو یہی موقع ہے۔ خوب سوچ لو" لوگوں نے کہا، "مناسب تو یہ ہے کہ دام
خوب بڑھا دیے جائیں، بہت بڑی رقم لے کر قیدی کو چھوڑا جائے"
قیس نے کہا، "تمہاری یہ رائے بالکل ہل ہے، کیا تم جنگ سے خوف زدہ
نہیں ہو؟ یہ نہیں جانتے لڑائی کا پانسہ ہمیشہ موافق نہیں آتا؟" لوگوں پر
قیس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا، وہ اپنی بات پر اڑے رہے، قیس نے
کہا، "چھ اس قیدی کو میرے ہاتھ فروخت کر دو، اور جو دام چاہو لگالو"
قیدی بنی سعد کے ایک آدمی کے پاس قید تھا۔ قیس نے یزید کو سارا
ماجرا لکھ دیا، اور یہ بھی بتا دیا کہ قیدی اگر اس کے قبضے میں ہوتا یا بنی منقر
کے ہاتھ میں ہوتا تو فوراً بھیج دیا جاتا، لیکن وہ بنی سعد کے ایک آدمی کے
پاس ہے اور وہ راضی نہیں ہوتا۔

یزید نے بنی سعد کے اس آدمی کے پاس پیام بھیجا، "یہاں
قیدی کو لے کر تشریف لے آئیے، جو دام آپ مانگیں گے دے دیے
جائیں گے" سعدی یزید بن عبدالمدان کے پاس آیا، یزید نے کہا، "فریاد
کیا نذر کروں؟" اس نے کہا، "منواؤنٹ!"

یزید نے کہا، ”تم پست ہمت ہو، خدا کی قسم! اور میں تو سمجھتا تھا
 ہمارے مال و دولت میں سے تم کوئی بہت بڑی چیز مانگو گے، لیکن اس
 تمیمی، تو تو بہت ہی دون ہمت نکلا“
 یہ کہہ کر اس نے منواؤنٹ دے دیے، قیدی اور اس کا بھائی، دونوں
 اس کے پاس رہنے لگے، زندگی بھر وہیں نجران میں مزے کرتے رہے!

(۹۲) کنجوس!

خلیفہ ہمدی، مروانؓ، اور سلمؓ انخاسر پر بہت داد و دہش کرتا رہتا تھا
 جو کچھ دیتا تھا دونوں کو برابر، سلم تو در خلافت پر ٹھاٹھ سے آتا تھا، جسم پر
 لباس فاخرہ گھوڑے کی قیمت دس ہزار درہم ہوگی، بدن پر بڑے قیمتی
 ریشمی کپڑے، بہترین مشک اور عنبر کی خوشبو سے معطر!

لہ مروان بن سلیمان، بن یحییٰ بن ابی حصیف، کنیت ابو السمط بہت بہتر شاعر تھا۔
 معن بن زائد کی مدح میں بڑے پُر زور قصیدے اس نے کہے ہیں، خلیفہ ہمدی اور
 ہارون الرشید کی مدح میں بھی اس نے خوب خوب کہا ہے۔

سلم بن عمرو، بصری دولتِ عباسیہ کے نامور اور ماہر فن شعرا میں سے تھا، اسے
 ”خامس“ اس لیے کہنے لگے کہ اسے باپ سے وراثت میں ایک مصحف ملا تھا، اسے
 اس نے فروخت کر دیا، قیمت جو ملی اس سے ایک طنبور خرید لیا۔ ایک روایت یہ بھی
 کہ باپ کافی دولت چھوڑ کر مرا تھا، ساری دولت سپہ سعادت مند نے ادب و شعر
 پر صرف کر دی۔ لوگوں نے اس پر ”خامس“ کہنا شروع کیا، یہی لقب پڑ گیا، ابراہیم
 موصلی اور ابو العتاہیہ سے اس کی بڑی دوستی تھی۔

اب مروان کی ٹینیے، اس درج سے تشریف لاتے تھے کہ بدن پر سونے
 جھونے اؤن کا ایک لبادہ پڑا ہوا، معمولی سوت کی قمیص، عمامہ بھی معمولی
 دستانے اور موزے بھی گھٹیا قسم کے، خوشبو کا کہیں آس پاس پتا نہیں۔
 مروان روز گوشت نہیں کھاتا تھا، کبھی کبھار جب بہت جی چاہا کھالیا۔
 جب گوشت کھانے والا ہوتا، غلام سے کہتا، ”جاؤ ایک کلمے آؤ“
 وہی پکواتا اور کھالیتا۔

لوگوں نے اس سے کہا، ”یہ کیا بات ہے، ہم جب تمہیں دیکھتے
 ہیں، چاہے جاڑے کا موسم ہو یا گرمی کا، اس کے علاوہ تمہیں اور گوشت
 ملتا ہی نہیں؟“

اس نے کہا، ”میں کلمے اس لیے منگاتا ہوں کہ غلام اس میں چوری
 نہیں کر سکتا، نہ چراگے کھا سکتا ہو۔ کلمے کی معین چیزیں ہوتی ہیں، جن
 میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی، مثلاً اگر زبان غائب ہو، یا کان چٹ کر جائے
 یا آنکھیں نکل لے، یا اور کوئی عضو اڑا دے تو فوراً معلوم ہو جائے گا،
 فلاں چیز کم ہے، یہ بات ہے جو میں کلمے ہی منگواتا ہوں!“

(۹۳) گویا شہزادہ

عبداللہ بن عباس زیدی کہتے ہیں، ہم ایک روز ابراہیم بن مہدی
 کے پاس موجود تھے اس روز اس نے تمام اچھے اچھے گانے والوں کو بلایا
 وہ خود بیٹھا ہوا ایک آدمی سے شرطیج کھیل رہا تھا، اس نے بڑے اچھے
 لہجے میں گانا شروع کیا۔

قال لی احمد ولم یدر مابنی

وہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، جب گاچکا تو مخارق نے بھی گانا شروع کیا، وہ بہت ہی اچھا گایا۔ ہم سب بہت لطف اندوز ہوئے، ابراہیم سے بھی وہ بڑھ گیا۔ اب پھر ابراہیم نے تان لگائی، اور کچھ ایسے ڈھنگ سے گایا کہ مخارق سے بھی اچھا رہا، جب وہ فارغ ہوا تو مخارق پھر گانے لگا، خوب گایا، کوئی تان سُرا یا نہیں تھا جسے اس نے چھوڑا ہو۔ پھر ابراہیم نے اسی کو گانا شروع کیا، اس طرح کہ مخارق سے بھی بڑھ گیا۔

میں نے دیکھا مسرت سے اس کے دونوں مونڈھے ہل رہے تھے بلکہ سارا جسم متحرک تھا، یہاں تک کہ وہ گاچکا۔ مخارق اسے سکتے کے عالم میں دیکھتا رہا، اس کا رنگ اُڑ گیا، انگلیاں لرز رہی تھیں۔ مجھے خیال ہوا، دربار کا دربار چکر کھا رہا ہے، جب ابراہیم گانے سے فارغ ہوا، تو مخارق کے آگے بڑھا اس کے ہاتھ چومے، اور کہا، "خدا مجھے آپ پر قربان کرے، بھلا میں آپ سے کہاں بازی لے جا سکتا ہوں" پھر دن بھر مخارق کچھ نہیں گایا، خدا کی قسم وہ گویا کچھ کھویا کھویا سا تھا!

(۹۴) شاعر میدان جنگ میں!

ابودلامہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں خلیفہ منصور یا خلیفہ ہمدی کے حضور

ملہ ابودلامہ۔ زند بن الجون، کنیت ابودلامہ، مشہور شاعر، ابودلامہ کے میں ایک پہاڑی کا نام بھی ہے، جہاں عہد جاہلیت میں عرب اپنی (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸ پر)

اس طرح پہنچا کہ نشتے سے بدست ہو رہا تھا، خلیفہ نے قسم کھائی کہ کسی جنگ میں بھیج کر مجھے سزا دیں گے، روح بن حاتم الہسبائی مجھے خوارج سے مقابلے کے لیے میدانِ جنگ میں لے گیا!

جب دونوں صفیں آنے سے کھڑی ہو گئیں، میں نے روح سے کہا، "اگر مجھے آپ کا گھوڑا مل جائے، آپ کے اسلحہ میرے قبضے میں ہوں، تو میں آپ کے دشمن کا اس طرح مقابلہ کروں کہ آپ خوش ہو جائیں" وہ ہنسا، کہنے لگا، "خدا کی قسم یہ دونوں چیزیں میں ابھی تمہیں دیتا ہوں، اور پھر دیکھتا ہوں تم کس طرح اپنی شرط پوری کرتے ہو؟" یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا، لگام میری طرف بڑھا دی، جو اسلحہ زیب تن کیے ہوئے تھا وہ بھی اتار دیے، اور مجھے سوئپ دیے۔ اپنے لیے اس نے دوسرا گھوڑا منگایا، اور دوسرے اسلحہ زیب بر کر لیے۔ جب مطلوبہ چیزیں مجھے مل گئیں، میری طمع زائل ہو گئی، آنکھیں کھل گئیں، رزمگاہ کا ہولناک منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ میں نے کہا، "اے امیر! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں، میں نے دو شعر کہے ہیں انھیں سن لیجیے۔ اس نے کہا، "سناؤ" میں نے سنائے، اس نے کہا، "چھوڑو ان باتوں کو" اتنے

(در ۲۸۹ کا بقیہ نوٹ) لو کیوں کو زندہ دفن کیا کرتے تھے۔ عہد بنو امیہ کا آخری زمانہ اس نے دیکھا تھا لیکن فروغ نہ حاصل کر سکا، عہد بنو عباس میں اس نے ترقی کی۔ خلفائے عباسیہ کے دربار میں یہ "یارِ شاطر" کے فرائض انجام دیتا تھا، وہ لوگ اس کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ خلیفہ منصور نے تو اسے اتنا نوازا کہ کوئی شاعر لطف و نعمت سے اس درجے سر فراز نہیں کیا گیا ہوگا، بہت بددین، لاندہب، تارک فرائض اور سحارم کے ارتکاب پر جری شخص تھا، اپنی بے راہ روی پر شرمندہ بھی نہیں تھا، جو کچھ کرتا تھا ڈنکے کی چوٹ کرتا تھا۔

میں خوارج کی صفت سے ایک آدمی جو نہایت زبردست تھا دعوت مبارزت دیتا
 ہوا باہر نکلا، روح نے مجھے حکم دیا، "ابو دلا سے اس کے مقابلے کے لیے
 تم جاؤ" میں نے کہا، "اے امیر آپ کیوں میری جان کے درپڑ ہوئے ہیں؟"
 اس نے کہا، "خدا کی قسم تمہیں کو جانا پڑے گا،" میں نے کہا، "اے امیر یہ
 آج کا دن میرے لیے آخرت کا پہلا اور دنیا کا آخری دن ہے، خدا جانتا ہے
 میں بھوک سے بے تاب ہو رہا ہوں حکم دیجیے کھانا لایا جائے، کچھ کھا
 لوں پھر میدان کا رخ کروں" روح نے حکم دیا فوراً دو چپاتیاں اور
 ایک ٹھنی ہوئی مرغی میرے سامنے لائی گئی۔ یہ دونوں چیزیں لے کر
 میں میدان جنگ کی طرف چل کھڑا ہوا، حریف نے مجھے دیکھا، میری
 طرف متوجہ ہوا، وہ میری طرف لپکا، میں نے کہا، "بھائی اتنی جلدی کی
 کیا ضرورت ہے؟ سنو تو؟" وہ ٹھہر گیا، پھر میں نے کہا، کیا تم ایسے آدمی
 کو قتل کرنا پسند کرو گے جو تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا؟"

"ہرگز نہیں"

"کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرو گے جو تمہارا ہم مذہب ہے؟"

"قطعاً نہیں"

"کیا یہ جائز ہے کہ تم اپنے دین کی دعوت دیے بغیر کسی سے
 مقاتلہ کرو؟"

"نہیں! تجھ پر خدا کی لعنت، بھاگ یہاں سے!"

"میں نہیں بھاگوں گا میری بات سنو"

"اچھا کہو! کیا کہتے ہو؟"

"کیا میرے تمہارے مابین کبھی عداوت تھی؟ کوئی جھگڑا تھا؟"

کوئی مناقشہ تھا؟ اچھا کیا ہمارے تمہارے گھر میں کوئی تنازعہ تھا؟“
 ”نہیں خُدا کی قسم نہیں“

”میرا جہاں تک تعلق ہے میں تو تمہارے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتا ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں، تمہارا مذہب قبول کرنے کے لیے تیار ہوں، تمہارا دین اختیار کیے لیتا ہوں، جو تمہارے متعلق بد ارادہ رکھتے ہیں ان کا دشمن“

”جزاک اللہ، اچھا اب تم جاؤ“

”میرا“ ماہی حضرت تو قبول فرمائیے، آئیے ہم دونوں ساتھ ساتھ کھائیں ساتھ ساتھ کھانے سے محبت بڑھتی ہے، اہل لشکر بھی دیکھ لیں کہ حریف، حلیف کیسے بن جاتے ہیں؟“

”اچھی بات!“

میں نے روٹیاں اور مرغی پیش کی۔ ہم دونوں مزے لے لے کر کھائے لگے۔ اہل لشکر یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، اور ہنسی سے بے حال ہوئے جا رہے تھے، جب ہم کھاپی چکے، اس نے مجھے رخصت کر دیا، میں نے کہا،
 ”دیکھو بھائی ایک بات اور سن لو، میرے لشکر کا سردار ایک ہی گاؤں میں ہے، اگر تم میدان میں ڈٹے رہے اور طلب مبارزت کرتے رہے تو اس میں میری سبکی ہے، اور وہ مجھے سخت سست بھی کہے گا، اور یہ جتنا مجھے بُرا معلوم ہوگا اتنا ہی تمہیں بھی بُرا لگے گا۔ کوئی ہرج نہ ہو تو مہربانی کر کے آج تو لوٹ ہی جاؤ، کل جسے چاہنا لڑنے کو بلا لینا۔ اس طرح میرے سر سے تو بلا مل جائے“ اس نے کہا، ”کوئی مضائقہ نہیں“ یہ کہہ کر وہ اپنے لشکر میں چلا گیا، اور میں اپنے لشکر میں چلا آیا۔

میں نے روح سے کہا، "کہیے بندہ پرور، دیکھ لیا آپ نے میرا کارنامہ؟
میں نے تو اپنے حریف کو "پسا" کر دیا، اب کسی دوسرے کو بھیجیے! دیکھو
وہ کیا کرتا ہے؟" روح خاموش ہو گیا!

پھر جب دوسرا آدمی لشکرِ خوارج سے نعرہ جنگ لگاتا ہوا، لکارتا
ہوا باہر نکلتا، تو روح نے پھر مجھ سے کہا، "جاؤ" میں نے کہا:-
"میں روح سے پناہ مانگتا ہوں، وہ مجھے میدان جنگ میں
بھیج رہا ہے، ایسا نہ ہو میرے سبب میرے قبیلہ بنو اسد کو
رسوا ہونا پڑے، لڑائی کا میدان تو دو ٹوک فیصلہ کرتا ہے،
روح اور جسم کا تعلق منقطع ہوتے وہاں کچھ دیر لگتی ہے؟ تم کو
مہلب سے موت کا اشتیاق ورتے میں ملا ہے، مگر مجھے تو
ہنیں ملا۔"

وہ ہنسا اور خاموش ہو گیا!

(۹۵) ایک خارجی کا حشر

ولید بن طریف الثیبانی خارجیوں کا سردار تھا۔ بڑا بہادر بے حد تندر
حد سے زیادہ بے باک۔ شامیہ کے رہنے والے اس کے ظلم و جور کے
تختہ و شق بنے ہوئے تھے، اس کی شوکت روز افزوں ترقی پر تھی، دن
اسی طرح گزرتے رہے، ہارون رشید نے اس کی سرکوبی کے لیے
یزید بن مزید الثیبانی کو بھیجا۔ وہ اسے داؤں بیچ میں لانے کی ترکیبیں کرتے
لگا، برا مکہ یزید بن مزید سے نفاق تھے، انھوں نے امیر المؤمنین کو بھڑکایا،

اور کہا "یزید، ولید کو قابو میں لانے سے گریز کرتا ہے، ورنہ ولید کی طاقت ہی کیا ہے؟" اسے طرح طرح کی امیدیں دلائی گئیں ہیں، وہ کسی اچھے موقع کا منتظر ہے، رشید نے حالتِ غضب میں اسے لکھجھوایا: "اگر میں کسی اور خادم کو اشارہ کروں تو وہ اس سے زیادہ گریز کرے گا، جو تم اب تک کر سکتے تم چکنی چپڑی باتیں بناتے ہو، تم متعصب بھی ہو، خدا کی قسم اگر تم نے ولید کے معاملے میں تاخیر کی، تو میں ایسا آدمی بھیجوں گا جو تمہارا سر لے کر مجھے پاس آئے گا۔" وہ ولید سے جمعرات کی شام کو رمضان کے مہینے میں ملا، کہتے ہیں کہ یزید بہت پیاسا تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنی انگشتی اپنے منہ میں ڈال لی، اور اسے چوسنے لگا، اور کہنے لگا، "اے اللہ یہ تو بڑی سخت ہے، تو اسے نرم کر دے" اور اپنے ساتھیوں سے کہا، "تم پر میرے ماں باپ قربان یہ خوارج ہیں، ان پر کراہ حملہ کرنا چاہیے۔ تم ڈھالوں کے سایے میں ثابت قدم رہو، جب ان کا حملہ ختم ہو جائے تو ان پر حملہ آور ہو۔ یہ جب شکست کھاتے ہیں پھر نہیں ٹھہرتے۔ واقعہ بھی یہی تھا، انھوں نے یزید پر پوری قوت سے حملہ کیا۔ وہ اور اس کے ساتھی ثابت قدم رہے، پھر انھوں نے حملہ کیا۔ خوارج بھاگ کھڑے ہوئے۔ کہتے ہیں اسد بن یزید اپنے باپ سے بہت مشابہ تھا، جب تک غور سے نہ دیکھا جائے، دونوں میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ ان دونوں میں ماہر الامتیاز یہ تھا کہ یزید کے چہرے پر ایک چوٹ کا نشان تھا، جو اس کی کنپٹی سے چہرے تک تھا۔ اسد بھی اپنی صورت ایسی ہی بنانا چاہتا تھا، جب اس پر حملہ ہوا، تو اس نے اپنا چہرہ ڈھال سے نکال لیا، اس کے بھی تقریباً ویسا ہی نشان پڑ گیا۔ اگر خط ذرا اور سیدھا پڑتا تو بالکل

اس کے باپ کا سانشان ہو جاتا۔

بیزید نے ولید کا پیچھا کیا، بہت دُور جانے کے بعد اسے پایا اور
اس کی گردن مار دی، ولید جب مقابلے کے لیے نکلا تو اس نے کہا۔
” میں ولید بن طریف ہوں، کوئی بڑے سے بڑا بہادر بھی
میرا مقابلہ نہیں کر سکتا، تمہارے جو روستم نے مجھے گھر سے
نکالا ہے۔“

جب اس کے تلوار لگی، اور اس کا سر اتارا گیا تو اس کی بہن یسلی
بنتِ طریف آئی وہ زڑہ اور جوشن پہنے ہوئے تھی، وہ لوگوں کو برا لگینے
کرتی ہوئی پہچان لی گئی۔ بیزید نے کہا، ”اسے چھوڑ دو“ پھر وہ یسلی کے
پاس گیا، اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر نیزہ مارا، اور کہا، ”شرم کر، خدا
تیری آنکھوں کو حیا دے، تو نے سارے خاندان کو رسوا کر دیا، وہ نادم
ہوئی اور واپس چلی گئی۔ وہ کہہ رہی تھی :-

” اے درخت تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو سرسبز و شاداب ہے؟
گویا تجھے ابنِ طریف کا غم ہی نہیں ہے۔“

وہ ایسا نوجوان تھا جس کا توشہ تقویٰ تھا جس کا سراپا
نیزے تھے یا تلوار۔ جس کا خزانہ بہترین گھوڑے تھے، دُبلے
پتیلے اور باریک ہونٹوں والے۔“

بیزید جب کامیابی کے ساتھ واپس آیا تو برا مکہ لے آئے اسے رشید
سے ملنے نہیں دیا، رشید اس پر (گزشتہ تاخیر کے سبب) بہت خفا تھا
اس نے کہا، ”امیر المؤمنین کی قسم، میں گرمیاں اور سردیاں یا تو اپنے
گھوڑے پر گزار دوں گا، یا اذنِ باریابی حاصل کروں گا۔ یہ خبر مشہور ہو گئی

خلیفہ کو معلوم ہوا تو اس نے بلا لیا، وہ حاضر ہوا۔ جب اسے امیر المومنین نے دیکھا تو پہنے، مسرور ہوئے کہنے لگے، ”اگر اعرابی مرجا“ یزید دربار میں پہنچ گیا۔ خلیفہ نے اسے عزت سے بٹھایا اور اس کی تعظیم کی، اس کی دشواریوں کو بھی اس نے محسوس کیا، اس کی نیت کی خوبی بھی اس نے بھانپ لی، شعرا نے اس کا رنارے پر اس کی مدح لکھی۔ سب سے بہتر مدح مسلم بن ولید نے لکھی، وہ اپنے قصیدے میں کہتا ہے:-

” وہ لڑائی کی ہماہمی میں بھی تبسم نظر آتا ہے، جب کہ بڑے بڑے بہادروں کا پتا پانی ہوتا ہے۔“

وہ مصیبت کے وقت محتاج کو پورا دینے والا ہے، گویا وہ اجل ہے، جو آرزوؤں کی طرف رواں ہے۔

وہ اپنے رفیق سے ان چیزوں کو بہ سہولت حاصل کر لیتا ہے، جن کے حاصل کرنے میں لوہے لگ جاتے ہیں جس طرح موت مستعجل ہوتی ہے، لیکن آتی ہے وقفہ دے کر۔

لوگ اس کی قیام گاہ کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں، جس طرح وہ گھر جہاں تمام راستے آکر ملتے ہیں

وہ دشمنوں کی روحوں سے موت کی مہماں نوازی کرتا ہے، جس طرح میزبان اچھے اونٹوں کی چربی سے مہمان داری کرتا ہے۔

وہ اپنی تلوار کا نیام سرکش لوگوں کے سروں سے بناتا ہے اور نیزوں کا تاج کھوپڑیوں سے بناتا ہے۔

جب وہ اپنی تلوار سونتتا ہے، تو اس کے ساتھ ساتھ

موت بھی جسم اور کھوپڑیوں پر رواں ہو جاتی ہے۔
 تم اس کی تکذیب نہیں کر سکتے کہ بزرگی کا خزانہ بنی شیبان
 کی وراثت ہے۔
 شریکی (یزید کا جد) کسی پر فخر نہیں کرتا ہے، بلکہ خود فخر
 کو اس پر فخر ہے۔“

(۹۶) سعادت مند بھتیجا!

معن بن زائدہ کی بیوی اپنے شوہر کے بھتیجے یزید بن مزید سے
 بہت جلتی تھی۔ ایک روز اس سلسلے میں وہ اپنے شوہر کو بھی جلی کٹی
 منانے لگی۔

”تم یزید کا تو بہت خیال کرتے ہو اور اپنے لڑکوں کی بات
 بھی نہیں پوچھتے۔ یزید کا ذکر تو بڑے شان دار الفاظ میں کرتے
 رہتے ہو، اور اپنی اولاد کو اگر یاد بھی کرتے ہو تو بڑے الفاظ سے،
 تم ہی انھیں بڑھاؤ گے تو بڑھیں گے“

معن نے جواب دیا، ”بات یہ ہے کہ یزید بھی کوئی غیر نہیں ہے،
 میں اس کا چچا ہوں، وہ میرا بھتیجا ہے، بیٹے ہی کی جگہ اسے بھی سمجھو، یہ
 سچ ہے کہ میں اسے بہت چاہتا ہوں وہ میرے گوشہ دل سے بہت

سے معن بن زائدہ، بن عبد اللہ بن زائدہ، بن مطر بن شریک بن عمرو
 الشیبان۔ یزید بن مزید بن زائدہ الشیبانی کا چچا۔ عرب کے حاتم صفت لوگوں
 میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔

قریب ہو، کیوں؟ اس لیے کہ میں اپنے بیٹوں میں وہ بات نہیں دیکھتا جو یزید میں دیکھتا ہوں۔ ان میں وہ بھلائیاں نہیں پاتا جو یزید میں نظر آتی ہیں۔ اس کی ان باتوں کو دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ میرا کوئی نہ ہوتا تو بھی مجھے اتنا ہی عزیز ہوتا۔ اگر وہ میرا دشمن ہوتا تو بھی میں اسے محبوب رکھتا۔ — تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں آیا؟ اچھا ذرا رات ہوئے دو میں اپنی یہ باتیں ثابت کیے دیتا ہوں پھر تم مجھے ملامت نہیں کرو گی، میری ان باتوں کا تم خود بھی اعتبار کرنے لگو گی۔

معن نے خادم کو حکم دیا، زائد، عبداللہ، اور فلاں فلاں کو بلاؤ اس نے اپنے لڑکوں کے بھی نام لیے اور انھیں بھی بلوایا، وہ لوگ بڑے ٹھاٹھ سے عمدہ لباس سے ملبوس زر تار چیل پہنے ہوئے، اعلیٰ درجے کی خوشبو لگائے ہوئے خراماں خراماں آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

پھر معن نے اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا، تاکہ وہ سب کو دیکھ سکے، اور اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ پھر خادم کو حکم دیا یزید کو بلاؤ، یزید اپنی طلبی کا حکم سننے ہی فوراً انتقال و خیزاں حاضر ہوا، اس طرح کہ سلاح جنگ سے آراستہ پیراستہ۔ نیزہ اس نے مجلس کے دروازے پر رکھا، خود سامنے آیا، اور مودب طور پر کھڑا ہو گیا۔

معن نے جب اسے دیکھا، پوچھا، "ابوزبیر (یزید کی کنیت ابوزبیر اور ابو خالد تھی) یہ کس حج و حج سے آئے ہو؟"

یزید نے جواب دیا، "میرے پاس آپ کا قاصد پہنچا۔ میں نے سوچا کوئی خاص بات ہو گی جو اس وقت یاد فرمایا۔ بہتر یہ ہے کہ مسلح ہو کے چلوں، اگر جنگ و پیکار کے لیے ضرورت ہوئی تو میں تیار ہی ہوں، اور

اگر یہ بات نہ ہوئی تو سلاجج جنگ کے اتارنے میں دیر کتنی لگتی ہوگی؟“
معن نے ان سب کو رخصت کر دیا، اس کی بیوی نے کہا:-
”بے شک تمہارا خیال یزید کے بارے میں صحیح تھا، میں غلطی پر تھی!“

(۹،۱) شریف دشمن!

طاہر اور اس کے بیٹے عبداللہ کے سپہ سالاروں میں ایک
صاحب تھے محمد بن فضل الخراسانی، بہت بڑے ادیب، اعلیٰ درجے
کے مدبر اور سیاست دان علوم متداولہ میں کامل۔ وہ بیان کرتے ہیں
کہ عبداللہ بن طاہر نے ایک قصیدہ کہا جس میں اپنے باپ اور اہل
خاندان کے بہادرانہ کارناموں پر اظہارِ فخر کیا گیا تھا۔ اس پر بھی فخر
کیا گیا تھا کہ انہی لوگوں نے مخلوع کو قتل کر کے شورشِ ختم کی تھی۔ محمد
بن یزید الاموی الحسینی نے اس اظہارِ فخر پر بڑی ترش روئی سے نکتہ
چینی کی تھی۔ اس نے عبداللہ کو بڑا بھلا کہا، گالیاں دیں، اس کے
مزعومات و خیالات کی دھجیاں بکھیریں۔

لہ طاہر بن حسین بن سعید ذوالیمینین، اسی نے مامون کی طرف سے امین سے جنگ
کی تھی اور کامیاب ہوا تھا۔ اس کا بیٹا عبداللہ تھا اسے خلفا کے حضور میں۔ جو
وقار، اعزاز اور اکرام حاصل تھا اسے عام و خاص سب جانتے ہیں، علاوہ انہیں
ادیب بھی بہت بڑا تھا، ساتھ ہی ساتھ دلیر اور شجاع بھی تھا۔

اسے مخلوع، یعنی خلیفہ ہارون رشید کا بیٹا، اور مامون کا سوتیلا بھائی امین، جسے
مامون نے قتل کر دیا تھا!۔

کچھ عرصے کے بعد عبداللہ مصر کا گورنر ہو گیا، شام کا نظم و انصرام بھی اسی کو سپرد ہوا، حسنی کو جب یہ خبر ملی اس نے سمجھ لیا اب اس کے لیے کوئی جاہ پناہ نہیں ہے، بھاگے گا تو بھی اس کے پیچھے سے محفوظ نہیں ہے گا، جہاں کہیں بھی جائے گا اس کے قبضے میں بہر حال آئے گا۔ یہ سوچ کر اس نے کہیں فرار ہونے کا خیال ترک کر دیا، اور اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ یہ ضرور کیا کہ اپنے حرم کو حفاظت سے کہیں اور بھیج دیا، باقی جو کچھ مال و دولت اور اثاثہ تھا اسے جوں کا توں رہنے دیا، کوٹ کے دروازے کھول دیے اور اپنی جگہ بیٹھ گیا!

ہمیں عبداللہ بن طاہر سے اس کا پورا اندیشہ تھا کہ وہ ضرور حسنی پر چھاپہ مارے گا، اور اس کی سابقہ بدکلامی کا بدلہ لے کر رہے گا۔ رات کو مجھے عبداللہ نے بلایا۔ کہا، آج کی رات یہیں گزارو، اپنا گھوڑا تیار رکھو، میں نے ایسا ہی کیا، جب رات کا بڑا حصہ گزر گیا، اپنے خادموں اور مصاحبوں کو حکم دیا، جب تک سورج نہ نکل آئے یہاں سے ہلنا مت، جب صبح ہونے لگی، عبداللہ گھوڑے پر سوار ہوا، میں اور پانچ اس کے دوسرے مستعد علیہ خادم اس کے ساتھ تھے، ہم سب لوگ چل دیے اور پو پھٹتے پھٹتے حسنی کے دروازے پر پہنچ گئے، دیکھتے کیا ہیں؟ دروازہ کھلا ہوا ہے اور سامنے وہ پورے اطمینان اور دل جمعی سے بیٹھا ہوا ہے۔ عبداللہ اس کے قریب گیا، سلام کیا، اور گویا ہوا، تم اتنے اطمینان سے بیٹھے ہو؟ دروازے تک چوپٹ کھلے ہوئے ہیں؟ اے تم قلعہ بند بھی نہیں ہوئے؟ عبداللہ بن طاہر کا لشکر تمہاری سرکوبی کے لیے آ رہا ہے، وہ تمہارے خلاف بھرا بیٹھا ہے، کچھ تو احتیاط ان حالات

کے پیش نظر کرنی چاہیے تھی، بندہ خدا؟“
 حصنی نے جواب دیا، ”تم جو کچھ کہتے ہو مجھے اس کا احساس ہو، میں
 نے اپنے معاملے پر خوب غور کیا، اور محسوس کیا، میں عبد اللہ کا گنہگار
 ہوں۔ میں نے حد سے تجاوز کیا، اسے گالیاں دیں، برا بھلا کہا، اب
 اگر میں راہ فرار اختیار کروں تو کہاں جاؤں؟ جہاں جاؤں گا پکڑا جاؤں گا۔
 میں نے یہ کیا کہ اپنی بیٹیوں اور بیٹیوں کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا،
 تاکہ وہ بے آبروی اور ذلت سے بچی رہیں اور میں راضی برضا ہو کر نہیں
 بیٹھ رہا۔ جو کچھ میرے پاس مال و دولت ہے اسے بھی میں نے نہیں
 چھپایا۔ مجھے یقین ہے اگر دشمن مجھے قتل کر لے گا تو اس کا غصہ دھیمہ
 پڑ جائے گا، پھر وہ حد سے آگے نہیں بڑھے گا، پھر وہ میرے حرم
 کی جستجو نہیں کرے گا“

یہ سن کر عبد اللہ بن طاہر بے ساختہ رونے لگا، روتے روتے
 اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، اس نے حصنی سے کہا،

”تم مجھے پہچانتے ہو؟“

”خدا کی قسم نہیں“

”میں ہوں عبد اللہ بن طاہر“

یہ کہہ کر اس نے کہا، ”تم مطمئن رہو، تمہاری عزت، آبرؤ، جان،
 مال سب خدا کی حفاظت میں ہیں میں اپنے لشکر سے بھی پہلے تمہارے
 پاس اسی لیے پہنچا اور تم تنہا پہنچا کہ ہمارے تمہارے معاملات سلجھ
 جائیں تو اچھا ہے، وہ سلجھ گئے ہیں بے تمہیں معاف کیا“
 حصنی کی آنکھیں بھی اشک آلود ہو گئیں، عبد اللہ نے اس کو گلے

سے لگایا، اور کہا "بھائی میرے قصیدے میں تمہارے خفا ہونے کی کیا بات تھی؟ خدا مجھے تم پر قربان کرے، میں نے اپنے اشعار میں اپنے باپ اور اہل قبیلے پر اظہارِ فخر کیا تھا لیکن تمہارے حسب و نسب پر کوئی چوٹ نہیں کی تھی۔ تم پر اپنی مشیخت نہیں ظاہر کی تھی، ایک ایسے شخص کے قتل پر اظہارِ افتخار ضرور کیا تھا جو اگرچہ تمہاری قوم میں سے تھا لیکن تمہارے قوم کے آدمیوں نے بھی مل کر اس کا خون بہایا تھا۔ تمہارے لیے بہتر یہ تھا کہ ان اشعار پر خاموش رہتے، خاموش نہیں رہ سکتے تھے تو خواہ مخواہ نازیبا باتیں منہ سے نہ نکالتے۔ جس سے اچھے بھلے دل بُرے ہوئے۔"

حصنی نے کہا، "یا امیر آپ مجھے معاف کر چکے، اب ان باتوں کا ذکر نہ کیجیے"

عبداللہ نے کہا، "اچھا چھوڑو ان باتوں کو، چلو آج ہم تمہارے گھر میں ہمان بن کر ٹھہریں گے تمہیں ہماری دعوت کرنی ہوگی۔"

حصنی خوش خوش اٹھا، دعوت کے اہتمام و انتظام میں مصروف ہو گیا، بڑی ٹھاٹھ دار دعوت دی، ہم نے خوب کھایا، خوب پیا۔

عبداللہ نے قلم دوات منگایا اور تین سال کا خراج حصنی کو بخش دیا، اور اس سے فرمایا، "اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ رہو، ورنہ ہمیں اپنے ہاں رہو" اس نے کہا، میں تو امیر کے ساتھ رہنا پسند کروں گا، پھر وہ ہمارے ساتھ مصر میں رہنے لگا اور ایک مدت دراز تک امیر عبداللہ کے ساتھ مصر میں رہتا رہا۔

(۹۸) عمرو بن عاصیہ کا قتل!

محمد بن حسن بن ورید ابو جاتم سے اور وہ ابو عبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن عاصیہ سلمیٰ ثم البہزی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہذیل بن مدرکہ پر حملہ کیا۔ اس قبیلے کے ایک خاندان بنو سلیم بن معاذ پر وہ غارتگری کا ارادہ رکھتے تھے، ہذیل کی ایک عورت نے جو بنی بہز میں بیاہی ہوئی تھی، اپنے لڑکے سے کہا، ”بیٹے اپنے ماموں کے پاس فوراً جاؤ، انہیں ہوشیار کر دو کہ ابن عاصیہ سلمیٰ ان پر بھی حملہ آور ہوگا۔“

لڑکا راتوں رات اپنے ماموں کے پاس پہنچا، انہیں ابن عاصیہ کے ارادوں اور کیفیت سے آگاہ کر دیا۔ وہ لوگ فوراً صورت حال سے نبٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔ عمرو بن عاصیہ نے اسی طرف کا رخ کیا، صبح ہوتے ہوتے اس قبیلے کے پاس پہنچ گیا، چھاپہ مارنے سے پہلے اس نے احتیاطاً دیکھ بھال شروع کی، اس نے محسوس کیا، یہ لوگ کچھ خائف ہیں اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، میں دیکھتا ہوں یہ لوگ سہمے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے وہ ہم سے ڈرا دیے گئے ہیں، پھر وہ پہاڑ کی ایک کھوہ میں چھپ رہا، تاکہ انہیں جب غافل پائے اپنے ساتھیوں کو لے کر ان پر حملہ آور ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد ابن عاصیہ اور اس کے بعض ساتھیوں کو شدت کی پیاس لگی۔ اس نے اپنے رفیقوں سے کہا، ”تم میں کوئی ایسا

۱۰ بنو سلیم کا ایک خاندان!

آدمی ہر جو اپنے دوستوں کو پانی پلائے؟“ ساتھیوں نے جواب دیا، ”نا بھائی ہمیں تو باہر جاتے ڈر معلوم ہوتا ہے“ کوئی بھی اس پر راضی نہ ہوا کہ باہر جائے اور پانی لائے۔

اب ابنِ عاصیہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلا، اس کے ہاتھ میں ایک مشکیزہ تھا، اس نے ارادہ کیا خود بھی پانی پی آئے اور اپنے ساتھیوں کے لیے بھی لے آئے۔

ہذیل کے لوگوں نے پوشیدہ طور پر نگرانی کرنے کے لیے باؤلی پر ایک آدمی مامور کر دیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ عمرو بن عاصیہ کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے، وہ لوگ سمجھ رہے تھے عمرو اور اس کے ساتھی لاکھ چھپیں لیکن انھیں پیاس تو لگے گی، اور بالآخر سب کو یا کچھ کو باؤلی پر آنا ہی پڑے گا۔ عمرو بن عاصیہ ادھر سے گزرا، جدھر ایک بوڑھا آدمی اور دو نوجوان اس کی تاک میں بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے جب عمرو کو دیکھا تو نوجوان لپکے کہ اسے جالیں اور کام تمام کر دیں۔ بوڑھے نے کہا، ”ٹھہرو! اس نے تمہیں نہیں دیکھا ہے لہذا ابھی اور انتظار کرو، اور رُکے رہو“ اتنی دیر میں ابنِ عاصیہ باؤلی کے پاس پہنچ گیا، اس نے داہنے بائیں ایک نظر ڈالی کوئی بھی نظر نہ آیا۔ پھر مشکیزہ سنبھالا اور باؤلی کے اندر اتر گیا، خود پانی پی کے مشکیزہ بھرنا شروع کیا، قریب قریب اسے بھر چکا تھا کہ وہ بوڑھا اور دونوں نوجوان پہنچ گئے، انھوں نے کہا، ”ابنِ عاصیہ! خدا تجھے سمجھے، لے اب سنبھل!“ بوڑھا اتنا کہنے کہ پایا تھا کہ ابنِ عاصیہ نے ایک تیر بوڑھے پر چلا ہی تو دیا، جو اس کے پانوں میں لگا، وہ لڑکھڑایا، اور گر پڑا۔ اس کے ساتھی دونوں نوجوان اس کے پانوں سے تیر نکالنے لگے۔

اتنے میں موقع پاکے ابن عاصیہ باؤلی سے باہر نکل آیا، ابھی آگے نہیں جانے پایا تھا کہ ان نوجوانوں نے دبوچ لیا، اور گرفتار کر لیا۔

ابن عاصیہ نے ان سے کہا، ”پہلے مجھے پانی پلاؤ، پھر جو تمہارا جی چاہے مجھ سے سلوک کر لینا؛ لیکن ان نوجوانوں کو اس پر رحم نہ آیا۔ انہوں نے اسے پانی نہیں پلایا اور تلوار مار مار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس حادثے پر عمرو بن عاصیہ کی بہن نے اپنے بھائی کی ہلاکت اور واقعہ کی افسوس ناک نوعیت پر ایک درد انگیز مرثیہ لکھا، جو بہت مشہور ہوا۔

(۹۹) جیسے کوتیسا!

عمارہ بن قابوس کہتے ہیں، ایک دفعہ میں ابو زائد طائی سے ملا۔ میں نے اس سے پوچھا، ”کیوں ابو زائد سچ کہنا، کبھی تم نعمان بن منذر سے بھی ملے ہو؟“ اس نے کہا، ”ملا ہوں؟ اور اس کے پاس گھنٹوں بیٹھا ہوں“ میں نے کہا، ”اچھا ذرا اس کا سراپا تو کھینچو،“ اس نے کہا، ”قدھنگنا، آنکھیں نیلی، رنگ سرخ و سفید“ میں نے کہا، ”یہ تو کہو اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تم نے اس طرح اس کا سراپا کھینچا ہے تو کیا وہ خوش ہو کر تمہیں سرخ اونٹوں کی دولت سے مالا مال کر دے گا؟“ اس نے کہا، ”جی نہیں سرخ کیا وہ تو کالے اونٹ بھی نہیں دینے کا“ میں نے شاہان غسان کو دیکھا ہے، ملوک حمیر کو بھی میں نے دیکھا ہے، بہت سے بادشاہوں کو دیکھا ہے، لیکن یہ کچھ عجیب کینڈے کا ہے“

ابوزید نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:-

ایک روز نعمان اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا، ہم لوگ بھی حاضر تھے، اس طرح خاموش بیٹھے تھے کہ کیا مجال ذرا بھی کوئی ہل تو لے۔ اتنے میں حاضرین میں سے ایک شخص اٹھا، اس نے کہا، ”میں محتاج ہوں کچھ مرحمت فرمائیے“، نعمان نے اسے گھور کر دیکھا اور کچھ دیر تک اسی طرح دیکھتا رہا، پھر اسے پاس بلایا۔ وہ آیا اور بالکل اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ نعمان نے ترکش اٹھایا اور اس میں سے تیر نکالے اور وہی ترکش مارنا شروع کر دیا۔ ہم لوگ اس غریب کی ہڈیوں کے چٹخنے کی آواز برابر سن رہے تھے، اس کی ٹاڑھی خون سے رنگ گئی تھی، اس کا سینہ خون سے لت پت ہو گیا تھا۔ پھر حکم دیا، ”ہٹاؤ اسے یہاں سے“، وہ وہاں سے ہٹا گیا، ہم لوگ چپ چاپ گم سم بیٹھے ہوئے تھے۔

اب ایک دوسرا آدمی اٹھا، اس نے کہا، ”مجھے کچھ مرحمت ہو!“، نعمان نے چند لمحوں تک اسے بھی گھور کر دیکھا، پھر حکم دیا، ”اسے ایک ہزار درہم دے دیے جائیں“، اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی، اس نے رُپڑ لیے اور چلتا بنا۔

پھر نعمان نے آگے پیچھے، دائیں بائیں ایک نظر ڈالی اور کہا، ”ایسے آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اسی گھانی پر ذبح کیا جائے، اور اس کا خون ہم بہ کر وادی میں پہنچے؟“ ہم لوگوں نے کہا، ”جو آپ کی رائے ہو وہی مناسب ہے“، نعمان نے ایک آدمی کو طلب کیا وہ آیا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ پھر کہا، ”جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی کنہ و علت معلوم کرنے کے لیے کوئی صاحب مجھ سے سوال نہ کریں“

بہم نے کہا، "کس کی ہمت ہو جو آپ سے کچھ پوچھنے کی جرأت کر سکے؟"
پھر نعمان نے خود بخود کہا:-

(۱) جس آدمی کو میں نے مارنے مارنے لہو لہان کر دیا، اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ میں ایک بار اپنے والد کے ساتھ سیر و شکار کے لیے نکلا، اس شخص کی مکان کی طرف سے گزر ہوا، یہ اپنے دروازے پر کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں دودھ یا شراب سے بھرا ہوا ایک برتن تھا، مجھے پیاس لگی تھی، میں نے ارادہ کیا اس کے ہاتھ سے برتن لے لوں اور پی جاؤں اس نے اسے پٹنگ دیا، میرا چہرہ اور سینہ تر ہتر ہو گیا، میں نے خدا سے اس وقت عہد کیا کہ اگر اس پر مجھے قابو ملا، تو اس شخص کی ڈاڑھی اور سینہ کو اس کے چہرے کے خون سے رنگوں گا۔

(۲) وہ شخص جسے میں نے ایک ہزار درہم دے دیے اس کے میرے اوپر احسانات تھے، میں تلافی کی فکر میں تھا، پہلے پہل جب اس نے سوال کیا میں اسے پہچان نہیں سکا تھا، پہچاننے کے بعد میں نے درہم اسے دے دیے۔

(۳) جس شخص کو میں نے ذبح کیا اس کا ماجرا بھی سن لو:-
شام میں میرا ایک جاسوس ہو اس نے مجھے اطلاع دی کہ جلد بن ابہم غسانی نے اس اس طرح کا ایک آدمی تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ موقع پا کر وہ تمہیں تمام کر دے۔
میں عرصے سے اس کی ناک میں تھا، آج وہ مل گیا، اور میں نے اسے ختم کر دیا۔

(۱۰۰) گدائے متکبر!

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ ایک دفعہ عمر بن ربیعہؓ مدینے میں آیا، اور جہینے بھرتک ٹھہرا، پھر وہ نکلے گیا۔ احوصؓ بھی اس کے ساتھ تھا۔ دونوں نے ساتھ ساتھ عمرہ کیا۔ زبیر کثیر کے ایک ندیم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ دونوں روئے چاہنے لگے مجھے طلب کیا، میں مقام عرج میں جا کر مل گیا۔ ہم لوگ ساتھ ساتھ روانہ ہوئے، اور وہاں پہنچے، جہاں نصیب

لہ عمر بن عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی، مشہور، پرگو اور زبردست شاعر۔

۳۵ احوص انصاری، پورا نام عبداللہ بن محمد، لقب احوص، یہ لقب اس لیے پڑ گیا کہ یہ شخص تنگ چشم تھا، کنیت ابو محمد، اگر دنی الاطلاق نہ ہوتا تو اس کا شمار چوٹی کے لوگوں میں ہوتا۔ کلام بہت سادہ، رواں، اور مؤثر ہوتا تھا، اس کے اشعار حلاوت و عذوبت کے اعتبار سے ایک خاص پایہ رکھتے ہیں۔ اس باب میں بہت کم لوگ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، جو گو بھی بہت بڑا تھا، ولید بن عبدالملک نے اسے ایک مرتبہ دُرسے لگوائے، پھر جلاوطن کر کے دہلک میں نظر بند کر دیا۔ پھر یزید بن عبدالملک نے ایک عرصہ دماز کے بعد اسے پروانہ رہائی مرحمت کیا، اس کا اعزاز و اکرام کیا، اور تیس ہزار درہم عطا کیے۔

۳۶ مدینے سے ام سیل پر ایک آباد اور پُر رونق گائو۔

۳۷ مکے اور مدینے کے مابین ایک قریہ۔

۳۸ ایک عرب خاندان کا غلام، جسے عبدالعزیز بن مروان نے خرید لیا، یہ بہت بڑا شاعر تھا، اس کی فصاحت و بلاغت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ (بقیہ نوٹ ص ۲۹۹ پر)

نے ان دونوں کو روک لیا۔ ان کے لیے اونٹ ذبح کیے اور بڑی توقیر کی، یہاں سے پھر ہم نے کوچ کیا، اب نصیب بھی ہمارے ساتھ تھا۔
 جب ہم لوگ کلیہ پہنچے، سب کے سب کثیر کے گھر کی طرف چل کھڑے ہوئے، معلوم ہوا قدیم میں وہ ایک خیمے میں متنگن ہے۔ مجھ سے ابن ابی ربیع نے کہا، ”جاؤ کثیر کو بلا لاؤ“ نصیب بیچ میں بول اٹھا، ”وہ بڑا احمق ہے، بڑا متکبر ہے، ہرگز نہیں آئے گا“ عمر اپنی بات پر اڑا رہا، اس نے پھر کہا، ”جاؤ اسے بلا لاؤ“ میں اس کے پاس گیا، اور عمر کا پیام پہنچا دیا۔ اس نے کہا، ”ابن ابی ربیع سے کہ دو، اگر تم قرشی ہو تو میں بھی قرشی ہوں، اگر تم شاعر ہو تو میں بھی شاعر ہوں“ میں عمر کے پاس پہنچا، اس نے کہا، ”کہو کیا خبر لائے؟“ میں نے کہا، ”وہی جو نصیب نے کہا تھا،“ عمر پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ میں نے اس کی گفتگو دھرا دی، عمر یہ گفتگو سن کر

(ص ۲۹۸ کا بقیہ نوٹ) جو بالکل نہیں کرتا تھا۔ بہت پاکیزہ سرشت آدمی تھا، ملوک و امرا بھی اس کا احترام کرتے تھے، مہینے خوب کہتا تھا، اور مداحہ قصائد میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔
 سہ کلیہ سکے اور مدینے کے درمیان ایک قریب جہاں نصیب رہتا تھا۔

علاء کثیر بن عبدالرحمن کنیت ابو صخر، اسے ابن ابی جمہ بھی کہتے تھے، ابو جمہ اس کا نانا تھا، کثیر بہت بڑا شاعر تھا، ابن سلام نے اس کا شمار طبقہ اولیٰ کے شاعروں میں کیا ہے۔ جریر فرزدق اور اخطل وغیرہ کی صفت میں اسے رکھا ہے۔ تناسخ کا قائل تھا اور حماقت کی حد تک اس خیال پر قائم تھا۔ آل مروان کو اگرچہ اس کی یہ دینی کج روی معلوم تھی، بائیں ہمہ وہ اس کے اعزاز و اجلال کا خیال رکھتے تھے، ان کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ کثیر بہت بد صورت بھی تھا، پتہ قد بھی تھا، اس کی وفات ۲۱۷ھ میں ہوئی یہ یرید بن عبد اللہ کا زمانہ تھا، سکے اور مدینے کے درمیان ایک پرفضا، شاداب، اور باغ و بہار مقام۔

بہت ہنسا، اس کے رفقا بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ پھر وہ لوگ اٹھے، اور میرے ساتھ کثیر کے خیمے میں گئے۔ ہم نے دیکھا وہ ایک مینڈھے کی کھال پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے، خدا کی قسم اس کا سا فرخ دل قرشی میں نے نہیں دیکھا۔

(۱۰۱) خون کا بدلہ !

ابن اعرابی بیان کرتے ہیں، کہ بنی سعد بن عجل کے دو اشخاص دائل اور سلیط نے خالد بن مالک بن ربیع النہشلی کے چچا عمر بن ربیع کو قتل کر دیا۔ اس زمانے میں خالد نعمان کے پاس رہتا تھا، اس کے ساتھ اس کا ایک عزیز قریب اسود بن یعفر بھی اقامت پزیر تھا۔

ایک روز نعمان خالد بن مالک کی طرف متوجہ ہوا، اور اس سے پوچھا، ”عربوں میں تم ایسے کن بہادروں کو جانتے ہو جو اپنے اقران و امثال کی نگاہ میں وزن رکھتے ہوں، اور گھوڑے کی پیٹھ پر ہلکے پھلکے ہوں؟“ خالد نے کہا، ”آپ بہتر جانتے ہیں“ نعمان بولا، ہاں میں جانتا ہوں۔ ایک تو یہ اسود بن یعفر اور دوسرے تمہارے چچا عمر بن ربیع کے قاتل وہی عجل بن جوہان دائل اور سلیط! یہ سن کر خالد کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، نعمان کا اس گفتگو سے مطلب ہی یہ تھا کہ خالد کو دائل اور سلیط کے قتل پر اکسائے، اسود بھی بہت برا لگنے ہو رہا تھا، اس نے خالد سے کہا، ”اے ابن عم! جب تک میں آپ کے چچا کا بدلہ نہ لے لوں شراب میرے اوپر حرام ہے“ خالد نے بھی یہی قسم کھائی، دونوں یہی عزم لے

کر ساتھ ساتھ چل کھڑے ہوئے۔

یہ دونوں کاظمہ کے میدان میں پہنچے، بنی زید ابن نہشل بن دارم کے آدمی کو انھوں نے ٹوہ لینے بھیجا، اس آدمی کا نام عبید تھا عبید گھوم پھر کر واپس آیا، اور اس نے خبر دی کہ کاظمہ کا میدان حجاج اور تجار سے بھرا ہوا ہے، وہاں داخل اور سلیط بھی ہیں۔ یہ سن کر، یہ فرزند ان نہشل وہاں پہنچے اور آواز دی۔ تم میں سے جو لوگ حج کا ارادہ رکھتے ہوں وہ جائیں حج کریں، جو لوگ ناجر ہوں وہ جائیں اپنے کاروبار کی فکر کریں، جب حجاج اور تجار چلے گئے تو اسود اور خالد نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ داخل اور سلیط سے مقابلہ شروع کیا، دونوں بے چارے قتل ہو گئے، انھیں ہزان بن زہیر نے قتل کیا، لیکن اسود کا دعویٰ تھا کہ داخل کو اس نے قتل کیا۔ پھر وہ نعمان کے پاس آیا، نعمان نے اسے دیکھا اور تبسم کیا، کہا، ”اسود تمہاری منت پوری ہو گئی“ اس نے کہا، ”ہاں میں نے اپنی نذر پوری کر لی“

ایک عرصہ دراز تک اسود بن یعفر نعمان کے وابستگان دولت میں شامل رہا، اس کی مصاحبت کرتا تھا، وہیں کھانا پیتا تھا۔

کچھ عرصے کے وہ بہت سخت بیمار پڑا، نعمان نے مزاج پرسی کے لیے اپنا ایک آدمی اس کے پاس بھیجا، اسود نے اس سے کہا، ”میں اس کی پر دہ نہیں کرتا، مرنے کے بعد مجھ سے کیا سلوک کیا جائے گا، ہر شخص موت کا راستہ طے کرتا ہے“

(۱۰۲) خالد قسری اور فرزدق

محمد بن موسیٰ کہتے ہیں کہ خالد قسری نے مالک بن منذر کو لکھا کہ وہ فرزدق کو پکڑ کر اس کے پاس بھیج دے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ فرزدق نے اس کی اور مبارک کی ہجو کی تھی۔ مالک نے فرزدق کو گرفتار کر کے قید کر لیا اسے لے کر قبیلہ مجاشع تلہ کے پاس گزارا۔ فرزدق نے لوگوں سے کہا، ”اے لوگو! گواہ رہو میرے ہاتھ میں انگوٹھی نہیں ہے، یہ میں اس لیے کہ رہا ہوں کہ مالک نے عمر بن یزید بن اسید کو گرفتار کیا تھا، اور اس کی گردن لپیٹ دی تھی، پھر اسے راتوں رات جیل لے گئے، وہ اپنا سر گھما رہا تھا اور اس کے ساتھ کہہ رہے تھے، ”اپنا سر سیدھا کر“ جب وہ لوگ اسے جیل کے پاس لے گئے، تو اس نے کہا، ”میں تم سے میت تو نہیں لے سکتا“ انھوں نے اس سے جیل کی کنجی لے لی، اور عمر کو جیل میں ڈال دیا۔ اس حالت میں کہ وہ بالکل مردہ ہو چکا تھا، پھر یہ مشہور کر دیا گیا کہ عمر نے اپنی انگوٹھی چوس لی جو زہریلی تھی، لہذا وہ مر گیا۔ لوگ اس واقعہ پر چہ می گوئیاں کرنے لگے، اسی اثنا میں سلطہ بن فرزدق آ گیا۔ فرزدق نے اس سے پوچھا، ”کیوں بیٹے کوئی نئی خبر؟“ کہا، ”جی ہاں عمر بن یزید

سے خالد بن عبد اللہ القسری۔

سے مبارک نہر کا نام ہے جو بصرے میں تھی، جسے خالد قسری امیر عراقین نے

ہشام بن عبد الملک کے لیے کھدوایا تھا۔

سے بنو مجاشع، فرزدق کی قوم۔

نے اپنی انگوٹھی چوس لی، اس میں زہر تھا وہ مر گیا، فرزدق نے کہا، ”خدا کی قسم میرے بچے اگر تو واسط میں نہ ملا، تو تیرا باپ ضرور انگوٹھی چوس لے گا، پھر اس نے کہا۔“

”کیا بغیر کسی خطا تصور کے ابو حفص [ؓ] عبد اللہ کا قتل ظلم نہیں ہے؟ وہ کشتہ عداوت ہے۔ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، وہ مار دیا گیا حالانکہ وہ امام کا و قواد تھا۔“

عمر نے خالد کی مخالفت کی، جو ہشام سے اہل یمن کی طاعت کا وصف بیان کرتا تھا۔ ان کی حسن موالات اور نصیحت پر زبیری کا حال کہتا تھا، عمر نے تالی بجائی، جس کی آواز دربار تک پہنچی، اس نے کہا، ”یا امیر المؤمنین یہ دروغ گو ہے، یعنی لوگ نہ اطاعت کیش ہیں نہ نصیحت کے قبول کرنے والے۔ کیا وہ لوگ آپ کے دشمن، یزید بن مہلب اور ابن اشعث کے ساتھی نہیں ہیں؟ خدا کی قسم کو انہوں نے بھی نہیں پاتا ہے کہ یہ اس پر چھٹنے ہیں۔ یا امیر المؤمنین ان لوگوں سے بچھیے“ اتنے میں تو امیر کا ایک آدمی اٹھا، اس نے عمر بن یزید سے کہا، ”خدا تجھ پر رحم کرے، تجھے اچھی جزا دے، تو نے اپنی قوم کی اچھی ترجمانی کی۔ اس کے لیے موقع پیدا ہو گیا، لیکن میرا خیال ہے، یہ شخص عنقریب عراق کا دالی ہو جائے گا۔ یہ ٹھہرا مکار اور حاسد، اگر یہ گورنر ہو گیا تو تجھے ضرور تکلیف پہنچائے گا۔ عمر نے اس کے قول کا کوئی جواب نہیں دیا، اسے گمان تھا خالد اس پر ہاتھ نہیں ڈالے گا، لیکن جب وہ گورنر ہو گیا، تو اس نے بے تامل اسے قتل کر دیا۔“

سہ جزیرے میں ایک قریہ کا نام واسط ہے۔

[ؓ] ابو حفص، عمر بن یزید الا یہدی کی کنیت ہے۔

مالک نے فرزدق کو خالد کے پاس بھیج دیا، جب وہ وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا وہ توجیح کرنے گیا ہے، اور اپنا قائم مقام اپنے بھائی اسد بن عبد اللہ کو عراق پر کر گیا ہے، اس نے اسے قید کر دیا، جریر نے اسد سے فرزدق کی سفارش کی۔ اس نے کہا، ”اگر امیر مناسب سمجھیں تو فرزدق کو مجھے بخش دیں“ اسد نے کہا، ”تم اس کی سفارش کرتے ہو؟“ اس نے جواب دیا، ”خدا آپ کو سنوارے، یہ بھی اس کے لیے باعث ذلت ہے“ اسد کے بیٹے منزل نے بھی سفارش کی۔ آخر اس نے فرزدق کو چھوڑ دیا، اس پر اس نے کہا:-

”فرزدق پر اس کا احسان ایسا ہی ہے جیسے ماں کا احسان

اپنے بچے پر۔

تو نے مجھے ایسے گہرے گڑھے میں سے نکالا ہے جو گویا اسی گڑ گہرا تھا“

جریر نے بھی اپنی سفارش کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:-

”تو اس قیدی کو رہا کر دے، اگرچہ یہ شکر گزار نہیں ہے، اور اس کو ہتھکڑی اور بیڑی سے نجات دلا دے، وہ ضرور اپنی اہلیت پر آئے گا، کیونکہ خبثت اس کی سرشت میں ہے، اگرچہ وہ وعدہ بھی کرے“

(۱۰۳) شاعر فرزدق اور حضرت عمر بن عبدالعزیز

عثمان بن خالد بیان کرتے ہیں کہ فرزدق ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سارا مدینہ عام قحط سالی کے سبب زیر و زبر ہو رہا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ فرزدق آیا ہے، بہت سے لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس پہنچے، اور ان سے عرض کیا، "اے امیر! فرزدق ہمارے مدینے کی سرزمین پر قدم رکھ چکا ہے، آپ جانتے ہیں قحط سالی کا زمانہ ہے، لوگ ویسے ہی تنگ ہو رہے ہیں، مال و دولت کا پتا نہیں، روزمرہ کا کام چلانا مشکل ہو رہا ہے، اس حالت میں فرزدق کی جیسی سیم وزر سے بھرنا کس کے لیے ممکن ہے؟ لہذا ہماری امیر سے درخواست ہے کہ اسے ہدایت کر دی جائے نہ کسی کی مدح کرے نہ بچو، لوگ کہاں سے لائیں گے جو اسے دیں"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فوراً فرزدق کو پیام بھیجا، تم اس قحط سالی کے نازک وقت ہمارے مدینے میں آئے ہو، لوگ تنگ حال ہو رہے ہیں کوئی اتنا مقدور نہیں رکھتا کہ شاعر کی خدمت کر سکے۔ میں تمہیں چار ہزار درہم بھیجتا ہوں، ان پر قناعت کرو، نہ کسی کی مدح کرو۔
 لے نام ہمام بن غالب، فرزدق تخلص، یہی نام پڑ گیا، کنیت ابو فراس، جس سال جریر کی وفات ہوئی اس کا بھی انتقال ہوا (۳۲۵ھ)

بہت مشہور شاعر تھا، اس کے زور کلام، شکوہ الفاظ اور جستی بندش کا بڑے بڑے لوہا مانتے آئے ہیں۔ یہ ان مسلمان شاعروں میں سے ہے جنہوں نے عہدِ جاہلیت کا نظارہ نہیں کیا۔ مسلمان پیدا ہوا، مسلمان مرنا، دولتِ اموی نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔

نہ سجو، چپ چاپ چلتے بنو،

فرزدق نے حضرت کی بھیجی ہوئی رقم لے لی، اس کا گزر عبداللہ بن عمرو بن عثمان کی طرف ہوا۔ اس نے دیکھا عبداللہ اپنے گھر کے سامنے ایک چبوترے پر بیٹھا ہوا ہے، سُرخ ریشم کی ایک چادر اوڑھے ہوئے، سُرخ ریشم کا ایک جبتہ پہنے ہوئے، فرزدق وہیں ٹھٹھک گیا، اور برجستہ چند مدحیہ اشعار اسے سنانے لگا۔

عبداللہ اشعار سن کر جھومنے لگا، فوراً کھڑا ہوا اپنی چادر فرزدق پر ڈال دی، اپنا جبتہ اسے پہنا دیا، اور دس ہزار درہم انعام دیے۔
ایک آدمی داد و دہش کا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا، وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرزدق کے لیے ایک قسم کا حکم اتنا ہی جاری کر رکھا ہے۔ وہ فوراً امیر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سارا کچا چٹھا بیان کر دیا۔

حضرت نے فوراً فرزدق سے کہلوا یا "میں نے تمہیں پہلے ہی ہدایت کر دی تھی کہ نہ کسی کی مدح کرنا، نہ سجو کرنا، اس طرح تم لوگوں سے رُپیہ کھینچو گے، اور لوگ اس وقت اس کی مقدرت نہیں رکھتے کہ ایسے کاموں پر رُپڑ صرف کریں۔ اب تم فوراً مدینے سے باہر چلے جاؤ، اگر تم نے خلافت و رزی کی تو تمہیں عبرت انگیز سزا دی جائے گی، یہ پیام سن کر وہ چل کھڑا ہوا، چلتے وقت اس کی زبان پر یہ شعر تھا:-

"میرے لیے تین دن کا وقت مقرر کر دیا کہ چلے جاؤ، جیسے

قومِ ثمود کو ہلاکت کی مہلت تین دن کے بعد دی گئی تھی، یہ شعر

جریر نے سنا تو کہا
(یہاں کافٹ نوٹ ص ۳۰ پر ملاحظہ ہو)

” تجھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نکال دیا تو تو اس
قابل ہے کہ اگر مسجد میں گھسے تو وہاں سے بھی نکال دیا جائے۔
تو نے خود اپنے آپ کو بد بخت نمود سے تشبہ دی، تو ایسا گمراہ
ہے جو کبھی راہ یاب نہیں ہو سکتا!

(۱۰۴) لوک جھوک

اصمی کا بیان ہے، بنی تمیم کا ایک آدمی جس کا نام قیس بن عاصم تھا
یوم کلاب کے موقع پر نکلا تاکہ ملوک یمن میں کسی کو گرفتار کر کے فدیہ حاصل
کرے۔ وہ اسی خیال میں جا رہا تھا کہ اس نے دعلتہ الجرمی کو دیکھا، وہ بہت
بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا، قیس نے کہا:-

” داہنی طرف رہو “

” میں اپنے بائیں طرف ہوں “

” افسوس! کیا تم یہی ہو؟ “

” عراق مجھ سے بہت دُور ہے “

” تو اس برس اپنے اہل و عیال کا منہ نہ دیکھ سکے، نہ میں انھیں

(مذ: ۳ کانوٹ) جریر بھی ان شعرا میں ہے جو عہد اسلام کی پیداوار ہیں۔ اس نے بھی جاہلیت
کا زمانہ نہیں دیکھا، عہد امویہ میں اس نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔ جریر کا نام
ابن عطیہ الحظفی ہے، کنیت ابو حزرہ اس کا انتقال ۱۱۳ھ مطابق ۶۷۹ء میں ہوا۔
بڑے پائے کا شاعر تھا، اس کی فصاحت و بلاغت اور معنی آفرینی ایک مسلم حقیقت
ہے۔ جریر اور فرزدق زندگی بھر ایک دوسرے کی جھوکتے رہے۔

دیکھوں“

دعلا اپنے گھوڑے پر جا رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا گھوڑا تھک گیا
 ہے تو وہ اتر پڑا، اور اس کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگا، وہ گاتا ہوا جا رہا
 تھا۔ جب چلتے چلتے وہ تھک گیا، تو اچکا اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا،
 اور نکلنا ہوا چلا گیا، قیس نے اس باب میں اس سے سوال کیا۔ وہ پہچان
 گیا تھا یہ دعلا البحر می ہے، اس نے اس سے درگزر کیا اور اسے چھوڑ دیا،
 دعلا نے اسی بارے میں کہا ہے:-

”میں تمہیں کے عقاب اور گدھ کی سی تیزی سے نکل بھاگا
 اس طرح کافر کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا!“

(۱۰۵) خلیفہ مہدی اور ایک شاعر

مؤملؑ بیان کرتے ہیں کہ میں مہدی کے حضور میں حاضر ہوا وہ اس
 وقت رے میں اقامت پر رہتا تھا۔ یہ اس کی ولایت عہد کا زمانہ تھا۔ میں
 نے اس کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا، اس نے خوش ہو کر مجھے اسی
 وقت بیس ہزار درہم عطا کیے۔

مہدی کے باپ خلیفہ ابو جعفر منصور کو بغداد میں پرچہ گزارا کہ امیر

مؤملؑ الحارثی کو فنی کارہنے والا، مشہور شاعر، امویوں اور عباسیوں کے
 دور میں اس نے بڑا نام پیدا کیا، پھر مہدی کے وابستگان دولت میں شامل
 ہو گیا، اس کے اشعار بہت پاکیزہ ہوتے تھے۔

مہدی نے ایک شاعر کو بیس ہزار درہم دے دیے، منصور نے مہدی کو ایک عتاب نامہ بھیجا اور اس حرکت پر اسے خوب ملامت کی۔
 کچھ دنوں کے بعد میں نے بغداد کا قصد کیا، خلیفہ منصور کو خبر مل گئی کہ شاعر مؤمل بغداد آ رہا ہے، اس نے فوراً اپنا ایک آدمی نہر دان کے پل پر بٹھا دیا، جو آئندہ رووند سے نام اور پنا پوچھتا رہتا تھا کوئی آگے نہیں بڑھ پاتا تھا جب تک اس کا نام اور پنا نہ دریافت کر لیا جائے۔ جو قافلہ بھی ادھر سے گزرتا تھا، اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا، یہاں تک مؤمل کی باری آگئی، اس سے پوچھا گیا۔

”تم کون ہو؟“

”میں مؤمل بن اسمیل، امیر مہدی کا ندیم ہوں“

”تم ہی کو تو ہم تلاش کر رہے تھے“

مؤمل کہتا ہے، یہ سن کر قریب تھا میری حرکت قلب بند ہو جائے۔ ابو جعفر منصور کی دہشت اس طرح مجھ پر چھا گئی، میں فوراً گرفتار کر لیا گیا، اور رنج کے پاس پہنچایا گیا۔ اس نے مجھے خلیفہ ابو جعفر منصور کے حضور میں پیش کیا، منصور سے رنج نے کہا، ”امیر المومنین یہی وہ شاعر ہے جس نے امیر مہدی سے بیس ہزار درہم نیٹھ لیے“ میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں اور کانپتے ہوئے جسم سے اسے سلام کیا۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا، ”گھبراؤ مت تمہارے ساتھ کوئی بد سلوک نہیں ہوگی“ پھر پوچھا، ”مؤمل بن اسمیل تم ہی ہو؟“ میں نے دست بستہ عرض کیا، ”ہاں امیر المومنین مؤمل بن اسمیل میں ہی ہوں“ فرمایا ”تمہیں ایک بھولا بھالا چھو کر مل گیا، اور تم نے اسے دھوکا دیا؟“

میں نے عرض کیا، ”ہاں امیرالمومنین میں ایک حاتم صفت نوجوان کے پاس پہنچا، اسے میں نے دھوکا دیا، اور وہ دھوکا کھا گیا“ خلیفہ نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں اسے وہ قصیدہ سناؤں جو مہدی کے لیے میں نے کہا تھا۔

میں نے لہک لہک کے خلیفہ کو اپنا قصیدہ سنا یا۔ خلیفہ نے فرمایا ”ہاں اچھا قصیدہ ہے، لیکن آتا گراں مایہ نہیں کہ اس کی قیمت بیس ہزار درہم ہو“ پھر فرمایا، ”تمہارا وہ مال کہاں ہے؟“ میں نے کہا، ”یہ حاضر ہے“ خلیفہ نے رنج کو حکم دیا، کہ ان بیس ہزار درہموں میں سے چار ہزار مومل کو دے دیے جائیں باقی خزانہ عامرہ میں داخل کر دیے جائیں۔ رنج نے ایسا ہی کیا چار ہزار درہم مجھے دے دیے اور باقی ضبط کر لیے۔

ایک مدت گزر گئی، خلیفہ منصور اس جہان فانی سے عالم باقی کی طرف کوچ کر گیا۔ اب مہدی خلیفہ تھا، ابن ثوبان اس کا وزیر حضوری تھا، جو اس کی خدمت میں ضروری کاغذات پیش کیا کرتا تھا۔

خلیفہ مہدی دصاذ میں بغداد کے ایک طرب خیز مقام پر جلوس فرماتا تھا۔ یہاں وہ لوگوں کی شکایات سننے کے لیے بیٹھا کرتا تھا، سامنے ایک ٹوکری رکھی تھی، جس میں لوگ اپنی عرضیاں اور پرچیاں ڈالتے تھے۔ جب وہ بھر جاتی خلیفہ کے سامنے بڑھادی جاتی۔ ابن ثوبان حکم حاصل کرنے کے لیے رقعہ پیش کرتا، خلیفہ ملاحظہ کرتا اور حکم صادر فرماتا خلیفہ کے سامنے میرا رقعہ بھی پہنچا، اس نے اسے پڑھا، اور ہنسا، ابن ثوبان نے اس سے کہا، ”امیرالمومنین کیا بات ہے؟ آپ تبسم کننا کیوں

ہیں؟“ امیرالمومنین نے کہا، ”میں اس کا سبب سمجھتا ہوں،“ یہ کہ حکم دیا،
مؤمل کو بیس ہزار درہم دے دیے جائیں، میں نے درہم لیے اور چلا آیا۔

(۱۰۶) ایک تاریخی تلوار!

حضرت حسنؓ بن محمدؓ بن عبداللہؓ بن حسنؓ بن علیؓ فرماتے ہیں کہ
ایک اعرابی میرے والد کے پاس آیا، وہ اس زمانے میں سویقہ میں پناہ
گزیں تھے، ابھی انھوں نے خروج نہیں کیا تھا۔ اعرابی کے پاس ایک
تلوار تھی، جس پر زنگ چڑھا ہوا تھا، اس نے کہا، ”یا ابن رسول اللہ
میں وادیِ قدید میں اپنے اؤنٹوں کا گلہ چرارہا تھا، اس میں ایک ست
اؤنٹ بھی تھا، میں نے اسے مارا وہ مجھ سے جلنے لگا، مجھے اس کا خیال
بھی نہیں تھا، ایک روز مجھے تنہا پا کر اس نے انتقام کا ارادہ کیا، جب
میں اس کی طرف آیا تو وہ اور میرے قریب آگیا، یہاں تک کہ اس قربت
کے سبب اس کے منہ کا جھاگ میرے سر پر ٹپکنے لگا، مجھے یہ گراں گزرا،
میں نے زمین پر ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ شاید کچھ مل جائے تو اسے اس
سے ہٹا دوں، اتنے میں میری نظر اس تلوار پر پڑی، یہ پانی میں پڑے
پڑے اتنا زنگ کھا گئی تھی کہ میں سمجھا کوئی کیلی لکڑی ہے، میں نے ہاتھ
بڑھا کر اٹھا لیا، دیکھتا ہوں تو تلوار! اسی سے میں نے اؤنٹ کو اپنے
پاس سے دُور کیا، خُدا کی قسم مجھے اس کا خواب و خیال بھی نہیں تھا کہ
اس سے میں یہ کام لے سکوں گا، میں نے اؤنٹ کے نتھنوں اور ٹھوڑی
پر اس کی ضرب لگائی، میں نے اندازہ کر لیا یہ بہت اچھی تلوار ہے۔

غالباً یہ ان لوگوں میں سے کسی کی ہے جو جنگِ قدید میں قتل ہوئے تھے، یہ
تلوار میں ابراہیم رسول اللہ آپ کو نذر کرنا ہوں۔

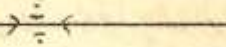
میرے والد نے تلوار لے لی، اس تحفے سے وہ بہت خوش ہوئے،
اعرابی ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا، اسی اثنا میں والد کی بکریوں کا
ریوڑ چر کر واپس آ گیا، جس میں تین سو بکریاں مع اپنے چرواہوں کے
تھیں، والد نے اس سے کہا، ”اعرابی اس تلوار کے بدلے میں یہ
بکریوں کا ریوڑ اور یہ چرواہے سب تیرے“

والد نے مدینے سے لوہار کو بلوایا، وہ آ گیا، اسے حکم دیا کہ تلوار
پر صیقل کر کے اسے ٹھیک کر دے، اس نے درست کر دیا، بہترین تلوار
نکل آئی، پھر ان کے ارشاد کے مطابق اس کی میان تیار کی گئی، وہ تلوار
انہوں نے میری بہن فاطمہ بنتِ محمد کو دے دی جس روز وہ شہید ہوئے
یہ تلوار ان کے ہاتھ میں نہیں تھی، تلوار میری بہن کے پاس محفوظ رہی،
ایک روز میں ان کے پاس گیا، وہ مینوع میں مقیم تھیں، وہاں اہل بیت
کی جماعت میں بیٹھی تھیں، اس وقت وہ اپنے ابنِ عم حسن بن ابراہیم
کے پاس تھیں، وہاں سے اٹھ کر ہمارے پاس آ گئیں، وہ بہت سنجیدہ
اور باوقار تھیں، اپنے گھر والوں کے سامنے اس طرح بیٹھی تھیں جس
طرح مرد بیٹھے ہیں۔ اسی طرح وہ ان سے باتیں بھی کرتی تھیں، وہ ہم سے
باتیں کرنے لگیں۔ اپنے غلام کو انہوں نے حکم دیا کہ اوٹ ذبح کیا جائے
تاکہ اس کے گوشت سے ہمارے لیے کھانا تیار کیا جائے، میں نے
دیکھا اوٹنی کھجور کے درخت کے سایے میں بیٹھی ہوئی تھی، اتنے میں
وہ تیزی سے لپکتی ہوئی نمودار ہوئیں، انہوں نے کہا، ”میں اس اوٹنی

میں ضرب لگانے کی اچھی جگہ دیکھ رہی ہوں“ پھر اپنی تلوار منگوائی اور کہا،
 ”اے حسن، تجھ پر تیری بہن قربان! یہ تلوار تیرے باپ کی ہے، اسے لے لے
 اس کا دستہ مضبوط پکڑ، پھر اس اونٹنی کی کوچ پر مار، میں نے تلوار لے لی،
 اونٹنی کو بٹھایا وہ بیٹھ گئی، پھر تلوار لگائی، اور خدا کی قسم چاروں جوڑ ایک
 ہی دار میں کاٹ دیے، تلوار تیزی میں مجھ سے بھی سبقت لیے جا رہی
 تھی۔ اس نے اتنی تیزی سے کاٹا کہ کاٹتی ہوئی زمین میں دھنس گئی۔ مجھے
 اندیشہ ہوا، اگر اسے کھینچتا ہوں تو کہیں ٹوٹ نہ جائے، آخر میں نے زمین
 کھود کر اسے نکالا۔

اس موقع پر مجھے نمر بن تولب کا قول یاد آیا۔
 ” زمانے نے نمر کی تلوار کی برتری کو قائم رکھا، جس کے
 علامات نمایاں اور ممتاز ہیں۔

وہ تلوار کے سبب زمین کھودنے لگے، جو ہاتھ پاؤ
 اور کھوپڑی کو کاٹتی ہوئی زمین میں دھنس گئی تھی“



ۛ نمر بن تولب العکلی، شاعر، جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے اس نے دیکھے
 تھے۔ عرب کے مشہور ترین فیاضوں اور بہادروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔
 شاعر بھی بہت فصیح اور خوش گو تھا۔
 ۛ قبیلے کا نام۔

(۱۰۷) چوروں کی کہانی!

ابوالہتیم کا بیان ہے۔ مالک بن الریب، ابوحر دبہ اور شفاظ ایک مرتبہ آپس میں میٹھے باتیں کر رہے تھے، کہنے لگے، اؤ ہم ایک دوسرے کو اپنی چوری کی کوئی عجیب و غریب واردات سنائیں۔

ابوحر دبہ نے کہا، سب سے زیادہ تعجب کی بات جو میں نے کی اور بڑی عجیب چوری جو مجھ سے سرزد ہوئی، وہ سنو! ایک دفعہ ہم جتنا بنائے ہوئے سفر کر رہے تھے، ہمارے ساتھیوں میں ایک شخص اپنے کجاوے پر بیٹھا تھا، جو مجھے بہت پسند آیا، میں نے اپنے ایک دوست سے کہا، خدا کی قسم یہ کجاوہ میں چڑا کر رہوں گا خواہ مجھے کتنے ہی چھل فریب سے کام لینا پڑے۔ میں کجاوے والے کی طرف نگاہ جمائے رہا، کچھ دیر بعد میں نے دیکھا وہ اؤنگھنے لگا۔ میں نے اؤنٹ کی ہمار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اصل راستے سے کتراکرا سے ایسی جگہ لے گیا جہاں اگر وہ فریاد و زاری کرتا تو بھی کوئی سننے والا نہ ملتا۔ میں نے اؤنٹ کو تو بٹھا دیا، پھر کجاوے والے کو پچھاڑا، اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کس کے باندھے، اور کجاوہ لے لیا! لہ یہ لوگ تہمی تھے۔ بڑے پکے چور تھے، اور تو اور یہ حاجیوں کو بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ ان پر موقع محل دیکھ کر چھاپہ مارا کرتے تھے۔ شفاظ بنی ضبہ میں سے تھا، اسلامی دور حکومت میں یہ لوگ پکڑے گئے اور انہیں پھانسی دے دی گئی۔ شفاظ تو اپنے فن کا اتنا بڑا ماہر تھا کہ مثل پڑ گئی، ”شفاظ سے بڑھ کر چور کوئی نہیں“ ان لوگوں کی داستانیں اور حکایتیں بڑی دل چسپ ہیں۔

سیدھا قصیم کی طرف چل کھڑا ہوا، (یہ وہ جگہ تھی جہاں یہ لوگ چوری کا مال جمع کیا کرتے تھے) تھوڑی دیر کے بعد وہ بیدار ہوا، تو دیکھتا ہوا، اؤنٹ غائب، وہ اپنی اؤنٹنی پر سے اتر، اسے کجاھے سے باندھا، اور خود اؤنٹ کی تلاش میں چل کھڑا ہوا۔ میں تو تاک میں تھا ہی، وہ اُدھر گیا اور میں نے جھٹ سے اؤنٹنی کو بھی کھولا، اور اسے بھی لے کر چلتا بنا۔

پھر لوگوں نے شفاظ سے کہا، اب تم اپنی چوری اور کارگزاری کی کوئی عجیب و غریب واردات سناؤ، اس نے کہا، سنو۔ پھر وہ گویا ہوا، بصرے میں ایک آدمی تھا، اس کی بنتِ حم بڑی مال دار تھی، وہی اس کا ولی اور نگران تھا، اس کی متعدد بیویاں تھیں، یہ دیکھ کر بنتِ عم نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے قسم کھائی کہ اگر وہ اس سے شادی نہیں کرتی، تو کسی اور سے بھی نہیں کرنے دے گا، لڑکی کی منگنی بصرے کے ایک دولت مند آدمی سے ہو چکی تھی، لیکن ان حالات کے پیش نظر اس شخص نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔

کچھ عرصے بعد، اس کا ابن عم حج کرنے گیا، واپسی میں بصرے کے قریب کوہِ سنام کے سامنے وہ بیمار پڑا، اور مر گیا۔ وہیں قریب ہی دفن کر دیا گیا۔ اب لڑکی کا بیاہ اس آدمی سے ہو گیا، جس سے منگنی ہو چکی تھی۔ شفاظ کہتا ہوا، کچھ لوگوں نے بصرے سے کوچ کیا، ان کے ساتھ اچھا خاصا ساز و سامان تھا، میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا، یہاں تک کہ ایک جگہ انھوں نے پڑاؤ کیا، رات ہوئی، وہ لوگ سو گئے، میں رپے پائوں پہنچا، اور بہت سا مال اپنے قبضے میں کر لیا، لوگ ہوشیار ہو گئے اور میں پکڑ لیا گیا، اور بڑی طرح پٹیا گیا، جو کچھ میرے ساتھ تھا اسے

بھی چھین لیا گیا، میرے کپڑے تک اتار لیے گئے، پھر مجھے ننگا بچا کر کے وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔

اب میں حیران تھا کیا کروں؟ سوچتے سوچتے مجھے اس آدمی کی قبر یاد آئی، جو اپنی بنتِ عم سے شادی کرنا چاہتا تھا، میں سیدھا وہیں پہنچا، میں نے لوحِ مزار اٹھاڑی، پھر ایک چھوٹی سی سُرنگ قبر کے اندر تک بنائی، چُپ چاپ اندر داخل ہو گیا، لوح پھر سے برابر کر دی، بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا قبر کو ذرا بھی چھیڑا نہیں گیا ہے، مددھر سے اتفاقاً اس آدمی کا گزر ہوا، جس نے مرحوم کی بنتِ عم سے شادی کی تھی، جب وہ قبر کے پاس سے گزرا، تو ٹھہر گیا، اور اپنے ایک رفیق سے کہا، دیکھو یہ اس کی قبر ہے جو اپنی بنتِ عم سے شادی کرنا چاہتا تھا، اور جو اب میری بیوی ہے، میرا جی چاہتا ہے اس کی قبر میں اُتروں اور دیکھوں اپنی بنتِ عم کی میرے ساتھ شادی ہونے پر کچھ حمیت اس میں پیدا ہو رہی ہے یا نہیں؟ شتظاظ کہتا ہے، میں اس کی باتیں سُن رہا تھا، آواز سے میں نے پہچان لیا کون ہے؟ میں فوراً قبر سے برآمد ہوا، میں نے کہا، "ہاں ربّ کعبہ کی قسم! میری حمیت اس کی (بنتِ عم کی) شادی نہیں برداشت کر سکتی۔ بے سان گمان قبر سے مردہ نکلتے، اور اسے باتیں کرتے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے، ہوش و حواس جاتے رہے وہ بے ہوش ہو کر تڑپ سے گر پڑا۔"

میں پورے اطمینان سے اس کے اوٹنٹ پر بیٹھ گیا، اس پر ہر طرح کا ساز و سامان تھا، نقد کی اچھی خاصی تعداد تھی، یہ سب کچھ لے کر میں فرار ہو گیا، اور اس طرح میں نے مصیبت سے نجات پائی۔

میں نے سنا بصرے میں لوگ چہ می گوئیاں کرتے تھے، اور قسمیں کھا کر بیان کرتے تھے کہ قبر سے میت نکلی اور اس نے اس آدمی کو ڈرایا جس نے اس کی بنتِ عم سے اس کی خلافت مرضی شادی کر لی تھی۔ لوگ سنتے تھے اور تعجب کرتے تھے، عقل مندان باتوں کا مذاق اڑاتے تھے اور سادہ لوح جھجھری لے کر خاموش ہو جاتے تھے۔ مجھے ساری حقیقت معلوم تھی، ٹھٹھا لگاتا تھا، اس طرح جیسے مجھے بڑا تعجب ہو رہا ہے۔

دوستوں نے فرمائش کی، یہ واقعہ ہر تو دل چسپ، مگر کچھ اور بھی سناؤ، میں نے کہا ایک اس سے بھی پُر لطف واقعہ سناؤ! میں گلیوں میں چکر لگا رہا تھا کہ کہیں موقع ملے تو چوری کروں، خدا کی قسم میں چکر لگاتا رہا، لیکن کہیں چوری کا موقعہ نہیں ملا۔ سامنے ایک درخت تھا، جس کے نیچے سوار اور مسافر آ کر قیلو لہ کیا کرتے تھے، وہیں ایک سائے دار جگہ تھی۔ میں نے دیکھا ایک آدمی اپنے گدھے پر سوار اسی درخت کی طرف جا رہا ہے، میں نے کہا:-

”سنتے ہیں آپ؟“

”ہاں کہو“

”جہاں آپ قیلو لہ کرنے والے ہیں بڑی خطرناک جگہ ہے، جانور تو وہاں رہنے ہی نہیں پاتے ہیں، غائب ہو جاتے ہیں، میں پہلے سے آپ کو چوکتا کیے دیتا ہوں“

اس نے میری بات سنی کی آن سنی کر دی اور جا کے وہیں لیٹ گیا۔ میں دیکھتا رہا، دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ سو گیا۔ میں اس کے

گدھے کی طرف بڑھا، اسے اپنے قبضے میں کیا، اس کی ذرا سی دم کاٹ دی اور دونوں کان بھی، گدھے کو تو میں نے ایک جگہ چھپا دیا اور یہ چیزیں وہیں پڑی رہنے دیں۔

میں چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ جب وہ شخص جاگا تو دیکھا گدھاندارد، اس کی تلاش میں اٹھا، دفعۃً اس کی نظر گدھے کے کٹے ہوئے کان اور دم پر پڑی، یہ دیکھ کر وہ سہم گیا، اور نہ جانے کیا سوچ کر، سر پر پالتوں رکھ کر بھاگا، اور مڑ کر بھی نہ دیکھا، شاید وہ ڈر رہا تھا اس کا بھی وہی حشر نہ ہو جو گدھے کا ہوا مجھے موقع مل گیا، میں نے اس کی ساری جمع جتھا اپنے قبضے میں کی، اڈنٹ پر اسے بار کیا، اور اپنے بال بچوں میں شاداں و فرحاں پہنچ گیا۔

ابوالبشم کہتے ہیں، ایک آدمی کو پھانسی دی جا رہی تھی، حجاج نے پوچھا،

”یہ کون ہو؟“

”دیدہ دلیر چور شظاظ“

”خدا کی قسم یہ اسی عقوبت کا مستحق ہو“

شظاظ کو سوئی پر لٹکا دیا گیا، اور اس کا چراغ حیات ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا، جو ایک عرصہ دراز تک لوگوں کو لوٹتا کھسٹوتا، تباہ و برباد کرتا، اور طرح طرح سے نقصان پہنچاتا رہا تھا۔

(۱۰۸) قصہ ربطِ ماضی!

قبیلہ بنی عامر نے قبیلہ بنی ہند پر چڑھائی کا ارادہ کیا، عبداللہ بن عجلان کی بیوی ہند نے بنی عامر کے ایک غریب اور خراب حال غلام سے کہا:-

”میں تجھے پندرہ اونٹنیاں انعام دوں گی تو میرے قبیلے تک چلا جا! بنو عامر کی چڑھائی سے پہلے تو انھیں خبردار کر دے“

”بہت خوب“ غلام نے جواب دیا۔

ہند نے فوراً سامانِ سفر تیار کیا، اپنے شوہر کی ایک تیز رفتار سانڈنی سواری کے لیے دی، کچھ کھجوریں ساتھ کر دیں، دودھ سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ بھی دے دیا۔ غلام ہوا سے باتیں کرتا ہوا چل پڑا، دودھ راستے میں ختم ہو گیا، وہ جب منزل پر پہنچا تو قبیلے کے لوگ تلاشِ معاش اور سامانِ معیشت کی جستجو کے سلسلے میں باہر گئے ہوئے تھے، صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں، وہ اس حال میں پہنچا کہ اس کی زبان خشک ہو رہی تھی، قبیلے والوں نے جب اس سے بات کی تو اس میں

ملہ عبداللہ بن عجلان، عہدِ جاہلیت کا مشہور شاعر، قبیلہ بنی ہند کا ایک ممتاز فرد، اپنی قوم میں سردار مانا جاتا تھا۔ ایک روز وہ شرب کے نشے میں اتنا مہو ہوا تھا کہ اپنی بیوی ہند کو طلاق دے بیٹھا، بعد میں وہ اس حرکت پر بہت پشیمان ہوا، آخر اسی غم میں مر بھی گیا۔

طلاق کے بعد ہند نے بنو عامر کے ایک شخص سے شادی کر لی تھی، اس قبیلے سے اور بنو ہند سے ہمیشہ چلتی رہتی تھی۔

اتنی سکت بھی نہ تھی کہ جواب دے سکتا، صرف زبان کی طرف اشارہ کیا، اور خاموش ہو گیا۔ خراش بن عبداللہ نے فوراً دودھ اور مکھن منگوا یا، اور گرم کر کے اسے پلا دیا۔ جب اس کی زبان تر ہو گئی، تب جا کر اس میں اتنی توانائی آئی کہ بات کر سکے۔ غلام نے کہا، ”میں ہند کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، تمہیں بنو عامر کے حملے سے ہوشیار کرنے آیا ہوں“

بنو ہند نے تیاریاں مکمل کر لیں، اور منتظر ہو بیٹھے۔ جب ان پر بنو عامر نے چڑھائی کی، تو وہ بھی گھوڑوں پر سوار ہو میدان میں پہنچ گئے، بڑے گھسان کارن پڑا، بنو عامر کو شکست ہوئی، بنو ہند جیت گئے، عبداللہ بن عجلان نے کہا:-

”میری آنکھ کو کیسی تکلیف ہے؟ اسے کوئی غم پہنچا ہے یا تنکے کی کھٹک نے آنسو جاری کر دیے ہیں؟“

وہ گھر دیرانہ بن گیا، وہ زبور یمانی (کرم خوردہ کتاب) کی طرح دکھائی دیتا ہے، جس کی سطر میں پڑھی نہ جاتی ہوں۔ وہاں میں نے ہند کو اور اس کی ان سہیلیوں کو یاد کیا جن کے سب آدمی جھوٹ بھی بول سکتا ہے، اور اپنے آقا کی نافرمانی بھی۔

کوئی رونے والی ایسی نہیں ہے، جو اپنے عاشق کو یاد کرے، اس کے غم میں روئے، اور اس کی آہوں کا تار نہ ٹوٹے۔

وہ مجھ سے زیادہ رو رہی ہو، جب میں نے دیکھا اس کا اڈنٹ صبح صبح ہانکا جا رہا ہے۔

کیا ہند کو نہیں معلوم کہ اس کی قوم نے، بنو عامر سے کیا
برتاؤ کیا، جب ڈرائے والا دوڑتا ہوا آیا تھا؟
انہوں نے ہم سے کہا، ہم تم سے مقابلہ پسند کرتے
ہیں، ہم تمہاری زمین کو سلام کرتے ہیں، اور اس کی زیارت
کرتے ہیں۔

ہم نے کہا، پھر تو ہم بھی اس وقت تک نہ واپس
ہوں گے، جب تک ہمارے مضبوط نیزوں سے خون نہ
ٹپک رہا ہو۔“

(۱۰۹) شہرِ حیرہ

سیمان بن بشر بن عبد الملک کہتے ہیں، کوفے کا ایک والی بنو امیہ
کے دور میں، شہرِ حیرہ کی بُرائیاں کیا کرتا تھا۔ کسی عقیل و فہیم آدمی نے کہا:-
”آپ ایسے شہر کی بُرائیاں کرتے ہیں جو زمانہ جاہلیت اور عہدِ اسلام
میں ضربِ المثل کی حیثیت اختیار کیے رہا؟“
”اس کے وہ کون سے فضائل ہیں؟ کہو تو؟“

”حیرہ کی آب و ہوا، اس کی سرسبزی اور شادابی، اس کی ہر چیز
بہتر اور عمدہ، جہاں جانور بھی آرام پائیں، اور چوپائے بھی۔“

لہ کوفے سے تین میل کے فاصلے پر یہ شہر آباد تھا، اپنے عہد میں بڑا آباد، بارونق، اور پُر نضا شہر
تھا، اس کی تعریف میں بڑی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ شاعروں نے بھی اس کی مدح
میں طبع آزمائی کی ہے، عرب کا مشہور تاریخی قصر خواتق اس سے ایک میل مشرق میں واقع ہے۔

وہاں کے ٹیکرے، وہاں کی وادیاں، وہاں کے پہاڑ، باغ، زمین، دریا، کونسی چیز ہو جو جاذ بیت نہ رکھتی ہو؟ وہ ایسا شہر ہو جس میں بادشاہوں کے ہمبر بہ فلک محلات اور مزارات ہیں۔ وہ ان کی زندگی کا گہوارہ بھی تھا اور مرنے کے بعد گوشہٴ قبر بھی۔

خدا تمہیں راہِ راست پر لائے، تم وہاں اس طرح پہنچے کہ بے مایہ تھے اور اس طرح واپس ہوئے کہ زردار تھے۔ تم نے جب اسے دیکھا تو خالی ہاتھ تھے پھر اسی نے تمہیں تو نگر بنا دیا۔

”اچھا تم نے اس کے جو فضائل بیان کیے، ان کا ثبوت؟“

”ثبوت؟ ثبوت یہ کہ تم میرے پاس آؤ، لذاتِ عیش میں سے جو کچھ تم طلب کرو گے میں تمہیں دوں گا، خدا کی قسم تم حیرہ میں ہو گے تو تمہاری کوئی تمنا باقی نہ رہے گی۔“

”اچھا تو جو کچھ کہتے ہو کر دکھاؤ“

”ابھی لیجیے“

پھر اس نے بہترین کھانے تیار کیے، اعلیٰ درجے کے ٹکڑے، مچھلی، سرسبز نیل گائے، خرگوش، تیتڑ، پھر اس نے وہاں کے بنے ہوئے پیالوں میں پانی پلایا، شراب بھی وہیں کے بنے ہوئے برتنوں میں پلایا، اعلیٰ درجے کے قالینوں پر بٹھایا، خدمت کرنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا، خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، جو وہاں کے رہنے والوں میں سے نہ ہو۔ وہ ایسے تاباں تھے جیسے چمکتے ہوئے موتی۔ ان کی زبان حیرہ کی زبان تھی، وہی لہجہ، وہی تلفظ، پھر حنین اور اس کے ساتھیوں نے اپنے ہاں کے ایک بڑے شاعر عدی بن زید

لہ عدی بن زید حمد جاہلیت کا ایک فصیح و بلیغ شاعر مذہباً عیسائی تھا (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۴ پر)

اور اعشی ہمدون کے اشعار گائے، جو کچھ سنایا وہ انھی کا کلام تھا، پھر اس نے حیرہ کے پھل پھول سے تواضع کی، انھوں نے شراب پی، پھل کھائے اور کہا:-

”کیسے کیا آپ نے کسی بات کے بارے میں مجھ سے مدد طلب کرتے دیکھا، جو کچھ بھی آپ نے کھایا، پیا، لطف اٹھائے، آرام کیا، سنا، کیا، یہ کچھ حیرہ کے علاوہ کہیں اور بھی مل سکتا ہے بتائیے؟“

”ہنیں خدا کی قسم نہیں، تم نے اپنے شہر کی خوب تعریف کی، اپنی اس ذمے داری سے اچھی طرح عہدہ برآ ہوئے، خدا تم کو اور تمہارے شہر کو برکت عطا کرے“

(۳۲۳ کا بقیہ نوٹ)، اہمسی اور ابو عبیدہ اس کے متعلق کہا کرتے تھے، ”عدی بن زید شاعر ہیں اس طرح نمایاں ہے، جیسے ستاروں میں ہسیل، یہ پیامہ کارہنے والا تھا، اس کے دادا ایوب نے کسی کو قتل کر دیا، اور بھاگ کھڑا ہوا، پھر وہ حیرہ پہنچا، اور وہیں رہ پڑا۔ کچھ عرصے بعد ویر شاہی تک رسائی ہو گئی، وہاں بڑی قدر و منزلت ہونے لگی، اس کے بیٹے زید نے بھی بہت اعزاز حاصل کیا۔“

عدی کسری کا بھی مقرب بارگاہ تھا، اس کے شاہی دفتروں میں پہلے پہل عربی کا چلن اسی نے شروع کیا۔

جب نعمان بادشاہ ہوا، تو بعض لوگوں نے اس سے عدی کی چغلی کھائی، اس نے اسے قید کر دیا، قید ہی میں اس کی وفات ہوئی۔

لے اعشی ہمدان، نام جمد الرحمن، کنیت ابو الصبح، مشہور شاعر ہے۔ عہد امویہ میں ترقی کی، فقیہ اور قاری بھی تھا، لیکن شعر و شاعری کی طرف زیادہ میلان تھا۔ ابن اشعث کی بغاوت میں یہ بھی شریک تھا، حجاج نے اسے گرفتار کیا، اور قتل کر دیا۔

(۱۱۰) حنینؑ اور عبداللہ بن سرج

ابواسحق ابراہیم بن مہدی کہتے ہیں، میں خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ تھا۔ اسی سال عون العبّادی میرے پاس آیا تھا، وہ میرے پاس حنین بن بلوع کے پونے کو لے کر آیا تھا جو بوڑھا ہو چکا تھا۔ اپنے دادا کے متعدد راگ اس نے سُنائے، میں نے کچھ زیادہ داد نہیں دی، بڑا بد صورت، بد آواز، اور بد قرارہ تھا، ہاں یہ بڑی صفت تھی کہ راگ کی تان جب تک پوری نہ کر لے دم نہیں لیتا تھا، گاتے گاتے اس نے ابن سرج کا راگ گایا :-

”میں نے اسے درندوں کی خوراک بنا کر چھوڑ دیا، جو آے
اس جگہ سے نوج رہے تھے، جو اس کی کھوپری اور کلائی
کے مابین ہوا“

مجھے نہیں یاد کہ یہ راگ اس سے زیادہ اچھے طور پر میں نے کسی اور سے سنا ہو، میں نے اس سے کہا، ”یہ راگ تو تم نے خوب گایا، حالانکہ یہ راگ نہ تمہارے دادا کا ہے، نہ تمہارے شہر کا، اسی پر مجھے حیرت ہوئی۔ بوڑھے نے مجھ سے کہا، ”صلیب اور قربان کی قسم، یہ راگ ہمارے ہی گھر میں ڈھالا گیا ہے۔ میرے دادا کے تہ خانے میں بنا ہوا، اس نے تو میرے چچا کی جان پر بنا لہ حنین بن بلوع جو کارہنے والا، کنیت ابو کعب، بڑا شاعر اور بہت بڑا گویا تھا، مذہباً عیسائی تھا، اس کے اؤٹن کر ایسے پر شام جایا کرتے تھے۔
۲۱ عباری، چند عیسائی خاندان جو حیر میں آکر آباد ہو گئے تھے۔

دی تھی —

میں نے کہا، پورا ماجرا سناؤ! کہنے لگا، مجھ سے میرے والد میان کرتے تھے، عبید اللہ بن مرتج ایک دفعہ حیرہ میں آیا، اس کے پاس تین سو دینار تھے، یہ رقم لے کر وہ ہمارے گھر پہنچا، کہنے لگا، میں حجازی ہوں، تمہارے والد ہوں، مجھ تک حیرہ کی خوش بو پہنچی، مشام جان معطر ہو گیا، تمہارے گانے کی بھنک پہنچی بے قابو ہو گیا، ہلے کیا خوب کہا ہے۔

”مجھے زمانے کی مصیبتوں نے سرنگوں کر دیا، یہاں تک کہ

میں ایسا ہو گیا، گویا میں شکار کی تاک لگائے بیٹھا ہوں۔

مجھے جو دیکھتا ہے ضعیف سمجھتا ہے، اگرچہ میں قید میں نہیں

ہوں، پھر بھی میں قیدی ہوں۔

میں یہ دینار لے کر نکل پڑا، تاک انھیں تمہارے ساتھ تمہارے

پاس خرچ کروں، ہم ساتھ ساتھ رہیں یہاں تک کہ یہ رقم ختم

ہو جائے، اور میں پھر اپنے گھر لوٹ جاؤں“

میرے دادا نے اس سے نام اور نسب پوچھا، اس نے غلط سلط بتا

دیا، کہا کہ وہ بنو مخزوم کا ایک فرد ہے، میرے دادا نے اس سے ساری رقم لے

لی اور کہا، ”تمہارا رُپیہ تمہیں کاٹ رہا ہے، لاؤ مجھے دو۔ تمہیں جس چیز کی

ضرورت ہوگی مل جائے گی، تم سا آدمی ہمارے پاس رہ کے خوش نہیں

رہ سکتا۔ جب تمہارا گھر جائے کو جی چاہے، تو ہم سامان کر دیں گے، تمہارے

دینار تمہیں لوٹا دیں گے اور جو کچھ تمہارے اوپر خرچ ہوگا وہ ہمارے

ذمے ہے کہ تم ہمارے یہاں آئے ہو“

پھر میرے دادا نے اسے الگ ایک مکان میں ٹھہرایا، جس میں وہ

اکیلا رہتا تھا، وہ ہمارے پاس دو بیٹے تھے، نہ ہمارے دادا جانتے تھے اور نہ گھر کا کوئی اور آدمی کہ یہ شخص گانا بھی جانتا ہے۔ ایک روز میرے دادا بشر بن مردان کے ہاں سے لوٹے۔ گرمیوں کا زمانہ تھا، دھوپ نکلی ہوئی تھی، وہ گھر کے دروازے پر پہنچے جہاں ابن سرج رہتا تھا، دیکھا تو دروازہ بند، انھیں کچھ شبہہ گزرا، دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن صدائے برخواست۔ اب وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے وہاں دیکھتے ہیں تو نہ ان کی لڑکی ہے نہ لونڈیاں، البتہ اس گھر اور ابن سرج کے گھر کا درمیانی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اب تو انھوں نے تلوار سونت لی اور اندر گھس پڑے کہ اپنی لڑکی اور لونڈیوں کو قتل کر دیں، جب اندر پہنچے تو انھوں نے دیکھا ان کی لڑکی مع لونڈیوں کے تہ خانے کے دروازے پر کھڑی ہے، وہ سب دادا جان کو خاموش رہنے اور آہستہ آہستہ چلنے کا اشارہ کرنے لگیں، لیکن وہ ذرا بھی ملتفت نہ ہوئے کہ یہ کیسے اشارے ہیں؟ یہاں تک کہ ان کے کان میں ابن سرج کے نغمے کی آواز آئی، وہ یہی راگ گارہا تھا۔ انھوں نے تلوار تو ایک طرف پھینکی اور بیخود ہو کے ایک چیخ ماری۔ انھوں نے اگرچہ اُسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن آوازِ نغمہ سے پہچان لیا تھا کہ یہ کمال ابن سرج کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے کہا، "ابو یحییٰ میں تم پر قربان۔ تم تین سو دینار لے کر آئے ہو کہ وہ ہمارے پاس رہ کر خرچ ہوں؟ مسیح کی قسم تم حیرہ سے نہیں جا سکو گے، مگر اس حال میں کہ تمہارے پاس تین سو دینار، اور تین سو دینار، اور تین سو دینار ہوں گے۔ یہ اس رقم کے علاوہ ہوں گے جو تم اپنے ساتھ لائے تھے، پھر وہ آگے بڑھے اس سے معاف کیا، مرجا کہا، اور اس طرح ملے کہ اس سے پہلے اس طور پر کبھی نہ ملے ہوں گے۔ پھر اس راگ کے بارے میں پوچھا، اس نے کہا، "یہ راگ

تو میں نے ابھی ایجاد کیا ہے!

میرے دادا ابن سرنج کو بشر بن مروان کے پاس لے گئے، اس نے پہلی مرتبہ اسے دس ہزار درہم دیے، بعد میں اتنی ہی رقم اور دی۔ جب اس نے حیرہ سے جانے کا ارادہ کیا تو میرے دادا نے اس کا سارا مال اسے واپس دے دیا۔ اتنے ہی زادراہ کا انتظام کر دیا، جتنا اس نے کئے سے حیرہ تک خرچ کیا ہوگا۔

ابن سرنج اپنے گھر واپس چلا گیا، ہمارے گھر کا ہر آدمی اس سے یہ راگ سیکھ چکا تھا۔

(۱۱۱) ہلال

عبدالملک بن مروان اپنی بیوی عاتکہ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ عاتکہ پر بیٹے بن معاویہ کی لڑکی تھی، ایک مرتبہ وہ عبدالملک سے رُوٹھ گئی، درمیان کا زنازہ اور مردانے کا ————— دروازہ اس نے بند کر دیا۔ عبدالملک عاتکہ کی خفگی سے بہت دلگیر ہوا، اس نے اپنے مساجدوں میں سے ایک شخص عمر بن ہلال الاسدی سے اپنے درد دل کا ماجرا کہا۔ عمر نے کہا، "اگر میں راضی کر دوں تو مجھے کیا انعام ملے گا؟" عبدالملک نے کہا، "جو مانگو گے!"

بات پختہ کر کے عمر عاتکہ کے دروازے پر رونی صورت بنائے ہوئے پہنچا، اس نے اندر سلام کہلوایا، فوراً پیش خدمتیں، کنیزیں اور مائیں حاضر ہوئیں، انھوں نے پوچھا، "کیا ہے روتے کیوں ہو؟" جواب دیا میں

بڑی امیدوں کے ساتھ اپنی فریاد عاتکہ کے پاس لایا ہوں، وہ جانتی ہیں کہ امیرالمومنین معاویہ اور پھر ان کے بعد یزید کے ہاں میرا کیا درجہ تھا؟ انھوں نے کہا، ”کچھ منہ سے تو بولو“

عمر نے کہا، ”میرے صرف دو لڑکے ہیں، ایک نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا، امیرالمومنین نے فرمایا، ”میں دوسرے کو بھی قتل کر دوں گا“ میں نے عرض کیا، میں اپنے مقتول بیٹے کا دلی ہوں، میں نے معاف کیا۔ انھوں نے فرمایا، ”میں یہ معافی قبول نہیں کروں گا۔ تاکہ آئندہ لوگ ایسے کاموں پر جری نہ ہوں“ میں یہ آرزو لے کر آیا ہوں کہ عاتکہ بی بی میرے اس دوسرے لڑکے کی زندگی رکھ لیں“

کنیزیں اندر گئیں اور سارا قصہ کہا، عاتکہ نے کہا، ”یہ ٹھیک ہے لیکن میں کیا کر سکتی ہوں؟ میں تو خود امیرالمومنین سے خفا ہوں“ کنیزوں نے دست بستہ عرض کیا، ”تب تو وہ بے چارہ خدا کی قسم قتل کر دیا جائے گا“ کنیزیں اسی طرح عرض معروض کرتی رہیں، آخر عاتکہ نے اپنے کپڑے منگوائے وہ خوش بوئیں بسائے گئے، یہ لباس زیب تن کر کے وہ دروازے کی طرف چلی۔ خواجہ سرا حدیج نے اطلاع دی، ”امیرالمومنین! عاتکہ آ رہی ہیں!“ خلیفہ کو یقین نہ آیا، کہا، ”کیا بکتا ہے؟“

”خدا کی قسم وہ دیکھیے نمودار ہوئیں؟“

اتنے میں عاتکہ آگئی۔ اس نے خلیفہ کو سلام کیا، مگر خلیفہ صاحب روٹھے ہوئے تھے، انھوں نے جواب بھی نہیں دیا۔ عاتکہ نے کہا، ”خدا کی قسم عمر کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ آتی، اس کے دو بیٹوں میں جھگڑا ہوا، ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اب آپ اسے بھی قتل کر دینا چاہتے ہیں؟ وہ اپنے

لڑکے کا ولی ہو اور معاف کیے دیتا ہے پھر آپ کو کیا؟“
امیر المومنین نے پوری سنجیدگی سے فرمایا، ”میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس
طرح کی مثالیں قائم ہوں“

”خدا آپ کو سلامت رکھے امیر المومنین، آپ کو معلوم ہے امیر المومنینؑ
کے زمانے میں اس کی کیا منزلت تھی؟ امیر المومنین یزید کے دربار میں اس کا
کیا درجہ تھا؟ اب وہی میرے دروازے پر سائل بنا کھڑا ہے!“
امیر المومنین ماتمک کی یہ عرض داشت سنتے رہے مگر اس سے مس نہ ہوئے،
یہاں تک کہ اس نے جھک کر ان کے پاؤں چومے اب جا کے امیر المومنین
نے ”معاف“ کیا، تھوڑی دیر کے بعد دونوں میں ملاپ ہو گیا۔
عمر بن بلال عبدالملک کے پاس پہنچا اور یوں گویا ہوا، ”یا امیر المومنین،
آپ نے ملاحظہ فرمایا؟“

”ہاں ہم نے تمہاری کارگزاری دیکھ لی، بلو کو کیا مانگتے ہو؟“
”زمین اور اس کا ساز و سامان، ایک ہزار دینار، اپنی آل، اولاد، اور
عزیزوں کے لیے وظائف“
”یہ سب منظور“

پھر عبدالملک کثیر کے یہ اشعار گننانے لگا۔
”میں محبوبہ کے قبیلے کی رعایت اس کے احترام کے سبب
کرتا ہوں، اگر وہ بدراہ ہوں تو میں انھیں راہ راست پر لانے
کی کوشش کرتا ہوں۔“

اگر محبوبہ کا قبیلہ میرے قبیلے سے برسرِ جنگ ہو، تو میں قبیلہ
محبوبہ کا دوست رہتا ہوں، اور اس کے خلاف کوئی کینہ اپنے

(۱۱۲) دل چسپ کشتی!

ایک آدمی ہلال سے روایت کرتا ہے کہ میں مدینے گیا، آل مروان میں سے ایک شخص وہاں حاکم تھا۔ میں اپنے اؤنٹوں پر تاجر دن کا مال بار کیا کرتا تھا، وہ بوجھ اتار ہی رہا تھا کہ کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ تمہیں امیر نے یاد فرمایا ہے، میں نے کہا تمہارے اؤنٹوں اور سامان کا کیا ہوگا؟ جواب ملا، ”پر دست کرو، اؤنٹ بھی سلامت رہیں گے، اور سامان بھی“

مجھے لے جایا گیا یہاں تک کہ میں امیر کے حضور میں پہنچ گیا۔ میں نے سلام کیا، پھر عرض گزار ہوا، ”میں آپ پر قربان میرے اؤنٹوں اور سامان آنا کو گزند نہ پہنچے“

”ہم تیرے اؤنٹوں اور سامان تجارت کے ضامن ہیں۔ یہاں تک کہ ہم انہیں تجھے سونپ دیں“

میں نے کہا، ”امیر کو میری کیا ایسی ضرورت پیش آئی جو یاد فرمایا خدا مجھے امیر پر قربان کرے“ امیر نے کہا (اس کے پہلو میں ایک زرد رنگ کا آدمی بیٹھا ہوا تھا و اللہ میں نے ایسا بد صورت آدمی کبھی نہیں دیکھا ہوگا، بھونکی صورت، موٹی گردن، میں نہیں جانتا اس کا طول زیادہ تھا یا عرض؟ یہ غلام جسے تم دیکھ رہے ہو خدا کی قسم مدینے میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اسے پچھاڑ سکے۔ سب کو یہی پچھاڑ چکا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے تم بڑے قوت والے ہو، میں چاہتا ہوں اگر تم اس آدمی کو پچھاڑ سکو تو پچھاڑو، اور عربوں کی

طرف سے بدلے لو“

میں نے کہا، ”میں امیر پر قربان، میں تھکا ہوا ہوں، پیاسا ہوں، بھوکا ہوں، اگر امیر کی یہی رائے ہو تو مجھے کم از کم ایک روز کی مہلت دی جائے تاکہ میں اڈنٹوں پر سے سامان اُتار سکوں، امانتیں پہنچا دوں، اور ذرا سنا بھی لوں، میں کل حاضر ہوں گا اور جو امیر کا حکم ہوگا اُسے بہ سروسچیم بجالاؤں گا“

امیر نے اپنے آدمیوں سے کہا، ”اس کے ساتھ جاؤ، اڈنٹوں پر سے سامان اُتروانے اور امانتوں کے ادا کرنے میں اس کی مدد کرو۔ اسے باورچی خانے بھی لے جاؤ اور اتنا کھلاؤ کہ شکم سیر ہو جائے“ لوگوں نے امیر کے اس ارشاد کی تعمیل کی۔

باقی دن میں نے آرام کیا، رات بھی شکم سیری کی حالت میں گزاری، جب دوسرا دن ہوا میں امیر کے پاس پہنچا، میرے جسم پر ایک جتہ تھا اور ایک چادر تھی۔ تہمد کوئی نہیں تھا، میں نے عامے سے اپنی کم کس لی، امیر کو سلام کیا، اس نے جواب دیا، پھر اپنے پہلوان سے کہا، ”اٹھو اس کے پاس جاؤ! میں دیکھتا ہوں اللہ نے ایسا آدمی بھیجا ہے جو تمہیں شرم کرے گا“

غلام نے کہا، ”اے اعرابی تیار ہو جا!“ میں نے چادر اپنے جتے پر ڈال لی۔ اس نے کہا، ”ارے بے وقوف یہ سلامت نہیں رہے گی میں نے پنجہ مارا، اور یہ میرے ہاتھ میں آئی“ میں نے کہا، ”میرے پاس تہمد نہیں ہے“ امیر نے لباس منگوایا اور مجھے مرحمت کیا، میں نے ایسا اعلیٰ لباس کاہیکو کبھی دیکھا یا پہنا ہوگا؟ میں نے اسے پہن لیا اور جتہ اُتار پھینکا۔

وہ غلام میرے ارد گرد گھوم رہا تھا، مجھے دھوکا دے کر وار کرنا چاہتا

تھا۔ میں اس سے خائف تھا میری سمجھ میں نہیں آتا تھا اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوں۔ پھر وہ مجھ سے بہت قریب ہو گیا، اس نے میرے ماتھے پر ناخن گرا دئیے۔ میں نے بہت تکلیف محسوس کی، اس کی اس حرکت سے مجھے غصہ بھی بہت آیا، میں اس کی بدہمتی کو دیکھنے لگا جس نے میری طبیعت میں القباض پیدا کر رکھا تھا۔ میں نے اس کے بدن میں سر سے چھوٹی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ میں نے اپنا انگوٹھا اس کی کنپٹی پر رکھا، اور دوسری انگلی کان کی لو پر، پھر میں نے کس کے دبا یا، تکلیف سے وہ چیخ اٹھا، کہنے لگا،

”میں مرا“ ”میں مرا“ ”ظالم تو لے تو مجھے مار ڈالا“

امیر نے کہا، ”اس غلام کا سر منی میں رگڑ دے“ میں نے کہا،

”جیسا حکم ہو“ پھر میں نے اس کا سر کس کے زمین پر رگڑ دیا، اس پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔

امیر نے یہ منظر دیکھا تو بے ساختہ ہنسنے لگا، یہاں تک کہ دوہرا ہو گیا، حکم دیا کہ مجھے انعام، سدا، اور خلعت مرحمت ہو، میں نے یہ سب لیا، اور چل دیا۔

(۱۱۳) رنگ میں بھنگ

ابن بسحر کہتے ہیں، واثق باللہ کے حضور میں میری باری مقرر تھی میں

سے الواثق باللہ بنو عباس کا نواس خلیفہ تھا، اس خاندان کا پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح

تھا، (۱۳۲ھ) دوسرا ابو جعفر منصور، (۱۳۶ھ) تیسرا مہدی بن منصور (۱۴۹ھ) چوتھا

ہادی بن مہدی، پانچواں ہارون رشید (۱۷۰ھ) (بقیہ نوٹ ص ۳۳ پر)

ہر جمعے کو اس کے در دولت پر حاضری دیتا۔ اگر دیکھتا کچھ پینے پلانے کا ڈھنگ
ہو تو ٹھہر جاتا، اگر دیکھتا مزاج دوسری طرف مائل ہو تو چلا آتا۔ ہماری وضع
میں یہ بات داخل ہو گئی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنی باری سے پہلے
حضور میں جاتا نہیں تھا۔

باری کا دن تو تھا نہیں، میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا،
اتنے میں خلیفہ کے قاصدوں کا تانتا لگ گیا۔ ”چلیے امیر المومنین نے
یاد فرمایا ہے“ میں نے کہا، ”خیر تو ہے؟“ جواب ملا ”ہاں خیریت ہے، آپ
فوراً چلیے“ میں نے کہا، ”آج کا دن میری باری کا نہیں ہے، آج ہرگز
امیر المومنین مجھے نہیں یاد فرما سکتے، شاید تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے“ کہنے
لگے، ”تو بہ زیادہ باتیں نہ بنائیے فوراً چلیے، خلیفہ نے ہمیں حکم دیا ہے،
آپ کو ذرا بھی مہلت نہ دیں“

اب تو میں ذرا گھبرایا، کہیں ایسا تو نہیں ہو کسی نے لگائی بھجائی
کی ہو؟ یا خلیفہ خود کسی بات پر برہم ہو بیٹھا ہو؟ میں اٹھا، سوار ہوا،
اور خلیفہ کے در دولت پر پہنچ گیا، اور عادت کے مطابق اس دروازے
سے جانے لگا جس سے ہمیشہ جایا کرتا تھا، لیکن مجھے روک دیا گیا۔ خدام نے
میرا ہاتھ پکڑا، اور دوسرے دروازے سے اندر داخل کر دیا۔ اور ایسی بھول
بھلیاں سے لے گئے کہ میں راستہ بھی نہیں پہچان سکا۔ اب میں اور بھی
زیادہ سہم گیا، دہشت کچھ اور بڑھ گئی، خدام بارگاہ کا ایک گروہ مجھے دوسرے
گروہ تک پہنچاتا رہا۔ آخر کار میں ایسے گھر میں پہنچ گیا، جہاں صحن میں فرش

(ص ۳۳۳ کا بقیہ نوٹ)، چشتا امین بن ہارون، ساتواں مامون رشید، آٹھواں، متعصم باللہ،

نواں واثق باللہ، یہ ۲۴۰ھ میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔

کیا ہوا تھا، دیواروں پر زرکار پردے لٹک رہے تھے، پھر میں ایک بارہ دری میں پہنچا، یہاں بھی ویسے ہی پردے لٹک رہے تھے، دیکھتا کیا ہوں، واقعہ بالمشہور جو اہرات سے مرصع تخت کے صدر میں بیٹھا ہوا ہے، زرنگار لباس پہنے ہوئے ہے، اس کے پہلو کے قریب اس کی منظور نظر کینیز فریدہ بیٹھی ہوئی ہے، یہ بھی ویسے ہی کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھی، اس کی گود میں عود رکھا ہوا تھا۔

خلیفہ نے جب مجھے دیکھا تو کہا، ”واللہ محمد تم خوب آئے، آؤ آؤ“ میں نے زمین چومی اور عرض کیا، ”امیر المؤمنین خیریت تو ہے؟“ فرمایا، ”تم دیکھتے نہیں، خیریت ہے، میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ ہمیں ایک تیسرے رفیق بزم کی ضرورت تھی، تجھ سے زیادہ میں نے کسی کو اس کا سزاوار نہ پایا۔ تجھے میری جان کی قسم ہے، جلدی کر، کچھ کھاپنی لے، اور فوراً آ“ میں نے کہا، ”میرے آقا، خدا کی قسم میں کھا بھی چکا، اور پی بھی چکا“ حکم ہوا، ”بیٹھ“ میں بیٹھ گیا، پھر فرمایا، ”محمد کے لیے ایک جام میں شراب لاؤ“ شراب لائی گئی، فریدہ گارہی تھی،

”میں تیرے دب دبے کی وجہ سے تجھ سے خائف ہوں،

حالاں کہ تیرا کوئی زور مجھ پر نہیں ہے“

وہ گاکیا رہی تھی سحر کر رہی تھی، ایک کے بعد ایک راگ گاتی چلی جا رہی تھی، میں بھی اس کی نغمہ ریزی کے دوران میں ایک آدھ تان لگا دیتا تھا۔ بڑے مزے میں ہمارا یہ وقت گزر رہا تھا کہ دفعۃً خلیفہ نے لات اٹھا کے فریدہ کے سینے پر جو ماری ہے تو بے چاری تخت کی بلندی پر سے ڈھم سے زمین پر آ رہی۔ اس کا عود ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ چیخنے چلنے

لگی۔ میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے میری رُوح نکل رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر سر
 جھکائے زمین کی طرف تکتا رہا، میں بھی سر جھکائے بیٹھا تھا کہ شاید اب وہ
 گردن اُڑا دینے کا حکم دے گا۔ میں اسی خیال میں تھا کہ اس نے کہا، ”محمد!“
 میں اُچک پڑا، اس نے کہا، ”کم بخت یہ عجیب و غریب ماجرا تو نے دیکھا؟“
 میں نے کہا، ”میرے آقا اس وقت تو میری رُوح پر واڑ کیے جا رہی ہو،
 خدا کی اس پر لعنت ہو جس کی نظر بد نے رنگ میں بھنگ کر دیا، باعثِ
 برہمی کیا ہوا؟ کیا کوئی خطا سرزد ہوئی تھی؟“ اس نے کہا، ”نہیں خدا کی
 قسم نہیں۔ مجھے یہ خیال آیا کہ جعفر اس میری جگہ متمکن ہو گا، وہ فریدہ کے
 ساتھ بیٹھے گا، جس طرح یہ میرے پاس بیٹھی ہو، ایسے ہی تب بھی بیٹھے گی۔
 اس خیال کے آتے ہی میں صبر نہ کر سکا، میں اتنا حواس باختہ ہو گیا کہ جو کچھ
 مجھ سے سرزد ہوا تم نے دیکھ ہی لیا“ میں نے کہا، ”خدا جعفر کو غارت کرے،
 اور امیر المؤمنین کو تا ابد سلامت رکھے“ پھر میں نے زمین چومی اور عرض
 کیا، ”میرے آقا خدا کے لیے فریدہ پر رحم کیجیے، اسے واپس بلا لیجیے،“
 خلیفہ نے بعض خدام سے جو وہیں کھڑے ہوئے تھے کہا، ”فریدہ کو کون
 لائے گا؟“ ابھی کوئی آگے نہ بڑھنے پایا تھا کہ وہ نمودار ہوئی، اس کے ہاتھ میں
 اس کا ساز تھا لباس پہلے والا نہ تھا، خلیفہ نے جب اسے دیکھا تو مہربانی
 کی باتیں کرنے لگا، وہ رونے لگی، خلیفہ بھی اس کے ساتھ گریز کنناں ہو گیا،
 میں نے اسی عالم گریہ میں گانا شروع کیا۔

فریدہ نے خلیفہ سے کہا، ”میرے آقا! میرے مالک! امیر اگناہ کیا تھا؟
 کس خطا کی پاداش میں مجھے یہ سزا دی گئی؟“ خلیفہ نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا

سُبح و اثنی باللہ کا بھائی، متوکل علی اللہ جعفر بن العتصم!

وہی اس سے بھی کہا۔ خلیفہ بھی رو رہا تھا اور وہ بھی رو رہی تھی۔ پھر وہ گویا ہوئی،
 ”امیر المومنین میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں ابھی میری گردن اڑا دیجیے،
 اس فکر و غم سے مجھے نجات دیجیے، اور خود بھی آرام پائیے۔ یہ وہ کہتی جاتی
 تھی اور روتی جاتی تھی۔ خلیفہ یہ سنتا جاتا تھا اور آنسو بہاتا جاتا تھا۔ پھر
 دونوں نے ایک دوسرے کے آنسو پونچھے، کچھ عرصے کے بعد وہ اپنی
 جگہ پر بیٹھ گئی، خلیفہ نے اپنے خدام سے کسی چیز کے لانے کی فرمائش کی۔
 میں نہ سمجھ سکا کیا ہو؟ خدام چلے گئے اور کچھ تھیلیاں لائے، جن میں رُپے
 اور اشرفیاں تھیں۔ کچھ گٹھریاں لائے جن میں بہت سے کپڑے تھے، ایک
 خادم ایک ڈبہ لایا اس میں جو اہرات کا ایک ہار تھا میں نے ایسا خوب
 صورت ہار کبھی نہیں دیکھا تھا۔ خلیفہ نے وہ ہار فریدہ کو پہنا دیا، پھر چند
 تھیلیاں لائی گئیں جن میں دس ہزار درہم تھے، یہ رقم میرے سامنے
 رکھ دی گئی۔ پانچ گٹھریاں بھی مجھے دی گئیں جن میں اچھے اچھے کپڑے تھے،
 اب ہم اپنی حالت پر آگئے، پہلے سے بھی اچھی حالت پر!
 رات گئے تک ہماری یہ مجلس قائم رہی، پھر ہم جدا ہو گئے، اور
 زمانہ اپنی سسی کرتا رہا!

(۱۱۴) پُر لُطْف شِمارت !

زیاد بن خطاب جو ہارون رشید کے خادم سرور کے محترم تھے و کہتے
 ہیں، میں نے محبوب بن الہفتی کو اپنے والد سے بیان کرتے سنا کہ ”مجھے ایک
 بار محمد بن سلیمان بن علی نے بلایا اور کہا، ”فُلُجُ حَازِرٌ سے آیا جو، ابن عتاب

کی مسجد کے پاس ٹھہرا ہے۔ اس کے پاس جاؤ اور کہو اگر وہ رشید کے پاس جانے سے پہلے مجھ سے مل لے تو میں اسے قیمتی خلعت دوں گا، نیز پانچ ہزار درہم بھی دوں گا!

میں فلج کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرا کہ سنایا۔ اس نے مجھے خوش خوش جواب دیا اور میرے ساتھ چل پڑا، وہ قریب ہی ایک حمام کے پاس ٹھہرا۔ اس نے داروغہ حمام کو بلایا، اسے دو درہم دیے اور کہا کوئی کھانے کی چیز لے آئے، تھوڑی سی نمینڈ بھی لیتا آئے، وہ ایک کھوپری لے آیا، پھوڑے کی کھوپری معلوم ہوتی تھی، شراب بھی بڑی خراب ٹھہرا قسم کی لے آیا، میں نے کہا، ”ابھی نہیں، میں نے کوشش کی، یہ کھانا بھی نہ کھائے اور پانی بھی نہ پیے۔ محمد بن سلیمان کے پاس تو چل ہی رہا ہے وہاں کھاپی لے گا، لیکن اس نے میری ایک نمینی، کھوپری بھی چٹ کر گیا اور شراب بھی پی ڈالی، یہاں تک کہ موج میں آگیا اور گن گناتے لگا داروغہ حمام نے بھی اس کے ساتھ تان لگانا شروع کی۔ پھر فلج کو کسی بات پر غصہ آیا، اس نے داروغہ کو ڈانٹا، پہلے دونوں میں سخت کلامی ہوئی، پھر نوبت ہاتھ پائی کی پہنچ گئی۔ داروغہ نے کوئی چیز اٹھا کے فلج کے سر پر دے ماری جس سے سر کھل گیا اور خون جاری ہو گیا، فلج نے جب اپنے چہرے پر خون کے قطرے دیکھے تو گھبرایا اور داویلا کرنے لگا، پھر اس نے اپنا زخم دھویا، کچھ اؤن منگوا یا، اسے جلایا، زیتون کا تیل منگوا یا اور پٹی باندھ لی، پھر عامہ پہنا اور میرے ساتھ ہو لیا۔

جب ہم محمد بن سلیمان کے ہاں پہنچے اور فلج نے دیکھا فرش آراستہ ہے، ساز و سامان سجا ہوا ہے، اتنے میں کھانا بھی چن دیا گیا، اور نمینڈ بھی لائی

گئی، پردے ڈال دیے گئے، اور کینیزوں نے گانا شروع کیا، فلج نے مجھ سے کہا:-
 ”دوست تمہیں خدا کی قسم سچ کہنا داروغہ کی مجلس دھماچو کڑی کے لیے
 موزوں تھی یا امیر کی؟“ میں نے کہا، ”جھگڑا منٹا تمہارے لیے ضروری
 ہے؟“ اس نے کہا، ”نہیں خدا کی قسم مجھے بغیر اس کے قرار نہیں آتا،
 لیکن اب تو یہ شوق میں اپنے سر کے راستے نکال چکا ہوں“ میں نے
 کہا، ”یہ بات ہے تو بھی تم نے داروغہ حمام کے ہاں جو کچھ کیا اچھا
 کیا، دل کی بھڑاس تو نکل گئی۔“

محمد نے مجھ سے پوچھا، ”کیا باتیں ہو رہی ہیں؟“ میں نے اسے فلج
 اور داروغہ حمام کی چھیڑ چھاڑ اور آویزش کا سارا قصہ کہ سنایا۔ بہت ہنسنا،
 ہنسنے ہنسنے لوٹ ہو گیا، کہنے لگا، ”واللہ یہ بات تو اچھے اچھے گانوں سے
 بھی مزے دار ہے۔“

پھر محمد نے فلج کو خلعت سے نوازا، اور پانچ ہزار درہم مرحمت

کیے۔

(۱۱۵) فقیہہ اور معنی!

مشہور گویا ابن جامع کے سے خلیفہ ہارون رشید کے پاس بغداد آیا،
 وہ بہت خوش رُو اور پابندِ صوم و صلوة شخص تھا، اس کی پیشانی پر سجدے
 سے گھٹھا پڑ گیا تھا، ایک لمبی ٹوپی پر کالا عمامہ باندھنا تھا، فقہا کا لباس پہنتا
 تھا، اور بڑے اچھے گدھے پر اہل حجاز کی طرح سواری کیا کرتا تھا۔
 وہ یحییٰ بن خالد کے دروازے پر کھڑا تھا اس انتظار میں کہ اذن باریابی

مرحمت ہو، وہاں کا یہ دستور تھا کہ اجازت ملتی تو لوگ اندر چلے جلتے ورنہ وہاں
ہو جاتے۔ اسی اثنا میں قاضی ابویوسف بھی اپنے اصحاب کے ساتھ ادھر آئے،
جب وہ دروازے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا ایک آدمی ان کے پاس کھڑا ہے
اور ان سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہا ہے۔ اتنے میں ان کی نظر ابن جامع پر پڑی
وہ اس کی خوش روئی اور خوش بیانی سے متاثر ہوئے، آگے بڑھے اور اس
کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ پھر انہوں نے اس سے کہا، ”مجھے ایسا اندازہ ہوتا
ہے آپ حجازی ہیں، اور قرشی بھی ہیں“

”آپ کا اندازہ صحیح ہے“

”آپ قریش کے کس خاندان سے ہیں؟“

”بنی سہم سے“

”دولت خانہ کہاں؟ کئے ہیں یا مدینے میں؟“

”کئے ہیں“

”وہاں کے کن کن فقہا سے آپ کی ملاقات ہے؟“

”پوچھیے آپ کسے پوچھتے ہیں؟“

پھر ابن جامع نے فقہ و حدیث پر گفتگو شروع کر دی۔ قاضی ابویوسف
نے اس کی پسندیدہ باتیں نہیں اور خوش ہوئے، لوگ ان دونوں کی طرف
نگراں تھے، چرمی گونیاں شروع ہو گئیں۔

”قاضی صاحب کو دیکھو گوتیے سے باتیں کر رہے ہیں“ قاضی ابویوسف

کو قطعاً علم نہ تھا کہ ان کا مخاطب مشہور مفتی ابن جامع ہے۔ ان کے ساتھیوں
نے خیال کیا انہیں اس حقیقت سے باخبر کر دیں، پھر انہیں خیال آیا کیسا
فائدہ آئندہ شاید ان دونوں میں ملنے ہی کی نوبت نہ آئے۔ پھر کیوں انہیں

شرمندہ کیا جائے؟“

دوسرے دن پھر ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ قاضی ابو یوسف نے ابن جامع کو ڈھونڈا، اس کے پاس پہنچے، اور پہلے دن کی طرح بڑی دیر تک گھل مل کے باتیں کرتے رہے۔ جب قاضی صاحب یحییٰ کے ہاں سے واپس ہوئے تو ان کے بعض ساتھیوں نے کہا :-

”قاضی صاحب! آپ جس سے گھل مل کے باتیں کر رہے تھے

معلوم ہو وہ کون ہے؟“

”ہاں ایک قریشی، یکے از فقہائے مکہ“

”یہ مشہور گویا ابن جامع ہے“

”ان اللہ!“

”لوگوں میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ آپ ابن جامع سے بہت ملتے

ہیں۔ آپ کے اس فعل کو وہ اچھا نہیں سمجھتے!“

تیسرے دن قاضی صاحب یحییٰ کے ہاں آئے، آج بھی ان کی نظر ابن جامع پر پڑی، لیکن وہ اس سے مخاطب نہ ہوئے، ابن جامع نے بھانپ لیا قاضی صاحب اس سے دہشت زدہ کر دیے گئے ہیں۔ وہ خود ان کے پاس آیا، سلام کیا، قاضی صاحب نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن اس طرح نہیں، جیسے پہلے اس سے پیش آتے تھے، بلکہ جواب دیتے ہی منہ پھیر لیا۔ ابن جامع قاضی صاحب کے قریب آیا، لوگ تازگئے واقعہ کیا ہے؟ ابن جامع بہت بلند آواز تھا۔ اس نے گرج کر کہا، ”ابو یوسف کیا بات ہے تم مجھ سے منہ پھیرے ہوئے ہو؟ کیا بات تمہیں ناگوار ہوئی؟ لوگوں نے شاید تم سے کہا، میں گویا ابن جامع ہوں۔ پھر تمہیں مجھ سے ملتے ہوئے کراہت

آئی؟ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں، اس کا جواب دو، پھر جو جی چاہے کرنا،
لوگ ادھر متوجہ ہو گئے، اور غور سے دونوں کی باتیں سننے لگے۔
ابن جامع نے کہا، ”فرض کیجیے، ایک بے وقوف اعرابی آپ کے سامنے
کھڑا ہوتا ہے، پھر وہ بھونڈے اور بھدے طور پر کہتا ہے:-

”اے امیر کے گھر جو علیا اور سند میں واقع ہے، وہ ویران

ہو گیا، اور بہت زیادہ زمانہ اس پر گزر گیا“

”کیا آپ اس میں کچھ ہرج سمجھیں گے؟“

قاضی ابو یوسف نے کہا، ”نہیں شعر کے بارے میں رسول اللہ کی

روایتیں اور حدیثیں وارد ہیں“

ابن جامع نے کہا، ”پھر اگر میں اس طرح کہتا ہوں“ پھر اس نے لڑ

ٹھیک کی، اور گانا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ اس شعر پر آ گیا، پھر کہا،

”کیوں تم نے دیکھا میں نے اس میں کچھ اضافہ کیا یا کسی کی؟“

قاضی صاحب نے فرمایا، ”خدا تمہیں معاف کرے، مجھے اس بحث

سے معاف کرو“ ابن جامع نے کہا، ”ابو یوسف تم صاحب فتاویٰ ہو،

دیکھو میں نے اپنے الفاظ سے اس میں اضافہ کیا یا نہیں؟ ایسا اضافہ جو

کانوں کو سننے میں بھلا لگے، اور دل تک اتر جائے؟“

پھر ابن جامع قاضی صاحب کے پاس سے ہٹ گیا!

(۱۱۶) ایک کو دُن!

محمد بن اسحاق کہتے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے عرض کیا گیا،

مدینے میں ایک محنت رہتا ہوں جس نے وہاں کی فضا خراب کر رکھی ہے۔ انہوں نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ اسے ان کے پاس پہنچا دیا جائے، وہ لایا گیا، ایک بوڑھا آدمی تھا، داڑھی پر خضاب لگا ہوا، چہرے کا باقی حصہ ایک خاص قسم کے کپڑے سے ڈھکا ہوا، اس کے پاس ایک خریطہ تھا، اس میں اس کا دفن رکھا ہوا تھا۔ جب وہ حضرت کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اسے نیچے سے اڈپر تک دیکھا اور فرمایا، "کتنی بڑی ہویہ شبیہ اور قامت! اور شخص تجھے قرآن یاد ہے؟"

"میرے باپ نہیں؟"

"خدا تجھے اور تیرے باپ کو غارت کرے"

حاضرین نے محنت سے اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے، وہ چُپ

چاپ سنتا رہا، پھر حضرت نے پوچھا،

"تم مفصل میں سے کچھ پڑھ سکتے ہو؟"

"مفصل کیا؟"

"کم بخت تو قرآن میں سے کچھ پڑھ سکتا ہے؟"

"ہاں الحمد پڑھ سکتا ہوں، لیکن دو تین جگہ اس میں بھی بہک جاتا ہوں۔ قل اعوذ برب الناس بھی پڑھ لیتا ہوں لیکن اس میں بھی اٹکتا ہوں، البتہ قل ہو اللہ اس روانی سے پڑھتا ہوں، جیسے

پانی بہ رہا ہو"

حضرت نے حکم دیا، "اسے قید کر دو، اس کے لیے ایک معلم کا انتظام

کر دو، جو اسے قرآن پڑھائے، طہارۃ اور نماز کے حدود بتائے۔ تین درہم

روز اس کا وظیفہ مقرر کر دو، اور تین ہی درہم اس کے معلم کو بھی دیے

جائیں۔ یہ قید خانے سے اس وقت تک نہ نکلے جب تک پورا قرآن شریف نہ
حفظ کر لے۔“

یہ آدمی جیل میں ڈال دیا گیا، لیکن حالت یہ تھی کہ جب اسے کوئی سورہ
یاد کرایا جاتا تو پہلے کا یاد کیا ہوا سورہ بھول جاتا، پھر اس نے حضرت کے
پاس ایک آدمی بھیجا اور کہلایا، ”یا امیر المؤمنین میرے پاس کسی کو بھیجیے کہ
وہ حصہ لے جایا کرے، جسے میں یاد کر لیتا ہوں تاکہ اس سے اگلا یاد کروں۔
کیوں کہ میں سب سورتوں کی یاد کا بوجھ ایک ساتھ برداشت کرنے کے
قابل نہیں ہوں“

اب حضرت اس کی اصلاح سے مایوس ہو گئے، فرمایا، ”میں دیکھتا
ہوں یہ درہم یوں ہی ضائع جا رہے ہیں“ اس رقم سے اگر ہم کسی بھونکے کو
کھلائیں، یا کسی محتاج کی مدد کریں، یا کسی پھٹے حال کو لباس پہنائیں، تو زیادہ
بہتر ہوگا“ جب وہ قید خانے سے حضرت کے سامنے لایا گیا، تو آپ نے کہا،
”قل یا ایہا الکافرون“ پڑھو“

”میں خدا سے امان طلب کرتا ہوں، آپ نے پتھر پر سبزہ اُگانا چاہا“
پھر وہ حسب الحکم وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا، نکلا اس حالت
میں کہ لہک لہک کر گارہا تھا لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے، جب گہبا تو
نے اس کا گانا سنا، تو ایک رات ایک دن تک اس کے اچھے اچھے گانے
سننے کے بعد اسے چھوڑ دیا۔

(۱۱۷) اندھا شاعر

ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ بشار کا باپ برد بہت خوش الحان تھا۔ اس کے ہاں بشار پیدا ہوا، لیکن یہ مادر زاد اندھا تھا، برد کہا کرتا تھا، بشار سے زیادہ با برکت بچہ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ جب وہ پیدا ہوا تو میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی، لیکن ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ دو سو درہم میرے پاس جمع ہو گئے، برد نے ابھی سفرِ آخرت نہیں تیار کیا تھا کہ بشار شعر کہنے لگا۔

بشار اور بشیر، بشار کے دو بھائی تھے۔ دونوں نصاب تھے، بشار ان دونوں کے ساتھ حسنِ معاملات و معاشرت کا خواہگر تھا۔ اس کا دل چھوٹا تھا، لیکن لوگوں پر ترس کھانے کا عادی تھا، کہا کرتا تھا، ”اللہ! میں رحم دل ہوں، لوگوں پر ترس کھایا کرتا ہوں، یا اللہ مجھے ان سے بچائے رکھنا“ اس کے بھائی اس سے کپڑے مانگ لیا کرتے تھے، اس بے ڈھنگے پن سے پہنتے تھے کہ انھیں میلا اور بدبو دار کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ اس نے ایک قمیص لی، جس میں دو جیبیں تھیں۔ اس نے قسم کھالی تھی کہ اب کوئی کپڑا نہ بشار کی کنیت ابو ساذ تھی، لقب مرحمت تھا، شعر و شاعری میں اس کا درجہ بہت بلند تھا، گاتا بھی خوب تھا۔ دولتِ عباسیہ اور دولتِ امویہ کے عہد میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔ مدح بھی کرتا تھا اور بوجھی، اور دونوں رنگ خوب نبھا ہتا تھا۔

بشار موٹا تازہ آدمی تھا، چہرے ہرے سے بڑی ٹپکتی تھی، قد لمبا تڑنگا، آنکھوں کے دونوں ڈھیلے ذرا پھیلے ہوئے، ساتھ ہی ساتھ بد صورت اور بھدا بھی تھا، جب وہ شعر پڑھنے کا ارادہ کرتا تھا پہلے تالی بجاتا تھا، پھر کھکھارتا تھا، دلہنے بائیں تھوکتا تھا، پھر پڑھتا تھا۔

اپنے بھائیوں کو مانگے نہ دے گا۔ وہ لوگ اس کی اجازت بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے، جب چاہتے لے لیتے۔ اس نے ایک دفعہ اپنے کپڑے منگوائے، انھیں پہنا تو بدبو سے بے ہوئے، اس نے کہا، "کس نے اس کپڑے میں خوش بو کا چھڑکا کیا ہے؟" جب وہ منع کرتے کرتے تھک گیا، اور یہ لوگ باز نہ آئے تو وہی میلے اور بدبو دار کپڑے پہن کر لوگوں کے پاس جانے لگا، لوگوں نے پوچھا،

"ابو معاذ! یہ کپڑوں کا کیا حال بنا رکھا ہے؟"

"یہ صلہٴ رحم کی سزا ہے۔"

وہ ابھی کم سن تھا کہ شعر کہنے لگا۔ ایک مرتبہ اس نے کچھ لوگوں کی ہجو کی، لوگ اس کے باپ کے پاس آئے اور شکایت کی۔ باپ نے لڑکے کو بُری طرح مارا، آخر ماں سے صبر نہ ہوا کہنے لگی، "بچے کو کب تک مارتے رہو گے ذرا بھی رحم نہ کرو گے؟"

"رحم تو کروں لیکن دیکھو تو چھو کرے کو، لوگوں کو چھیرتا ہے، مجھ سے

شکایت کرتے ہیں"

بشار نے یہ گفتگو سنی تو کہا، "ابا جان، یہ لوگ ایک شعر کے بارے میں میری شکایت کر رہے ہیں، میں چھپاتا نہیں، آپ کو اور سارے گھر کو کہیے تو سنا دوں؟ رہی شکایت سوان سے کہ دیجیے کیا خدا خود نہیں فرماتا ہے؟"

لیس علی الاعلیٰ ح ح ج !

جب لوگ پھر شکایت کرنے آئے تو برد نے وہی کہہ دیا جو بشار نے کہا تھا۔ وہ واپس چلے گئے، آپس میں کہنے لگے "برد کی باتیں تو بشار کے شعر سے بھی زیادہ بے نیکی ہوتی ہیں۔"

محمد بن حجاج کہتے ہیں، ہم ایک دفعہ بشار کے پاس بیٹھے تھے، اتنے

میں ایک آدمی آیا اس نے کسی کے مکان کا پتہ پوچھا، بشار اسے سمجھانے لگا، لیکن اس کی سمجھ میں خاک نہ آیا، بشار نے اس کا ہاتھ پکڑا، اور منزل مقصود پر لے جا کے کھڑا کر دیا، اس نے کہا۔

”آنکھ والے کو اندھا راہ بتا رہا ہے، کیا تمہیں شرم نہیں آتی، جس شخص کی رہ نمائی اندھے کریں اس کی گم راہی میں کیا شاک ہو سکتا ہے!“

دروازے پر پہنچ کر بشار نے اس آدمی سے کہا، ”اندھے یہ ہے، وہ مکان!“

(۱۱۸) شاعر خلیفہ کی پناہ میں!

نصر بن عبدالرحمن العجلی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بشار نے روح بن حاتم کی ہجو لکھی، جو اس تک پہنچ گئی۔ اس نے دھکی دی، بشار نے دھکی جو سنی تو کہا۔

”مجھے ابو خلف دھکی دیتا ہے، حالانکہ وہ اپنی زیادتیوں کو بھولا ہوا ہے، وہ ابو صفر کی تلوار سے دھکی دیتا ہے، جو انگلی بھی نہیں کاٹ سکتی“

روح تک یہ نئی ہجو پہنچ گئی، اس نے پھر کر کہا، ”میرے پاس جو مال و دولت ہے وہ سب صدقے کر دوں گا اگر میں بشار کو دیکھ پاؤں اور اسے تلوار سے نہ ماروں خواہ وہ خلیفہ ہی کے سامنے کیوں نہ ہو؟“

جب بشار کو یہ حال معلوم ہوا تو حضرت گھبرائے ہوئے خلیفہ ہمدی کے پاس پہنچے، اس نے پوچھا، ”کیوں اس وقت کیوں کر آنا ہوا؟“

خلیفہ سے بشار نے سارا ماجرا کہہ دیا، اور اس سے پناہ مانگی۔ خلیفہ نے نصیر کو حکم دیا، "جاؤ، روح کو اسی وقت حاضر کرو" قاصد چلپلاتی دھوپ میں بھیجا گیا۔ روح محلہ مخرم میں رہتا تھا اس وقت کی طلبی سے اس نے اور اس کے گھر والوں نے خیال کیا شاید کہیں کی گورنری عطا ہوگی، فوراً حاضر ہوا۔ روح سے خلیفہ نے کہا، "روح! میں نے تمہیں ایک خاص ضرورت سے بلایا ہے"

"امیر المؤمنین! میں آپ کا خانہ زاد ہوں ارشاد فرمائیے، البتہ بشار

کا معاملہ نہ ہو، اس کے لیے میں قسم کھا چکا ہوں"

"مجھے معلوم ہے، لیکن میں نے تو اسی لیے بلایا ہے"

"تو امیر المؤمنین! میری قسم کا کوئی حل نکالیے"

فوراً قضاة اور فقہا حاضر کیے گئے، مسئلہ پیش ہوا، سب نے اس پر

اتفاق کیا کہ روح بشار کے جسم پر تلوار کی پشت سے ضرب لگائے۔

بشار پردے کے پیچھے بیٹھا تھا، باہر بلایا گیا اور روح کے سامنے

بٹھا دیا گیا، روح نے تلوار ٹھینچی اور اس کے جسم پر تلوار کی پشت سے

ایک ہلکی سی ضرب لگائی۔

بشار ہائے دائے کرنے لگا، مہدی بہت ہنسا، اس نے کہا۔

کم بخت یہ تو تلوار کی پشت تھی، اور اگر دھار کی طرف سے وار ہوتا تو؟

(۱۱۹) بچو نامہ !

عیسیٰ بن اسمعیل بن محمد سلام سے روایت کرتے ہیں، بشار کے

پاس بنی زید کا ایک شریف آدمی ٹھہرا ہوا تھا، میں اس کا نام لینا نہیں چاہتا اس نے بشار سے کہا، "تم نے ہمارے غلاموں کو ورغلا رکھا ہے، تم انہیں ہم سے بغاوت اور سرکشی کی تعلیم دیتے ہو، تم چاہتے ہو، وہ اپنی سابقہ حالت پر عود کر آئیں، اور ہمارا تعلق ترک کر دیں، حالانکہ خود تمہارا یہ حال ہے کہ تم بد ذات ہو، تمہاری اصل مجہول ہے" بشار نے اس سے کہا، "خدا کی قسم میری اصل سونے سے زیادہ گراں بہا ہے۔ میری ذات پر ہیزگاروں سے زیادہ پاک ہے۔ اس زمین پر کوئی کتابھی ایسا نہیں ہے جو تجھے اپنی طنز منسوب کرے، اور اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیری اس بکو اس کا جواب میں زبانِ شعر سے دوں، تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں، اچھی بات کل مرید کی رہی، وہ آدمی اپنے گھر واپس گیا، راستے بھرا سے یہ فکر داس گیر رہی کہ بشار کل مرید میں لے گا اور اظہارِ تفاعل کرے گا۔

دوسرے دن وہ آدمی مرید جانے کے ارادے سے باہر نکلا، اتنے میں پاس سے ایک آدمی گاتا ہوا گزرا:-

"شہدت علی الزیدی ان....."

اس نے راہ گیر سے پوچھا، "یہ کس کا کلام ہے؟"

"بشار نے آپ کی شان میں کہا ہے،"

یہ سنتے ہی وہ اپنی قیام گاہ پر واپس گیا، اور کبھی اس نے پھر مرید کا رخ نہ کیا، یہاں تک کہ مر گیا۔

ابن سلام کہتے ہیں ایک روز کوئی آدمی یہ قصیدہ لطف لے لے کر

لے مرید بصرے کو کہتے ہیں، اور اس مقام کو بھی جہاں رہا جائے، اور اس جگہ کو بھی جہاں اونٹ کا بازار لگے۔

پڑھ رہا تھا۔

"میں نے بنی زید کو پرکھا، نہ ان کے بزرگوں میں عقل پائی،
نہ ان کے چھوٹوں میں پاکیزگی!

بنی زید کو خبر پہنچا دو اور ان کے سرداروں سے کہ دو،
اگرچہ ان میں عزت کے قابل سردار پائے نہیں جاتے۔
بدبختو! میرے قصائد بجلی کی طرح ہیں، جو فلک پہا بھی
ہیں اور زمین گیر بھی۔

کیا یہ حقیقت ہو کہ وہ کسی کینے سے اجتناب نہیں کرتے،
کسی بھلائی کے کام کو پسند نہیں کرتے، حالانکہ بھلائی تو ایسی
چیز ہے جسے اختیار کیا جانا چاہیے۔

وہ میری سعی کے نتائج دیکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ
آسمان کے تاروں سے بھی پرے ہیں۔

بنی زید کے بارے میں جیسا معرب نے کہا ہے تو بھی وہی
کہ دے، یعنی وہ پھینا لگانے والے کے شیشے کے گلاس ہیں
جو کل ہی ٹوٹ جائیں گے"

یونس نے پڑھنے والے سے پوچھا، "ارے یہ کیا بک رہے ہو؟

کس نے اس شیطان (بشار) کو بنی زید پر برا لکھتے کر دیا؟"
پڑھنے والے نے اس آدمی کا نام لیا، جس سے بشار کی بات چیت
ہوئی تھی۔

یونس نے کہا، "کبھی کبھی کوئی بے وقوف آدمی اپنی قوم کے لیے
بڑی بڑی بُرائیوں کا سبب بن جاتا ہے"

(۱۲۰) عبرت ناک انجام

علی بن محمد النوفلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بشار خلیفہ مہدی اور اس کے وزیر یعقوب بن داؤد کے حضور میں حاضر ہوا، اس نے خلیفہ کی بھی مدح کی، اور وزیر کی بھی۔ یعقوب نے نہ کوئی توجیہ کی، نہ کوئی عیب دیا۔ ایک مرتبہ یعقوب گھر جاتے ہوئے بشار کے پاس سے گزرا، بشار نے اسے دیکھتے ہی چیخ کر کہا:-

طال السواء علی دسوم المنزل!

”اس ڈیوڑھی پر ڈیرہ جمائے بہت مدت گزر چکی“

یعقوب نے چھتے ہی کہا:-

فاذ آتشاء ابو معاذ فارحل!

”جانا چاہتے ہو تو جاؤ روکا کس نے ہو؟“

اب تو بشار میں تاب نہ رہی، غصے میں اس نے ایک ہجو کہہ ہی تو ڈالی:-

”اے ہنوا مید، جاگو، خواب غفلت کو مدت گزر چکی، اب خلافت

یعقوب بن داؤد کے ہاتھ میں ہے۔“

اے قوم تیری خلافت تو ختم ہو گئی، اب تو خلیفہ کو شراب اور

سازگی کے مرکبوں پر ڈھونڈھ۔“

نوفلی کہتے ہیں، جب بشار کو بے نیل مرام یعقوب کے درِ دولت پر

بہت دن گزر گئے، تو ایک روز وہ اس کے پاس گیا۔ بشار کی عادت تھی،

جب وہ شعر پڑھنے یا بات کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو اپنے بازوؤں کی طرف

منہ کر کے کھکھار کرتا تھا، ایک ہاتھ سے دوسرے پر تالی مارتا تھا، اس نے یہ کیا،
پھر حسبِ ذیل اشعار پڑھے :-

” اے یعقوب! سائل اور محتاج تیرے پاس شام کے وقت
آتے ہیں، جو تجھ سے اس بخشش میں سے طلب کرتے ہیں،
جو تو دیتا ہے۔“

تو نے انھیں پلایا اور میرے بارے میں تو نے یہ خیال
کیا کہ میں سونف کا پودا ہوں، جو بغیر سیراب کیے ہوئے کسان
کے لیے اُگ آتا ہے۔

صبر کر اور اطمینان سے کام لے، بلاشبہ میں خوش بؤدار
پھول ہوں، اسے سونگھ، اور پانی کے بھرے ہوئے ڈولوں
سے سیراب کر۔

تیرے در پر ڈیرہ جمائے بہت مدت گزر گئی، یہاں تک
کہ بال کھچڑھی ہو گئے، اب ان پر خضاب لگانے کا حکم دے!
زیادہ دودھ دینے والا جانور خوب دودھ دیتا ہے، اور
جب وہ دودھ کم دینے لگتا ہے یا دھنسنے نہیں دیتا تو ملامت
دھنسنے والے کو کی جاتی ہے۔“

یعقوب نے یہ اشعار سنے اور اب بھی ملتفت نہ ہوا، بشارتِ غضب
میں بصرے واپس چلا گیا۔ جب مہدی بصرے میں آیا، تو اس نے لوگوں کو
انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا، اور شعرا کو بھی نوازا، اور یہ سب داد و بخشش
یعقوب ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ اس دفعہ بھی اس نے بشارت کو کچھ نہ دیا، اب
بشاریونس نحوی کے حلقے میں آیا، کہنے لگا، ”یہاں کوئی ایسا تو نہیں ہے جو

لگائی بٹھائی کرتا ہو؟" جواب ملا "نہیں! پھر اس نے مہدی کی ہجو میں کچھ شعر پڑھے، حلقے والوں نے فوراً یہ بات یعقوب تک پہنچادی۔

یعقوب مہدی کے پاس آیا، اس نے کہا۔

"یا امیر المؤمنین! اس اندھے، لمحد، زندیق نے آپ کی ہجو کی ہے"

"وہ کیا ہے؟"

"ایسی ہجو جسے نہ میری زبان دہرا سکتی ہے، نہ میرا خیال سوچ سکتا ہے"

"تھیں میری قسم، کہو تو!"

"خدا کی قسم اگر ان اشعار کے دہرا بنے اور میری گردن اڑا دینے میں سے کسی کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں اسے گوارا کروں گا کہ میری گردن اڑادی جائے، لیکن اسے نہیں پسند کروں گا کہ ان اشعار کو دہراؤں"

پھر خلیفہ مہدی نے یعقوب کو بڑی کڑی قسم دی اور اصرار کیا، کہ بشار کی ہجو سنائے، تو اس نے کہا

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ان الفاظ کو میں زبان پر لاؤں، ہاں لکھے دیتا ہوں"

یہ کہہ کے یعقوب نے بشار کے ہجو یہ اشعار ایک کاغذ پر لکھے، اور مہدی کی طرف بڑھا دیے۔ غصے کے مارے خلیفہ تلملا اٹھا، فوراً اس نے بسرے کے کوچ کا ارادہ کیا، وہاں جانے کا مقصد یہ ہجو بشار کی سرکوبی کے کچھ نہ تھا۔

خلیفہ چل پڑا، جب بلیچ پہنچا تو اس نے سنا، ٹھیک دو پہر کے وقت

(اس صحنے کا نوٹ ص ۳۵۳ پر ملاحظہ ہو)

کوئی شخص اذان دے رہا ہے، خلیفہ نے کہا:-

”دیکھو یہ کون ناواقف اذان دے رہا ہے؟“

معلوم ہوا، بشار نشے میں مدہوش اذان دیے چلا جا رہا ہے، خلیفہ نے

اس سے کہا:-

”اگر تیرے سوا کوئی اور ہوتا تو مجھے تعجب ہوتا، اب تو اذان کے ساتھ بھی مذاق کرنے لگا، وہ بھی اس حالت میں کہ نشے سے چوڑا ہے؟“ پھر اس نے ابن نہیک بلایا اور حکم دیا کہ بشار کے کوڑے لگائے۔ ابن نہیک نے خلیفہ کے سامنے کشتی پر ایسے ستر کوڑے لگائے کہ وہ ختم ہی ہو گیا۔

کوڑے کی تکلیف سے بشار بے تاب ہو کر چیخا اور کہتا، آہ! اُنٹ، بعض لوگوں نے کہا، ”یا امیر المؤمنین، اس شخص کے زندقہ کو دیکھیے اس تکلیف کے وقت بھی یہ ”بسم اللہ“ نہیں کہتا۔

بشار نے کہا، ”کم سخنو کیا یہ کھانا ہے، ہو بسم اللہ سے شروع کروں؟“ ایک شخص بولا، ”الحمد للہ“ ہی کہا ہوتا۔

بشار نے کہا، ”یہ کون سی نعمت ہے جس پر میں اللہ کی تعریف کروں؟“ جب ستر کوڑے پڑ لیے تو اس پر موت کی کیفیت طاری ہو گئی، اسے کشتی ہی میں پڑا رہنے دیا گیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا، پھر اسے بطیم میں ڈال دیا۔

بشار کے بعض عزیزوں نے اس کی لاش نکالی، اور بصرے لے جا

(ص ۳۵۳ کا نوٹ)، بطیم ایک دریا کا نام ہے، جو واسط اور بصرے کے مابین بہتا ہے،

بہت بڑا دریا ہے، جس کا کوئی اور چھوڑ نہیں۔

کر دفن کر دی۔ جب بشار مر گیا، اور اس کی خبر وفات پھیل گئی، تو اہل بصرہ نے خوشیاں منائیں، ایک دوسرے کو مبارک باد دی، اللہ کی حمد کی صدقہ دیا کہ اس کی بدزبانی سے نجات مل گئی۔

(۱۲۱) عمرو بن معاویہ اور امیر سلیمان

طارق بن مبارک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عبد قاصد آیا، اس نے مجھ سے کہا، "آپ کو عمرو نے پیام بھیجا ہے کہ موجودہ عہد حکومت کا جب آغاز ہوا تو میں نوجوان تھا ساتھ ہی ساتھ کثیر العیال بھی۔ مالی حالت بہت کم زور تھی، حالت یہ ہے کہ کسی قبیلے میں بھی کچھ روز ٹھہرنا ہوں کہ میری حالت مشہور ہو جاتی ہے اور میں نکو بن جاتا ہوں، اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ عزت نفس کو قرباں کر دوں چنانچہ اب میں امیر سلیمان بن علی کے در دولت پر جانے کا قصد کر رہا ہوں آپ ذرا میرے پاس ہو جائیے"

میں قاصد کے ساتھ ہولیا، میں نے دیکھا، وہ ایک اعلیٰ درجے کی سفید پادری سے بیٹھا ہے، جس پر مونہوں کی جھال لگی ہوئی تھی۔ پاجامہ بھی اچھے کپڑے کا تھا، جو ٹخنوں تک لٹک رہا تھا، میں نے کہا، "سبحان اللہ! یہ نوجوانی بھی کیا کیا گل کھلاتی ہے۔ اسی لباس سے تم ان لوگوں سے ملو گے جن سے ملنا چاہتے ہو؟" اس نے جواب دیا، "خدا کی قسم میرے پاس جو بھی کپڑے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ اچھے ہیں" میں نے اپنی پادری سے دے دی، اور اس کی خودے لی، پاجامہ میں نے اس کے گھٹنے تک چڑھا دیا،

پھر وہ امیر کے پاس گیا، واپس آیا تو بہت خوش تھا، میں نے کہا، کہو تمہارے
 اور امیر کے مابین کیا گزری؟“

اس نے جواب دیا، ”میں امیر کے پاس گیا، حالانکہ ہم دونوں نے
 ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا تھا، میں نے کہا، ”خدا امیر کا بھلا کرے،
 میرے دیار نے مجھے آپ کے قدموں پر لاپھینکا ہے۔ آپ کے فضل نے
 میری آپ کی طرف رہ نہائی کی ہے۔ اب یا تو مجھے اس طرح قبول فرمائیے کہ
 میں کام یاب و کام گار ہو جاؤں، اور یا پھر صحیح سلامت واپس کر دیجیے“

امیر نے کہا، ”تم ہو کون؟“ میں نے اس سے اپنا نسب بیان کیا، اس نے
 کہا، ”مر جا مر جا! آئیے بیٹھے! اطمینان سے باتیں کیجیے“ پھر وہ میری طرف
 متوجہ ہوا، اور کہا، ”اگر میرے بھتیجے بتاؤ میں تمہاری کیا حاجت روائی
 کر سکتا ہوں؟“ میں نے عرض کیا جن عورتوں سے آپ دنیا میں ہمارے
 ساتھ سب سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں اور ہمارے بعد جن کے لیے سب
 سے بہتر آپ ہیں، وہ ہماری مصیبت کے بسبب خوف زدہ ہو رہی ہیں، جو
 خوف زدہ ہوتا ہے اس کی دل جوئی کی جاتی ہے، خدا کی قسم، امیر کا جواب اس
 کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس کے زخاں آسودوں سے تر ہو رہے تھے، پھر اس نے
 مجھ سے کہا، ”اگر ابنِ اخی خدا تمہاری جان کی نگہ بانی کرے، تمہیں مال مال کر
 دے، خدا کی قسم اگر ممکن ہوتا تو میں تمہاری ساری قوم کے ساتھ بہت کچھ
 کرتا۔ اب تم اس طرح چھپ جاؤ کہ گویا ظاہر ہو، اس طرح اس سے رہو گویا
 خوف زدہ ہو، اور مجھ سے خط کتابت رکھو،“

عمر نے کہا، اب میں امیر کو اس طرح خط لکھوں گا، جیسے کوئی اپنے
 باپ یا چچا کو لکھے

جب عمر واپنی باتیں ختم کر چکا، میں نے اس کی چادر واپس کر دی اس نے کہا، ”خبردار، ہمارے کپڑے جب ہم سے جدا ہوتے ہیں تو ہمارے پاس واپس نہیں آتے۔“

(۱۲۲) ایک مسخرا!

ابو مسلمہ غفاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، اہل مدنیہ کی ایک جماعت کے ساتھ میں خلیفہ مہدی کے حضور میں حاضر ہوا، اس جماعت میں یوسف بن موہب بھی تھا جو بنی ہاشم میں سے تھا۔ ہمارے ساتھ ابن ہریرہ بھی تھا۔ ہم مہدی کے لشکر میں ایک مسجد کی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے، جس پر ابھی چھت نہیں پڑی تھی، یہاں برابر ہماری دزرا اور امرا سلطان سے بھینٹ ہو کر تھی، وہ لوگ بھی ہمیں پہچان گئے تھے۔ اتنے میں دکان کے قریب ایک آدمی دکھائی دیا، جس کے پاس نَشک حلوا رکھا ہوا تھا جسے وہ شدید جاڑے میں بیچا کرتا تھا۔ اسے وہ چھری سے کاٹتا تھا تو اس کی پیٹریاں ادھر ادھر گرتی تھیں۔

ابن ہریرہ ہماری طرف متوجہ ہوا، اور یوسف سے کہا، ”اے ابن عم رسول اللہ آپ کے پاس کچھ درہم ہوں تو ہم بھی اس حلوے میں سے کچھ کھائیں“ انہوں نے کہا، ”تم نے کب مجھ سے کہا تھا کہ میں درہم لے کے چلوں؟“ میں نے کہا، ”میرے پاس ہیں“ میں نے اسے چند سکتے دیے، ابن ہریرہ نے اس رقم سے حلوا خریدا، طشتی میں بہت سالے آیا، وہ اکیلا اکیلا کھا

۱۰ نسبت ہو قبیلہ بنی غفار کی طرف حضرت ابو ذر غفاری بھی اسی قبیلے سے تھے۔

لگا۔ کھانا جاتا تھا، یاتیں کرتا جاتا اور تہیہ لگاتا تھا۔ اسی شتائیں وزیر ابو عبداللہ یا یعقوب بن داؤد کی سواری گزری جو ادھر ہی آرہی تھی، ہم نے کہا، ”کم بخت یہ کیا کر رہا ہے؟ یہ وزیر اور اس کے ساتھی ادھر ہی آرہے ہیں، جلوے کو ہمارے سامنے دیکھیں گے تو یہی خیال کریں گے ہم اسے کھا رہے ہیں“

ابن ہرثمہ نے یوسف بن موہب سے کہا، ”اس ٹولی میں آپ سے زیادہ اسے چھپانے کا کوئی سزاوار نہیں ہے، اس مصیبت کو آپ اپنے سر لیجیے، اور اسے اپنے پاس رکھ لیجیے“ انہوں نے کہا، ”خدا تجھے غارت کرے، ہٹ دوڑ ہو“ پھر اس نے کہا، ”اچھا ابن ابی ذر، تم؟“ میں نے بھی ڈانٹ بتائی۔

پھر اس نے کہا، ”یہ مہم میرے سوا کسی سے سرنہ ہوگی، طبع اپنے ہاتھ میں لے کر اٹھالیا، اور سواری کے پاس کھڑا ہو گیا، جو شخص بھی ذرا معزز اور ممتاز ادھر سے گزرتا وہ اس سے چھیڑ خانی کرنے لگتا۔ یہاں تک کہ سواری کا سارا جلوس گزر گیا۔“

(۱۲۳) ابن ہرثمہ اور محمد بن عمران

عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے لئے صاحب خزائنۃ الادب کی روایت ہے کہ ابن حرمہ مشہور میں تولد ہوا، اور خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں وفات پائی، اس نے دو مختلف خاندانوں کو برسر حکومت دیکھا، پہلے اس نے ولید بن یزید کی مدح کی، پھر ابو جعفر منصور کی۔

ابن ہرثمہ ان شعراءِ آخرین میں سے ہے جن کے کلام سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۵۹ پر)

چچا عمران بن عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمن بن عوف نے حکایت کی، مدت
 گزر گئی، ایک سال ہم نے حج کیا، میں سیالہ میں تھا کہ ابراہیم بن علی ابن ہریرہ
 ہمارے پاس آیا، اس نے میرے بھائی محمد بن عبدالعزیز سے اذن باریابی
 طلب کیا۔ انہوں نے اجازت دے دی، وہ ان کے پاس گیا، کہنے لگا، "او
 ابو عبداللہ کچھ پُر لطف باتیں سناؤں؟" انہوں نے کہا، "ابو اسحق ضرور سناؤ،
 یہ تو تم اکثر کیا کرتے ہو؟" اس نے کہا، "کچھ عرصہ ہو اس جگہ ہمارے پاس
 چند دن تک محمد بن عمران اور اسمعیل بن عبداللہ بن جبیر ٹھہرے۔ ابن عمران
 کے پاس دو اونٹ تھے جو زرا لنگڑے تھے، اتنے میں اس کا قصد میرے
 پاس آیا، اس نے آواز دی، میں باہر نکلا۔ اس نے کہا، "آقا نے آپ کو بلایا
 ہے، میں اس کے ساتھ چلا گیا، ابن عمران نے مجھ ان دونوں اونٹوں کے
 لنگڑے کی کیفیت سے آگاہ کیا، اور کہا، "میں چاہتا ہوں عمیق میں کسی
 آدمی کو بھیج کر اپنے اچھے اونٹ منگواؤں۔ اگر وہ یہاں پہنچ جائیں تو میں آسانی
 سے اپنا سفر پورا کر لوں، اور ان لنگڑے اونٹوں کو واپس کر دوں، آپ اپنے
 گھر میں ہمیں جگہ دیجیے، ہمارے لیے چارہ خرید دیجیے، جہاں تک ہو سکے
 نرم چارہ خریدیے گا ہم یہاں اس وقت تک مقیم رہیں گے جب تک ہمارے
 اونٹ نہ آجائیں" میں نے کہا، "بہ سرو چشم تشریف رکھیے، گھر آپ کا ہے۔"
 (ص ۳۵۵ کا بقیہ نوٹ)، سند لائی جاتی ہے، مسور بن عبدالملک مخرومی شعروندیب کا بڑا

عالم تھا، وہ ابن حرم کے کلام کی تنقیص کیا کرتا تھا۔

۱۰ سیالہ۔ اہل مدینہ جب کتے جاتے ہیں تو راستے میں یہ پہلی منزل پڑتی ہے۔

۱۱ محمد بن عمران، ابن ابراہیم، بن محمد بن طلحہ۔

۱۲ چند موضوعات کے نام۔

اور جناب آپ کی بیوی کو طلاق اگر آپ میرے ہاں کے دورانِ قیام میں ایک تینکا بھی خریدیں " میں نے اسے اپنے ہاں اُتارا، اور خود میں بازار چلا گیا، وہاں جا کر میں نے دودھ اور اچھی اچھی چیزیں خریدیں، پھر میں نے وہ سامان مع ایک مرغ کے جو ہمارے ہاں پلا ہوا تھا اس کے پاس بھیج دیا۔

اس دوران میں کہ میں بازار میں گھوم رہا تھا، میرے پاس اسمعیل بن عبداللہ کا غلام آکر کھڑا ہو گیا، اور میرے پاس چارے کی جو گٹھری تھی، اس کا بھاؤ تاؤ کرنے لگا۔ مجھ سے اس نے دس درہم کے بدلے میں چارے کی گٹھری لے لی، اور چلا گیا۔ چارے کا گٹھر اپنی پیٹھ پر ڈالا اور چل دیا، شام کو میں اس کے پاس تقاضے کے لیے پہنچا، مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اسمعیل بن عبداللہ کا غلام ہے۔ جب مجھے اس کے آقائے دیکھا تو میرا خیر مقدم کیا، مرحبا کہا، اور کہا، "ابو اسحق کوئی حاجت ہے؟" غلام نے اسے بتایا کہ چارا میرا تھا، اس نے مجھے اپنے پاس بٹھایا میں اس دن اسی کے پاس رہا، پھر اس نے حکم دیا کہ ہر درہم کے بجائے مجھے دینار دیا جائے، اس کے ساتھ اس کی بیوی، فاطمہ بنتِ عباد بھی تھی، اس نے بھی مجھے پانچ دینار بھیجے۔

بعد ازاں وہ لوگ چلے گئے، میں بھی دینار لے کر چلا آیا، یہاں آکر میں نے اپنا قرض اُتارا۔ میں نے خیال کیا ابنِ عمران بھی مجھے ایسا ہی نوازے گا، وہ تین دن ہمارے پاس ٹھہرا، اس کے دونوں اؤنٹ بھی آگئے، لیکن اس نے میرے ساتھ کوئی سلوک نہیں کیا۔ اس اشنا میں کہ وہ رختِ سفر باندھ رہا تھا، شاید دل میں میرے لیے کچھ سوچا، پھر اس نے اپنے غلام سے کچھ کہا، جو اس کی بات نہ سمجھ سکا، اب وہ میری طرف مخاطب ہوا اور کہا، "جب تک تم یہاں بیٹھے ہو میں اسے دل کی بات نہیں سمجھا سکتا،

خُدا کی قسم تم مجھے تکلیف دے رہے ہو اور جو کچھ میں چاہتا ہوں اس سے روک رہے ہو۔“

یہ سن کر میں غم و غصے کی حالت میں اٹھا، دروازے تک پہنچا تھا کہ ایک آدمی سے مڈ بھینٹ ہوئی، اس نے پوچھا، کہو کچھ ملا؟ میں نے کہا، ”خُدا کی قسم یہ اچھا ہوا، مال گیا جان تو سلامت رہی۔“

ہم دونوں باتیں کر رہے تھے کہ ابن عمران برآمد ہوا، اور آتے ہی میرے اذپر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ خُدا کی قسم ابو عبد اللہ اس نے کوئی قسم لگا نہ رکھا، وہ اگر احرام بند نہ ہوتا تو واللہ مجھے مارتا بھی، وہ چلا گیا، اور اس نے مجھے ایک درہم بھی نہیں دیا میں نے کہا:-

”اے وہ شخص، جو اس جہان کی مدد کرتا ہے، جو ہمارے ہاں

اُترا، جو نہ دین دار ہے نہ صاحبِ کرم و سخا۔

وہ میرے پاس تین دن ٹھہرا، میں اس کی ذلیل حرکتوں سے برابر چشم پوشی کرتا رہا۔

نکلے کی مسافت تو صرف دس دن ہے، جو کچھ زیادہ شکل بھی نہیں، لیکن تو نے وہاں پیچھے پیچھے ایک مہینہ بیس دن لگا دیے۔

تو حج کے فوت ہو جانے کی پروا نہیں کرتا اگر چہ تنگ جائے سانڈنی اور موٹا کر دے تو دو ڈبلے اڈنٹوں کو۔

لوگ تیرے جو دو سخا کی باتیں کرتے ہیں، ان جہانوں پر افسوس، جو سکین بنتے ہیں۔

تو ابو سلیمان کی جمع جتھا جمع کرنے لگا، جو خزانہ تارو۔

کی طرح ہو

ابن عمران کی مثال اپنے آبا و اجداد کی سی ہو جو احسان کا
بذلو احسان فراموشی سے دیا کرتے تھے۔

(ابن ابنِ عمران) کیا تو اسمعیل کی طرح نہیں بن سکتا، جو
صاحبِ رائے ہو، عالیِ خاندان ہو، اور بھلائی کر کے بھول
جانے والا ہو۔

اچھا کیا تو اسمعیل کی بیوی کی طرح بھی نہیں بن سکتا،
اس شخص پر افسوس جس کی ماں ذات النطاقین ہو۔

جب اس نے یہ اشعار پڑھے تو محمد بن عبدالعزیز نے کہا: "ابو اسحق،
ہم تمھاری مدد تمھارے اس قول "اور مدد کرنے والے" کی بنیاد پر کریں گے"
اس نے کہا، "خدا اس امداد کے صلے میں آپ کو مدارجِ بلند پر فائز کرے
میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ عبداللہ بن خزیرہ اور طلحہ کے سے دو پہلوں
ابنِ عمران کو مضبوطی سے پکڑے ہوں، میرے ہاتھوں میں سلم کی چھڑی
ہو، اور میں مارتے مارتے اس کی کوکھ اور گھر کو لہو لہان کر دوں"

جب ابنِ ہریمہ اپنے اس مصرعہ

مثل ابنِ عمران آباء له سلفوا

تک پہنچا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا، اور کہا، "اللہ سے توبہ اور آپ سے
معذرت کرتا ہوں، میری مراد اس کے آبا کے ذکر سے طلحہ بن عبداللہ
کی ذات نہیں ہو۔"

ابنِ ہریمہ ہمارے پاس بیٹھا تھا کہ اسمعیل بن جعفر اس کے پاس

لے ایک درخت!

آئے۔ انھوں نے اس سے بات تو کی نہیں، اس کی ناک پر ایک گھونٹہ جڑ دیا، اور کہا، "کیوں بے حرامی، کیا تو نے ابن عمران کے جد ابو سلیمان محمد بن طلحہ کو عیب لگا بنے کی جرأت کی؟" آخر ہم نے بیچ بچاؤ کر دیا۔ ہم لوگ ان ہی لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ محمد بن طلحہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق کا قاصد ابن ہریرہ کے پاس آیا، اسے پکارا اور اپنے ساتھ چلنے کی ہدایت کی، وہ اس کے ساتھ ہولیا۔ محمد نے اس سے کہا، "مجھے معلوم ہوا ہے تم نے ابو سلیمان کی بھوکے ہر، خدا کی قسم میں راضی نہ ہوں گا جب تک تم قسم نہ کھاؤ کہ اب کبھی اس کی بھوکے نہ کرو گے۔ اس کا ذکر کرو گے تو اچھائی سے، اور جب ملو گے تو دوستانہ طور پر۔ جو کچھ اس کی بھوکے چکے ہو اس کی تلافی کرو اور اس کی مدح کرو"

اس نے کہا، "بڑی خوشی سے میں ایسا کروں گا" پھر فرمایا، "المعلیل بن جعفر سے ہمیشہ اچھی طرح پیش آنا، اس نے کہا، "بہت خوب" پھر محمد نے اس سے قسم لی اور تیس دینار دیے، محمد بن عبد العزیز نے بھی اتنی ہی رقم دی، پھر ابن ہریرہ نے محمد بن عمران کی مدح لکھی۔

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سچی بات نجات دہتی ہے، اور جھوٹی بات بولنے والے کو کبھی فائدہ نہیں پہنچتا۔

تو نے ایسے آدمی کی مذمت کی جس کی آبرؤ پر کبھی حرف نہیں آیا، کم ہیں جو اس اعزاز میں اس کی مشابہت کریں۔

حجاز میں کوئی صاحب شرف و امارۃ نوجوان ایسا

نہیں ہر جس سے ابنِ عمران بازی نزلے گیا ہو۔
 وہ ایسا نوجوان ہر جس کے صحنِ مکان میں بُرائی نہیں
 آئی، اور اس کی ملامت کرنے والوں کی رات بڑی تکلیف
 دہ ہوتی ہر

(۱۲۴) خوش گلو مغنیہ!

علم الوادی کہتے ہیں میں ایک روز یحییٰ بن خالد کے پاس گیا۔ یحییٰ نے
 مجھ سے کہا: ”ابو یحییٰ، میں تمہیں پانچ سو دینار دوں؟ کیا کہتے ہو؟“ میں نے کہا،
 ”گسِ صلے میں؟“ کہا، تم اپنا راگ

ذکر تک ان فاضلہات باد صنا

کی دُھن پر میری کنیز دنانیر کو سکھا دو، دیکھو بھائی قضیہ زمین بر سر زمین ایہ رہا
 سلام جو تمہارے پاس کھڑا ہے وہی دنانیر کو تمہارے پاس لے آئے گا۔ میں تو ذرا
 امیر المومنین کے پاس جا رہا ہوں، دربار سے واپسی ظہر تک نہیں ہوگی، اس
 عرصے میں دنانیر کو سکھا لو، اگر تم نے اسے اچھی طرح سکھا دیا، تو فوراً تمہیں پانچ
 سو دینار مل جائیں گے۔

دنانیر بولی، ”میرے آقا۔ ابو یحییٰ تو پانچ سو دینار لے گا اور چلتا بنے گا،
 میں تو آپ کے پاس ساری زندگی رہوں گی، پھر میں ابو یحییٰ نے کہا ”اچھا اگر تو اچھی طرح
 یاد کر لے گی تو تجھے ایک ہزار دینار ملیں گے، اس نے یہ کہا، اور چلا گیا۔

میں نے دنانیر سے کہا، ”میری سرکار اب ذرا راگ کی طرف متوجہ
 ہو جیے، اگر آپ نے اچھی طرح سیکھ لیا تو پانچ سو دینار مجھے ملیں گے اور ایک ہزار

آپ پائیں گی اور نہ سارا معاملہ سوخت ہو جائے گا“
 میں برابر دنیا نیر کو محنت اور توجہ سے سکھاتا رہا، یہاں تک کہ بیچی دربار
 سے واپس آگیا، اس نے آتے ہی پانی اور طشت مانگا، پھر مجھ سے کہا، ”ابو بیچی
 اپنا راگ سناؤ، جیسا تم سنا چکے ہو“ میں نے اپنے دل میں کہا ”اب تو میں
 بے موت مرا یہ ظالم مجھ سے سنے گا یہ کوئی ناواقف فن تو ہر نہیں جس سے
 کچھ چھپ سکے پھر وہی راگ دنیا نیر سے سنے گا، اور ظاہر ہے اسے پنہ نہیں
 کرے گا، میرے لیے گانا سنانے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔“

بیچی نے دنیا نیر سے کہا، ”اچھا تو سنا،“ اس نے سنا یا، وہ بولا، ”خدا
 کی قسم بہت خوب“ میں نے کہا، ”قرابت شوم، میں اس راگ کو
 پچاس برس سے چسرا ہوں، جیسے روٹی چبائی جاتی ہے اور اس نے دنیا نیر
 نے ابھی ایک گھنٹہ بوا سیکھا اور راگ اسی کا ہو گیا، وہ اس پر قادر ہو گئی،
 اس طرح کہ اور خوبیوں کے ساتھ خوش گلوئی کا اضافہ بھی اس میں شامل ہے۔“
 بیچی نے کہا، ”تم سچ کہتے ہو،“ پھر اس نے سلام کو حکم دیا کہ مجھے پانچ سو
 دینار اور دنیا نیر کو ایک ہزار دینار عطا کیے جائیں، اس نے تعمیل کی۔

دنیا نیر نے بیچی سے کہا، ”میں اپنے ایک ہزار دینار میں سے نصف
 اپنے استاد کو دینا چاہتی ہوں“ بیچی نے کہا، ”یہ تم جانو“ اس نے ایسا
 ہی کیا۔

میں وہاں سے اس طرح واپس ہوا کہ ایک ہزار دینار بھی میرے پاس

تھے۔

(۱۲۵) بدنام گورنر

ملاسنی کی روایت ہے کہ حمزہ بن عبداللہ بصرے کا گورنر ہو کر آیا، یہ سخی تھا، شجاع تھا، اور بڑا فتنہ انگیز بھی تھا، اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب بیسے پر آتا تو جو کچھ پاس ہوتا سب دے ڈالتا، کوئی چیز باقی نہ رہتی اور جب ہاتھ کھینچتا تو اس طرح کہ اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ ایک مرتبہ بصرے میں اسے اسی عادت کے سبب خفت اور شرمندگی اٹھانی پڑی۔

ایک روز وہ دریائے بصرہ کی طرف سے گزرا، اس نے وہاں کا منظر دیکھ کر کہا، لوگ اگر اس تالاب کی دیکھ بھال رکھیں تو گرمی کے موسم میں یہ ان کے لیے کافی ہو، کچھ عرصے کے بعد جب پھر اس کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے دیکھا دریا جزر کے عالم میں ہے۔ کہنے لگا آج میں اس کا جو رنگ دیکھتا ہوں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے موسم میں یہ پانی کنایت نہیں کرے گا۔ احنف نے اس سے کہا، یہ تو پانی ہے آتا ہے اور جاتا ہے اور پھر پلٹ آتا ہے۔ حمزہ نے بصرے کے ایک پہاڑ کی بابت کچھ سنا، اس نے اپنے عامل کو بلایا، اس سے کہا، "کسی کو بھیجو اس پہاڑ پر جائے اور خرچ وصول کر کے لائے" عامل نے جواب دیا، "یہ کوئی شہر تو ہے نہیں، جہاں سے خرچ وصول ہو" حمزہ نے پھر مردان شاہ کے پاس قاصد بھیجا اور اسے ابھارا کہ وہ خرچ وصول کر کے لائے، مردان شاہ نے اس کام کے انجام دینے میں شستی کی۔ حمزہ تلوار لے کر اٹھا اور اسے قتل کر دیا۔

۱۲۵ مردان شاہ بصرے کا ایک تاجر۔

اسنف نے حمزہ سے کہا، "یا امیر آپ کی تلوار کتنی تیز ہے؟"
ایک دفعہ حمزہ نے عبدالعزیز بن شیبہ بن خیاط کو گڑوں سے مارنے
کا ارادہ کیا، اس نے ابن زبیر کو اس بارے میں لکھا اور کہا، "اگر بصرہ"
تھیں اپنے پاس رکھنا ہے تو اپنے بیٹے کو وہاں سے ہٹالو، اور مصعب کو اس
کی جگہ مامور کر دو، انہوں نے ایسا ہی کیا۔

بعض شعرا نے حمزہ کی ہجو کی ہے، اور بصرے میں اس نے جس دریا کو
حالتِ جزر میں دیکھ کر اپنی رائے ظاہر کی تھی اس کی بھی!
" ابن زبیر تو نے حمزہ کو گورنر بنایا، کاش حمزہ اپس
عمان مامور ہوا ہوتا،

یہ دریائے دجلہ کی طرف سے گزرا، جب وہ چڑھاؤ پر تھا،
اس کا چڑھاؤ اپنے ذخیروں کو باہر نکال رہا تھا۔"

(۱۲۶) ہیمجڑوں کی زندہ دلی

مدینے کا امیر یحییٰ بن الحکم ایک مرتبہ کہیں جا رہا تھا، اس نے مسجد اجزا ب
کے پاس ایک ٹیکرے پر کسی شخص کو دیکھا، اس آدمی نے جب یحییٰ بن حکم کو
دیکھا تو بیٹھ گیا۔ یحییٰ کو کرید پیدا ہوئی، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، اسے
جا کر لے آؤ، وہ آدمی لایا گیا، معلوم ہوتا تھا کوئی عورت ہے، جو بھڑک دار
رنگین کپڑوں میں ملبوس ہے۔ کنگھی بھی کیے ہوئے ہے، اور ہاتھ پانوں میں
ہندی لگائے ہوئے ہے۔ یحییٰ سے اس کے ساتھیوں نے کہا، "یہ مشہور ہیمجڑ
ابن نقاش ہے۔"

بیچی نے اس سے کہا، "تم قرآن شریف میں سے کچھ پڑھ سکتے ہو؟
اچھا زرا ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھو تو؟" اُس نے کہا، "بابا، ان ماؤں
کو جانتا ہوتا تو ان کی بیٹیوں سے بھی واقف ہوتا۔" بیچی نے کہا، "تو قرآن
کی ہنسی اُڑاتا ہو؟ تیری ماں مرے "پھر اس کے حکم کے مطابق اس ہجرت
کی گردن اُڑادی گئی۔"

اس واقعے سے بیچی اتنا برہم ہوا کہ اس نے اعلان کر دیا، جو کوئی
ایک ہجرت لائے گا اسے تین سو درہم انعام ملیں گے۔
ایک ہجرتے زر جون کی روایت ہے کہ میں اس اعلان کے بعد عالیہ
جانے کے لیے باہر نکلا، اتنے میں نے دفن کی آواز سنی جس نے مجھے
اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ میں دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا، یہ جن لوگوں
کی آواز تھی انھیں میں جانتا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو
گیا۔ دیکھنا کیا ہوئے طویس کھڑا ہوا ہے، ہاتھ میں دفن ہو اور گارہا ہے، مجھے
جب دیکھا تو کہا، "کیوں میاں زر جون کچھ خبر بھی ہے؟ بیچی بن حکم نے ابن
نقاش کو قتل کر دیا؟" میں نے کہا، "ہاں مجھے معلوم ہے" اس نے کہا،
"اور یہ بھی کہ ہر ہجرتے کے لیے تین سو درہم مقرر ہوئے ہیں؟" "ہاں!"
میں نے کہا، طویس پھر کانے لگا:-

"اگر باب! تیرے اہل کیا ہوئے؟ وہ ترچھی نظروں سے

دیکھتے ہیں گویا وہ برہم ہیں۔

اگر میں تیرے گھر والوں سے ملاقات کرنے پا پیادہ جاتا

ہوں تو راستے میں گتے بھونکتے ہیں"

پھر اس نے مجھ سے کہا، "ارے کم سخت، میری تو کچھ زیادہ قیمت

مقرر ہونی چاہیے تھی، یحییٰ نے میرے فضل و کمال کی بنا پر بھی دوسرے ہجرتوں سے مجھے ممتاز نہ رکھا۔“

(۱۲۷) شاعر احوص اور محمد بن عباد

زبیر بن حبیب اپنے والد حبیب بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ہم محمد بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر کے ساتھ عمرے کی نیت سے نکلے۔ ہم قریب کے قریب پہنچ چکے تھے کہ مشہور شاعر احوص بھی آکر ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ وہ ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا، اس نے کہا، ”خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارا ساتھ کر دیا، میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارے علاوہ کسی اور کا ساتھ ہو۔ جب سے میں نے تمہارے نقش قدم دیکھے ہیں، انھی کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں۔ تم پر تو مجھے ایک طرح کا رشک آتا ہے“ محمد اس کی طرف متوجہ ہوئے، وہ ایک سنجیدہ آدمی تھے جو فضول باتوں اور گپ کرنے والوں سے اجتناب کرتے تھے۔ انھوں نے کہا، ”ہمیں تو تم پر رشک نہیں آتا، نہ ہم اسے پسند کرتے ہیں کہ تمہارے ساتھ سفر کریں جی چاہے ہم سے آگے نکل جاؤ، مرضی ہو ہمارے پیچھے آؤ، احوص نے یہ جواب سنا تو کہا، ”خدا کی قسم ایسا جواب میں نے کبھی نہیں سنا تھا“ انھوں نے کہا، ”اب تو سن لیا!“

محمد کا ادب کیا جاتا تھا، احوص نے جس طرح انھیں جواب دیا، ہم دہشت زدہ رہ گئے، ان کے ساتھ آل زبیر کے اور بھی متعدد افراد تھے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ ان کی بات دلکے سکے۔

احوص آگے بڑھ گیا، میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اس سے معذرت کروں۔ ہم نے مثلث پر خیمہ ام معبد کے پاس پڑا دیکھا، میں نے سنا احوص کچھ کھسک پھسک کر رہا ہے، "خیمتی ام معبد" محمدؐ گویا وہ کچھ قافیے تلاش کر رہا تھا۔ میں نے اپنے قافلے کو روک لیا، محمدؐ میرے پاس آئے، میں نے کہا، "احوص آپ کے لیے قافیے تلاش کر رہا ہے، ہمیں اجازت دیجیے کہ معذرت کر کے اسے راضی کر لیں، یا اگر حکم ہو تو ہم اس کی مرمت کر دیں، مرمت کرنے کے لیے اس سے اچھی جگہ نہیں ملے گی۔ انھوں نے فرمایا، "ہرگز نہیں، سعد بن مصعب نے احوص سے عہد لے لیا ہے کہ وہ کسی زبیری کی کبھی ہجو نہ کرے گا، اگر اس نے ایسی جرأت کی، تو مجھے یقین ہے خدا اُسے ذلیل کرے گا، چھوڑو، اسے!"

(۱۲۸) شاعر کی جلا وطنی

مصعب بن عثمان کہتے ہیں، احوص مدینے کی شریف عورتوں کی طرف اپنے اشعار میں گریز کیا کرتا تھا اس کے ان اشعار کو شہو گوئیے معبد اور مالک وغیرہ گایا کرتے تھے۔ اس طرح یہ اشعار عوام میں بہت جلد پھیل جاتے تھے۔ اسے ان حرکتوں سے منع کیا گیا لیکن وہ باز نہ آیا، آخر اس کی شکایت مدینے میں سلیمان بن عبد الملک کے گورنر تک پہنچی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ ماجرا سلیمان کو لکھ کر بھیج دیا جائے، اس نے ایسا ہی کیا، سلیمان نے اپنے گورنر کو لکھا کہ احوص کے سزا کوڑے لگائے جائیں۔

مثلث۔ ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مکہ معظمہ اور مدینے منورہ کے درمیان واقع ہے۔

لوگوں کے سامنے اس کی تشہیر کی جائے، پھر اُسے دہلک میں قید کر دیا جائے، گورنر نے ایسا ہی کیا۔

احوص سلیمان بن عبدالعزیز کی زندگی تک وہیں قید رہا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز برسر اقتدار ہوئے۔ احوص نے ان کی شان میں ایک قصیدہ لکھا، اور مدینے آنے کی اجازت طلب کی، انھوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ احوص نے انھیں لکھا تھا،

”اے سوار! اگر تو امیر المومنین تک پہنچے تو انھیں میرا سلام پہنچا دے۔“

جب تیری ملاقات ہو تو ابو حفص (حضرت عمر بن عبدالعزیز کی کنیت) سے کہنا، آپ سے تو لوگوں کو فائدہ ہی فائدہ پہنچتا ہے، نقصان کسے پہنچا ہے؟

آپ زندگی میں لذت اور لطف کس طرح محسوس کرتے ہیں جب کہ آپ کا ماموں رستیوں سے جکڑا ہوا ہے؟

چند انصاری حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے۔ انھوں نے احوص کے بارے میں آپ سے گفتگو کی اور درخواست کی کہ اسے مدینے آنے کی اجازت دے دی جائے۔ انھوں نے یہ بھی عرض کیا آپ جانتے ہیں احوص عالی خاندان شخص ہے، اس کی حیثیت اور شخصیت بھی آپ کے علم میں ہے، وہ اب مشرکوں کی سر زمین میں پڑا ہے دہلک بحرین میں ایک جزیرے کا نام ہے، جو بین اور حبشہ کے درمیان بہتا ہے۔ بنو امیہ کا جب کسی پر عتاب نازل ہوتا تھا تو اسے دہلک میں قید کر دیتے تھے۔

ہوا، ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ اسے حرمِ رسول میں اور اپنی قوم میں پھر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ حضرت نے ان لوگوں سے فرمایا، "وہ فاسق ہے، خدا کی قسم میں ہرگز اسے واپس نہیں آنے دوں گا، میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں ایسا کروں"

دہلک میں احوص حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ اقتدار تک قید رہا۔ یزید بن عبدالملک کے دور میں بھی شروع شروع وہ وہیں نظر بند رہا۔ ایک رات کوٹھے پر یزید بیٹھا ہوا تھا، سامنے اس کی کنیز جباہ تھی، وہ احوص کے اشعار گارہی تھی، یزید نے کنیز سے پوچھا:-

"یہ کس کے شعر ہیں؟"

"آپ کی جان کی قسم مجھے نہیں معلوم"

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی، یزید نے حکم دیا، ابن شہاب الزہری کو حاضر کیا جائے، شاید وہ جانتے ہوں یہ کس کے اشعار ہیں؟ راتوں رات ابن شہاب کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ وہ ہانپتے کاپتے یزید کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب وہ اوپر چڑھے، یزید نے کہا، "ڈرو مت، سب خیریت ہے، بیٹھو۔۔۔ ہاں یہ تو بتاؤ یہ اشعار کس کے ہیں؟"

"یا امیر المومنین احوص بن محمد کے"

"وہ کہاں ہے؟"

"عرصے سے دہلک میں قید ہے"

"مجھے تعجب ہے میں اس سے اب تک کیوں کر غافل رہا؟"

پھر یزید نے احوص کی فوری رہائی کا حکم صادر کیا، نیز اسے چار سو

دینار بھی مرحمت فرمائے۔

زہری اس رات اپنے گروہ انصار میں پہنچے اور یہ خوش خبری پہنچائی
کہ احوص رہا کر دیا گیا۔

(۱۲۹) بات کا بتنگڑ!

ابو اسحق ابراہیم بن ہمدی بیان کرتے ہیں، کہ اہل حجاز میں سے جو لوگ
ہمارے پاس آیا کرتے تھے ان میں دنیۃ المدنی بہت زیادہ مہذب تھے، وہ
عباسہ بنت ہمدی کے شیر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ابو سعید مولیٰ فائد محمد بن
عمران التیمی کی مجلس میں آئے۔ محمد کو ابو جعفر نے مدینے کا قاضی مقرر کیا تھا
وہ ابو سعید کا بہت احترام کرتے تھے۔ ابن عمران نے سعید سے پوچھا:-
”یہ شعر تمہارا ہے؟“

”میں نے سات مرتبہ طواف کیا، جب طواف پورے

کر چکا تو میں نے کہا، کاش مجھ پر نہ عذاب ہوتا نہ ثواب“

ابو سعید مولیٰ فائد ————— فائد مولیٰ عمرو بن عثمان بن عفان، اصل نام ابراہیم
ہی، لیکن شعرا کے حلقے میں ابن ابی سنتہ مولیٰ بنی امیہ کے نام سے مشہور تھے، اور
مغلیوں کے گروہ میں، ”ابو سعید مولیٰ فائد“ کے نام سے پکارے جاتے تھے بہت
بلند پرواز شاعر تھے، گاتے بھی بہت اچھے تھے، زہد و اتقا کا مادہ بھی کافی تھا،
ملاوہ ازبیر فاضل و کامل بھی تھے، مدینے میں ان کی گواہی معتبر مانی جاتی تھی، انصاف
پسند آدمی تھے، ہارون رشید کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔

بنو امیہ کے جن افراد کو، جہد اللہ اور داؤد بن جہد اللہ بن عباس نے قتل کیا

تھا، ان کے لیے بہت دردناک مرثیے انہوں نے لکھے تھے۔

ابوسعید نے جواب دیا، ”آپ کے پدر بزرگ وار کی قسم یہ میرا ہی شعر
 ہے، میں نے ہی اس میں الفاظ موتی کی طرح جڑے ہیں“
 بھری مجلس میں محمد بن عمران نے ابوسعید کی شہادت ماننے سے انکار
 کیا، ابوسعید بہت برہم ہو کر مجلس سے اٹھے، انھوں نے قسم کھالی کہ وہ اب
 ابن عمران کے ہاں اگر کبھی شہادت نہیں دیں گے۔ اہل مدینہ نے ابن
 عمران قاضی مدینہ کی اس روش کو بہت ناپسند کیا، کہ اس نے ابوسعید
 کی شہادت شاعر ہونے کے سبب نہیں مانی، انھوں نے ابن عمران سے
 کہا، ”آپ نے اس حرکت سے ہمارے حقوق برباد کر دیے، ہمارا مال تباہ
 کر دیا، ہم اس شخص کی گواہی دلاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ آپ اس کے
 بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔ آپ سے پہلے جو قاضی یہاں آئے وہ
 بھی اس کی ثقاہت کو مانتے تھے، اس کی عزت کرتے تھے، اس کی انصاف
 پندی کے قائل تھے“

یہ باتیں سن کر ابن عمران کو ندامت ہوئی، اس نے ابوسعید سے درخواست
 کی کہ وہ اس کی مجلس میں گواہی دیں، اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا، لیکن انھوں
 نے انکار کر دیا، اور کہا، ”اس قاضی کی مجلس میں اب میں نہیں جا سکتا میں
 نے نہ جانے کی قسم کھالی ہے، اب میں گیا تو عانت لے لوں گا۔“
 اس وقت کے بعد ابن عمران کی مجلس میں اگر کوئی شخص ابوسعید کو
 گواہی میں پیش کرتا تھا تو وہ خود ان کے گھر پر، یا مسجد میں جہاں وہ بیٹھتے
 تھے، جا کر ان کی گواہی سنتا تھا، جوہ لٹھچھنا ہوتا تھا، پڑھتا تھا۔ ابوسعید صاف
 صاف بات بتا دیتے تھے۔

لے یعنی قسم توڑنے کا کفارہ مجھ پر عائد ہوگا۔

محمد بن عمران موٹا تازہ آدمی تھا، تو ند نکلی ہوئی، موٹے موٹے سر میں چھوٹے چھوٹے پاتوں، پتلی پتلی پنڈلیاں، پیدوں چلنا، اس پر بہت گراں گزرتا تھا، اکثر کہا کرتا تھا، "لقد طفت سبعا" والے شعر کی پوچھ کچھ نے مجھے بہت تھکا دیا۔ بے انتہا اذیت اس کے سبب مجھے برداشت کرنی پڑی، میں ٹھہرا موٹا تازہ آدمی، ابو سعید کے پاس جانا اور ان کی گواہی لینا میرے لیے تو ہفت خواں سے کم نہیں۔"

(۱۳۰) ایک دل گداز مثنوی!

ابن جبر کی روایت ہے کہ میں نے ابراہیم بن ہمدی کو کہتے ہوئے سنا "ایک دفعہ میں کتے میں مسجد حرام کے اندر بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک بوڑھا آدمی آیا، ایک چپیل کو اس نے دوسرے پر رکھا، اور نماز پڑھنے لگا، میں نے دریافت کیا "یہ کون ہے؟" معلوم ہوا ابو سعید مولیٰ فائدی ہی ہے۔ میں نے ایک غلام سے کہا، ان بڑے میاں کی ذرا کنکر بوں سے خبر لو! اس نے کچھ کنکریاں اٹھا کر اس پر پھینک دیں، ابو سعید نے لڑکے سے کہا، "تم نہیں جانتے کہ اگر کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہاں کے آداب کا خیال رکھنا چاہیے؟" میں نے غلام سے کہا، اس سے کہو، "آپ کو میرے آقا نے یاد فرمایا ہے؟" اس نے ابو سعید سے یہی کہا، اس نے پوچھا، "کون ہے تمہارا آقا؟" "میرا آقا؟ ابراہیم بن ہمدی، آپ کون ہیں؟" "ابو سعید مولیٰ فائدی"

وہ اٹھا در میرے سامنے آکر بیٹھ گیا، کہنے لگا، "قرابت شوم" میں

نے آپ کو پہچانا نہیں" میں نے جواب دیا، "کوئی مضائقہ نہیں، ہاں ذرا
یہ تو بتاؤ یہ راگ کس کا ہے؟"

اناض المدامع قتلی کدا
قتلی بکشوة لم ترمس

"میرا"

"یہاں سے اٹھنے کا نام نہ لینا جب تک اپنے اشعار نہ سنا لو"

"آپ بھی اٹھنے کا ارادہ نہ کیجیے گا جب تک سن نہ لیں"

پھر اس نے اپنا چپٹل اٹھا لیا، ایک کو دوسرے پر رکھا، پہلے تو گنگنایا،
اور وہی راگ گانے لگا، یہاں تک کہ اس شعر پر پہنچا، میں نے سنتے ہی
یہ راگ یاد کر لیا، اس نے جو شعر گایا تھا، وہ عبلی کا تھا، اس کا پورا نام
عبداللہ بن عمر ہے اور کنیت ابو عدی۔ سلیمان بن عباس السعدی روایت
کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر عبلی ایک دفعہ سو یقہ میں آیا۔ عبداللہ بن
عباس کا مقرب تھا، یہ بنو امیہ کا آخری دور تھا، اور بنو عباس کے دور
اقتدار کا آغاز۔ عبداللہ اور حسن نے جو حسن بن حسن کے فرزند تھے،
سو یقہ میں قدم رنجہ فرمایا، عبداللہ بن حسن نے اس سے فرمائش کی کہ اپنا
کچھ کلام سنائے، اس نے کچھ اشعار سنائے۔ پھر انھوں نے فرمایا، "میں
چاہتا ہوں تم نے اپنی قوم کا جو مرثیہ کہا ہے، اس میں سے کچھ سناؤ، اس
نے عرض کیا:-

"مجھے اچھے بستر پر جب اضطراب سے کروٹیں بدلتے دیکھتی

ہر تلامہ کہتی ہے۔"

اور میرا کم سونا اپنے بستر پر دیکھ کر جب کہ دوسری آنکھیں سو

رہی ہوتی ہیں، وہ پوچھتی ہے، "اے میرے سردار یہ کیا ہو گیا؟"

میں کہتا ہوں تیرا باپ فکر مند ہے، لیکن تو پریشان نہ ہو۔
تیرے باپ پر فکر میں مسلط ہو گئیں، انھوں نے تیرے
باپ کو ذلت کے قید خانے میں قتل کر دیا، جب مصائب کے
تیر برس رہے ہوں تو دوست کم ہو جاتے ہیں۔

اسے زمانے کے حوادث نے ایسے تیر لگائے، جو نہ
خطا ہوتے ہیں، نہ پلٹتے ہیں۔

یہ حملے اُن جان لیوا تیروں سے ہوئے جو کسی کو لگ
جاتے ہیں تو فوراً مار ڈالتے ہیں۔

گر ادا انھیں اطراف شہر میں ان پر جو زمین پر دراز ہیں
اور دفن بھی نہیں کیے گئے۔

وہ پاک دامن شخص ہے جسے تکلیف پہنچائی گئی، اس
کے کپڑے عیب اور ذلت سے بے داغ ہیں۔

دوسرا وہ شخص ہے جو گڑھے میں دفن کر دیا گیا ہے، ایک
اور دوسرا جو تقادہ اڑ گیا نہ معلوم کہاں گیا؟

جب ان کا (دونوں کا) ذکر آتا ہے، تو تیرا باپ پھر نہیں
سوتا، لوگوں کی مجلس میں گھبرایا گھبرایا سار ہوتا ہے۔

یہی وہ بات ہے جس نے مجھے بے کل کر رکھا ہے، تو سمجھ
لے اور اس شخص کے بارے میں نہ پوچھ جو ہلاکت سے دو

چار ہو رہا ہے۔

انھوں نے میری عزت خاک میں ملا دی، مجھے ذلیل
اور رسوا کر دیا۔

یہ آنسوؤں اور کٹوہ کے مقتولین کے لیے بہ رہے ہیں جو
دفن بھی نہیں کیے گئے۔

وہ لوگ جو مقامِ ورج میں، اور شرب کی دوپتھی ملی جگہوں
پر قتل کیے گئے، کتنے اچھے لوگ تھے،
نہروں پر بہت سے لوگ مر گئے، اور کچھ لوگ نہرانی
بطرس پر ختم ہو گئے۔

یہ میری قوم تھی، جس پر ہلاکت آفرین زمانے کی ڈالی
ہوئی مصیبتیں آئیں۔

جب وہ لوگ سوار ہوتے تھے تو قافلے کو زینت بنھتے
تھے، اور جب کہیں بیٹھتے، تو مجلس کو دیدہ زیب بنا دیتے
تھے۔

میں ان مقتولین کو کبھی نہیں بھولوں گا، ان کا فراموش
کرنے والا ہرگز زندہ نہ رہے۔
میں نے دیکھا یہ کلام سن کر عبداللہ بن حسن کے رخسار آنسوؤں
سے تر ہو گئے۔

(۱۳۱) وقت کی بات

ابراہیم بن سکرہ جو ابو ضمہ کے پڑوسی تھے، کہتے ہیں ابن ہر مہ یارانِ
محکمہ کے مجمع میں بیٹھا ہوا تھا، شراب کا دور چل رہا تھا، حکم بن مطلب کا ذکر
چھڑ گیا۔ ابن ہر مہ نے اس کی خوب خوب تعریف و توصیف کی، لوگوں

نے کہا۔

”تم ایسے آدمی کی مدح کر رہے ہو جس سے اگر تم ابھی راتوں رات
بکری مانگنے جاؤ جس کا نام عزا ہے، تو وہ صاف انکار کر دے گا۔“
”وہ ایسا کرے گا؟“

”خدا کی قسم ایسا ہی کرے گا۔“

یہ لوگ جانتے تھے، حکم اس بکری سے بے حد محبت کرتا ہے، اس کے پاس
سبز دودھاری بکریاں تھیں۔

ابن ہرمہ اسی وقت ننگے سرچل کھڑا ہوا، اس نے حکم کا دروازہ کھٹکھٹایا
ایک لڑکا باہر آیا۔ ابن ہرمہ نے اس سے کہا، ”ابو مروان سے کہ دو، میں آیا
ہوں،“ حکم نے حکم دے رکھا تھا کہ ابن ہرمہ جب آئے تو اس کی فوراً اطلاع
دی جایا کرے، لڑکے نے جا کر حکم کو اطلاع دی، وہ فوراً باہر آیا۔
”ابو اسحق اس وقت کیوں کر آنا ہوا؟“

”ہاں بھائی میں تم پر قربان، میرے بھائی کے ہاں بچہ ہوا ہے،
اس کی ماں کے دودھ نہیں اترتا، لوگوں نے دودھاری بکری
ڈھونڈھی کہیں نہ ملی، مجھے یاد آیا تمہارے پاس ایک بکری ہے جس
کا نام عزا ہے، انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ تم سے اس باسے
میں کہوں۔“

”تم اس وقت آؤ، اور ایک ہی بکری لے کر جاؤ؟“

”غلام! ساری بکریاں ان کے ساتھ کر دے۔“

غلام نے ساری بکریاں ابن ہرمہ کے ساتھ کر دیں، وہ بکریوں کا گلہ
لے کر اپنی مجلس میں واپس آیا، یاروں نے کہا، ”ارے کم بخت یہ کیا؟“

ابن ہریر نے انھیں ساری داستان شروع سے آخر تک سنادی، ان بکریوں میں بعض کی قیمت دس دینار سے کم نہ تھی۔

(۱۳۲) امیر معاویہ اور ولید بن عقبہ

عیسیٰ بن یزید روایت کرتے ہیں کہ ولید بن عقبہ معاویہ کے پاس آتا رہتا، وہ ایک دفعہ امیر معاویہ کے پاس گیا، انھیں اطلاع دی گئی دروازہ پر ولید بن عقبہ حاضر ہے، معاویہ نے کہا، ”خدا کی قسم وہ اس طرح جائے گا کہ بجائے لینے کے خود کچھ دے کر جائے گا، وہ ابھی آئے گا اور کہے گا، میں مقروض ہوں، میرے اذپر یہ مصیبت ہے، میں اس طرح پریشان ہوں۔“

اور غلام اسے اندر آئے دے۔“

ولید حاضر ہوا، معاویہ نے اس سے بات چیت کی، پھر کہا ”خدا کی قسم، مقامِ وادی میں جو تمھاری جائداد ہے ہم چاہتے ہیں اس کا ایشار کرو، اگر کچھ ناقص نہ ہو تو بیزید کو ہبہ کر دو“ ولید نے جواب دیا، ”وہ مال بیزید ہی کا ہے۔“

پھر ولید وہاں سے چلا آیا، کچھ عرصے تک معاویہ کے دامنِ دولت سے وابستہ رہا، ایک روز اس نے معاویہ سے کہا، ”امیر المومنین میرے لئے ولید بن عقبہ حضرت عثمان بن عفان کا علاقی بھائی تھا۔ کنیت ابو دہب تھی، قریش کے شاعر، بہادر اور سخی نوجوانوں میں تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں سعد بن ابی وقاص کے بعد کوفے کا گورنر بنایا گیا، شراب نوشی کے الزام میں حد جاری ہوئی، اور منصب سے معزول کیا گیا۔“

حال زار پر رحم فرمائیے، میں سخت مصیبت میں ہوں، قرض سے میرا بال بال بندھا ہوا ہے۔“

معاویہ نے جواب دیا، ”تمہیں شرم نہیں آتی، ذرا اپنے حسب و نسب پر غور کرو، تمہیں کافی مل جاتا ہے، اور تم یونہی فضول خرچ کر ڈالتے ہو اور ہمیشہ قرض کی شکایت کرتے رہتے ہو“ ولید نے کہا، ”بہت اچھا“ پھر وہ معاویہ کے پاس سے رخصت ہو کر جزیرہ پہنچ گیا، وہاں اس نے کہا:-

”جب تجھ سے کچھ مانگا جاتا ہے تو تو انکار کر دیتا ہے، اور

جب تجھے ضرورت ہوتی ہے تو ہاتھ پھیلا کر مانگ لیتا ہے۔

تو اچھے کاموں کے سرا انجام دینے سے انکار کرتا ہے،

تو دریائے فرات کے کنارے کھڑا ہے، لیکن پیاسوں کو سیراب

نہیں کر سکتا۔

کیا تو کبھی بھی اقرار کی طرف یا کم از کم ترک انکار کی

طرف مائل نہ ہوگا؟ یہاں تک کہ تجھے موت آجائے۔“

یہ اشعار معاویہ تک پہنچ گئے، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ولید جزیرہ

پہنچ گیا، اب انھیں گھبراہٹ ہوئی، انھوں نے ولید کو خط لکھا، اور اپنے

پاس بلایا، ولید نے جواب دیا:-

”آپ کی نصیحت کے مطابق میں مستغنی اور بے پروا ہوں

اب میرے علاوہ جسے چاہے نوازیے اور جو چاہے کیجیے۔

میں اپنی سواری تیرے پاس سے دوڑ لے جا چکا ہوں

مصیبت کے وقت میرے عزم کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ سستی

ہوئی تلوار کے مانند ہو جاتا ہے۔“

میں ایسا شخص ہوں کہ میری رائیں مختلف ہیں اور کوئی
 دروازہ میرے اوپر بند نہیں ہے۔
 پھر ولید حجاز کی طرف کوچ کر گیا، امیر معاویہ نے وہاں اسے طرح
 طرح کے تحائف بھیجے۔

(۱۳۳) ابراہیم موصلی اور خلیفہ ہارون رشید

حماد بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید نے
 میرے دادا سے ایک کنیز خریدی جس کی قیمت ۳۶ ہزار دینار تھی۔ کنیز
 خلیفہ کے پاس ایک رات رہی، ہارون نے فضل بن رزیح کو حسب ذیل
 خط لکھا:-

”ہم نے یہ کنیز ابراہیم سے خریدی ہے، ہمارا خیال ہے یہ کنیز ویسی نہیں
 ہے، جیسا ہمیں گمان تھا، نہ ہمارے مذاق کے مطابق ہے۔ اس کی قیمت
 میرے اوپر گراں گزر رہی ہے، تمہارے اور ابراہیم کے درمیان دوستی
 ہے، تم ذرا اس کے پاس چلے جاؤ، اور اسے آمادہ کرو کہ وہ چھو ہزار
 دینار کم کر دے۔“

فضل یہ شفقہ پاتے ہی ابراہیم کے پاس گیا، اندر آئے کی اجازت طلب کی۔
 میرے دادا فوراً باہر نکل آئے اور گرم جوشی سے ملاقات کی۔ فضل نے کہا،
 ”اس تکلف کو چھوڑیے ہمارے آپ کے درمیان کوئی عنایت تو ہے نہیں،
 میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو فریب کار ہوتے ہیں۔ میں تمہارے پاس
 ایک ایسے کام کے لیے آیا ہوں، جس کے بارے میں مجھے تم پر

بھروسہ ہو۔“ پھر فضل نے ابراہیم سے سارا ماجرا کہا۔
 ابراہیم نے کہا، ”خلیفہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میری نگاہ میں تمھاری کتنی
 وقعت ہے“ فضل نے کہا ”ہاں اس کا ارادہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے“ ابراہیم
 نے کہا، ”میں اپنا سارا مال و متاع مساکین میں خیرات کر دوں، اگر خلیفہ کی
 فرمائش کا دو گنا نہ گھٹا دوں، اس نے چھو ہزار کہا ہے نا؟ میں بارہ ہزار گھٹا
 دیتا ہوں۔“ فضل خلیفہ کے پاس گیا، اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی،
 خلیفہ نے کہا، میں نے اپنی رعایا میں سے کسی فرد کو اتنا شریف طبیعت نہیں
 پایا، اسے یہ سارا مال واپس دے دو۔

میرے والد نے مجھ سے کہا، میں تمھارے دادا (ابراہیم) کے پاس آیا۔
 میں نے کہا، ”آپ نے اتنی قیمت گھٹا دی، یہ کوئی کم مالیت تو تھی نہیں۔“
 والد نے میری بات سے تغافل برتا، پھر کہا، ”تم ہو بے وقوف، میں لوگوں
 کی ذہنیاتوں کو خوب پہچانتا ہوں، خدا کی قسم اگر میں ساری قیمت لے لیتا
 تو اس صورت میں لیتا کہ وہ ناگواری کے ساتھ ادا کرتا، اور یہ میرے لیے برا
 ہوتا، اور میری قدر اس کی نگاہ میں گھٹ جاتی، لیکن تخفیف کر کے میں نے
 خلیفہ پر اور فضل پر تھوڑا سا احسان کر دیا۔ اس کی طبیعت خوش ہو گئی، وہ
 مسرور ہو گیا۔ اس کی نظر میں میری وقعت بڑھ گئی، اور میاں میں پھر بھی
 نفع میں رہا، یہ کینیز میں نے چالیس ہزار درہم میں خریدی تھی، قیمت میں نے
 لی چوبیس ہزار دینار۔“

جب ابراہیم کے پاس خزانہ خلافت سے کینیز کی قیمت آئی تو وہ پوری
 تھی، اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی، اس نے مجھے بلایا اور گویا ہوا، کہو
 میاں اسٹیج، دیکھا تم نے۔ میں دُور اندیش ہوں یا تم؟ میں نے کہا،

”اباجان آپ، خدا مجھے آپ پر قربان کرے!“

(۱۳۴) منصور اور ابن ہرمہ

محمد بن سلیمان بن منصور راوی ہیں کہ منصور نے اپنا ایک آدمی ابن ہرمہ کے پاس بھیجا، اسے ایک ہزار دینار دیے، خلعت دیا، اور اس کی شناخت بتائی، کہا، ”اب تم ابن ہرمہ کے پاس جاؤ، تم دیکھو گے وہ مسجد کے اندر فلاں مقام پر بیٹھا ہوا ہو گا۔ اس سے بنی امیہ اور ان کے حامیوں کا ذکر کرنا، پھر کہنا کہ اپنا قصیدہ ”حائیہ“ سنائے جس میں اس نے عبدالواحد بن سلیمان کی مدح کی ہے، کہا ہے:-

وجدنا غالباً کانت جناحاً وکان البوک قادمۃ الجناح

”ہم نے غالب (خاندان کا نام) کو بازو پایا، اور تیرے باپ

کو اس بازو کا اگلا پیر“

جب وہ یہ قصیدہ سنا چکے تو کھینچ کر مسجد سے باہر نکالنا۔ اس کی گردن مارنا اور میرے پاس لیتے آنا، اور اگر وہ تمہیں قصیدہ ”لامیہ“ سنائے جس میں اس نے میری مدح کی ہے، تو اسے یہ ایک ہزار دینار اور خلعت دے دینا۔ میرا خیال ہے وہ قصیدہ ”حائیہ“ سنائے سے گریز کرے گا، ”لامیہ“ کے سوا کچھ اور نہیں سنائے گا“

منصور کا آدمی آیا، اس نے ابن ہرمہ کو ویسا ہی پایا جیسا منصور نے

لے عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک ابن ہرمہ نے جب اس کی مدح میں قصیدہ

کہا تو یہ مدینے کا گورنر تھا۔

بتایا تھا، وہ اس کے پاس بیٹھ گیا، اس سے درخواست کی کہ عبدالواحد کی شان میں اس نے جو مدحیہ قصیدہ کہا ہے وہ سنائے۔ ابن ہریرہ نے کہا، "میں نے تو کوئی ایسا قصیدہ نہیں کہا ہے، نہ مجھے کوئی ایسا قصیدہ یاد آتا ہے، اسے تو غلط طور پر میری طرف وہی منسوب کر سکتا ہے جو میرا دشمن ہو۔

لیکن اگر تم چاہو تو اس سے بھی اچھا ایک اور قصیدہ سناؤں؟ آدمی نے کہا، "ہاں ہاں شوق سے سنائیے، ابن ہریرہ نے قصیدہ سنایا، جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا۔

سری ثوبہ عنک الصبا المتخائل

یہ پورا قصیدہ اس نے سنا دیا، پھر اس نے منصور کے آدمی سے کہا، "امیر المومنین نے جو کچھ میرے لیے بھیجا ہے وہ مجھے دے دو"

"کیا مطلب؟ کیا چیز تمہیں بھیجی ہے؟"

"ان باتوں کو چھوڑو، خدا کی قسم تمہیں امیر المومنین نے بھیجا ہے، تمہارے ہاتھ میرے لیے رُپڑ اور خلعت بھی بھیجا ہے، تمہیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ مجھ سے سلیمان بن عبدالواحد والا قصیدہ سننے کی فرمائش کرو، اگر میں سنا دوں تو میری گردن اڑا دو، اور میرا سر اس کے پاس لے جاؤ، اور اگر میں یہ قصیدہ "لامیہ" سنا دوں تو جو کچھ انہوں نے تمہارے ہاتھ بھیجا ہے وہ مجھے دے دو"

آدمی ہنسنے لگا، پھر اس نے کہا، "زندگی کی قسم، تم نے سچ کہا،" یہ کہہ کے اس نے ایک ہزار دینار اور خلعت ابن ہریرہ کو سونپ دیے، ہم نے ان دونوں باتوں سے بڑھ کر کوئی عجیب بات نہیں سنی۔

ابن ہریرہ نے جس قصیدے میں عبدالواحد کی مدح کی ہے وہ اس کے

کلام کا "شہ کار" کہا جاسکتا ہے، کلام کی ندرت، شعر کی بلندی، اس کا خاص حصہ ہے، کہتا ہے:-

"اے سزاوار ستائش عبدالواسع، میں تیری برہمی کے خوف سے اس شخص کی مانند ہوں جسے پانی پینے میں پھندا لگ چکا ہو،

میری دونوں ہتھیلیاں شل ہو جائیں، میرا گھوڑا رواں ہو، اور اس جگہ لے جا کر مجھے ڈال دے، جہاں نیزے چل رہے ہوں۔

زمانہ مجھے کام کرنے سے روک دے، میں خالی ہاتھ ایسی جگہ رات گزاروں جو پردیس کی ہو۔

میں اگر امیر کے پاس آیا ہوں تو یہ آنا شوق اور خوشی کا

آنا نہیں ہے۔

ہم سے غلطی ہوئی اور وہ جان کی جو کھم بن گئی، حالانکہ بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو محض ہوائی ہوتی ہیں۔

ہم نے غالب (خاندان) کو ایک بازو پایا، اور تیرے والد

کو اس بازو کا اگلا پر۔

جب بخیل بھل کو اپنی ڈھال بنلے، اور وہی اس کے

لیے ہتھیار کا کام دے۔

تو اس وقت تیرا ہتھیار بھلائی (سخاوت) ہوتا ہے، یہاں تک کہ تو کام یاب ہو جائے، اس شخص کی آدہ پر جو نیکو کار

ہو

(۱۳۵) دو شاعروں کی جھڑپ!

عمارہ بن عقیل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جریر بن عبد الملک بن مردان کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا، اور اخطل عبد الملک کے پاس اندر تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتے تھے، دونوں میں سے کسی کو بھی اپنے "ممدوح" کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جب جریر کے لیے اذن طلب کیا گیا، تو عبد الملک نے اجازت دے دی، جریر نے سلام کیا، اور بیٹھ گیا۔ اب اخطل نے اسے پہچان لیا، جریر کی نظر اخطل پر پڑی، اس نے پوچھا، "کیا آپ اپنا تعارف کرائیں گے؟"

"میں وہ ہوں جس نے تمہاری راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے، اور

تمہاری قوم کے زور کو توڑ دیا ہے۔"

"بد بخت تو کون ہے؟ کہاں سے آٹپکا؟"

پھر وہ عبد الملک کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا، "امیر المؤمنین یہ کون ہے؟" عبد الملک ہنسا، اور گویا ہوا، "ابو حزرہ! یہ اخطل ہے" جریر نے اخطل کو دیکھا، اور کہا، "اس نصرانیہ کے بیٹے خدا تجھے زندہ نہ رکھے، رہا تیرا میری نیند کو حرام کرنا، سو اگر میں تجھ سے غافل ہو کر سو جاؤں تو یہ تیرے لیے بہتر ہے، اور رہا تیرا میری قوم کے زور کو توڑ دینا، سو تو کیوں کر اسے ہضم کر سکے گا، تو تو ان لوگوں میں ہو جن پر ذلت اور سکت مسلط کر دی گئی ہے۔ جن پر اللہ کا قہر نازل ہوا کرتا ہے۔ امیر المؤمنین مجھے اجازت مرحمت فرما کہ میں اس نصرانیہ کے بیٹے کی مرثیہ کر دوں۔"

خلیفہ نے کہا، ”یہ میرے سامنے نہیں ہو سکتا!“
جریر مارے غصے کے اٹھ کھڑا ہوا، عبد الملک نے کہا، ”اخلل اٹھو!
اپنے دوست کے ساتھ تم بھی باہر جاؤ، وہ ہم سے تمہاری وجہ سے خفا
ہو گیا ہے۔“

اخلل اٹھا، عبد الملک نے اپنے خادم سے کہا، ”جب اخلل جریر
کے سامنے آئے تو دیکھو دونوں کیا کرتے ہیں؟“
جریر باہر نکلا، اپنے غلام کو آواز دی، وہ فوراً ایک سیاہ رنگ کا
گھوڑا لے کر حاضر ہوا، جریر اچک کر بیٹھ گیا، گھوڑا ہنسا یا گویا وہ اپنے
مرکب بننے پر خوش تھا۔

اخلل بھی باہر آیا، دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا، بلکہ اس کی اوٹ
میں ہو گیا، وہ اسی طرح کھڑا رہا، یہاں تک کہ جریر چلا گیا، خادم عبد الملک
کے پاس آیا، اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا۔
عبد الملک ہنسا اور کہا، ”خدا سے (جریر کو) غارت کرے، کم سخت
کتنا نڈر ہو، خدا کی قسم یہ نصرانی (اخلل) اگر اس وقت اس کے سامنے آجاتا
تو اسے کچا ہی چبا جاتا۔“

(۱۳۶) کچھ سے کچھ

معن خلد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جب عبد الملک نے زفر بن
سارث کلابیؓ سے بلایا تو اپنے پاس تختِ خلافت پر بٹھایا۔ اتنے
لہ زفر۔ قیس و تغلب کے ماہین جو معر کے ہوئے ان میں (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۹ پر)

میں عبد الملک کے پاس ابن ذی الکلاع آیا، اس نے جوزفر کو عبد الملک کے پاس تخت پر بیٹھا دیکھا تو رونے لگا، عبد الملک نے پوچھا:-

”رونے کیوں ہو؟“

اس نے جواب دیا، ”یا امیر المؤمنین کیوں کر نہ روؤں؟ اس کی تلوار سے اب تک میری قوم کا خون ٹپک رہا ہے حالانکہ میری قوم آپ کی مطیع تھی اور یہ تھا مخالف، لیکن اب وہ آپ کے ساتھ تختِ خلافت پر متمکن ہے اور میں زمین پر کھڑا ہوں“

خلیفہ نے جواب دیا ”اسے میں نے اپنے ساتھ اس لیے نہیں بٹھایا ہے کہ میری نگاہ میں وہ تم سے زیادہ معزز ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کی خوش بیانی نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا، اس کی باتیں مجھے بہت بھاتی ہیں“

یہ بات اخطل تک بھی پہنچ گئی، وہ بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا، اس نے کہا، ”خدا کی قسم میں وہ مقام حاصل کروں گا جہاں تک ابن ذی الکلاع بھی نہیں پہنچ سکا ہوگا۔“ پھر وہ باہر نکلا اور عبد الملک کے دربار میں داخل ہوا، جب عبد الملک کی نظر اس کی طرف اٹھی، تو اس نے کہا:-

”جام شراب مرغ کی آنکھ کی طرح چمک رہا ہے، یہ پینے والے کی عقل کو گم کر دیتا ہے۔“

جب کوئی نوجوان بے پانی ملائے تین جام اس شراب کے پی لے تو وہ مست و بے ہوش ہو جائے گا۔

(ص ۳۸۵ کا بقیہ نوٹ ۱، بنی قیس کا قاتل تھا۔)

۱۰ قرقیسیا — جزیرے میں ایک شہر کا نام ہے، یہ دریائے خابور اور فرات سنگم پر واقع ہے

وہ لوگ قریش کی طرح اترائی ہوئی چال چلے، اور اپنے

تہم کا فاضل کپڑا لٹکا دیا۔“

عبدالملک نے کہا، ”ابو مالک یہ کیسی بکواس کر رہے ہو؟ کہیں تم پاگل

تو نہیں ہو گئے ہو؟“

”امیر المؤمنین، بے شک میں پاگل ہو گیا ہوں، کیوں کہ میں دیکھتا

ہوں یہ خدا دشمن آپ کے پاس تختِ خلافت پر براجمان ہے، حالانکہ

ابھی کل ہی کرچکا ہے۔“

”کبھی کبھی سبزہ ویرانوں کی تریزین پر آگ آتا ہے، لیکن

دل کا کینہ جوں کا توں رہتا ہے۔“

یہ سنتے ہی عبدالملک نے اپنا پاؤ اٹھایا، تان کے لات زفر کے

سینے پر ماری وہ دھڑام سے نیچے گرا۔ پھر اس نے کہا، ”خدا ان سینوں کی

کدورتوں کو دُور کرے۔“

اخطل نے کہا، ”میں آپ کو قسم دیتا ہوں اور امیر المؤمنین اللہ کی اور

اس عہد کی جو آپ نے مجھے دے رکھا ہے۔“

زفر کا بیان ہے، ”مجھے موت کا اتنا یقین کبھی نہیں ہوا جتنا اس وقت

جب اخطل نے یہ باتیں کیں!“

(۱۳۷) عبدالملک اور ایک عراقی!

مدائنی کا بیان ہے، عبدالملک نے کئی مرتبہ عام دعوتیں کیں، جہاں لوگ

آ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔ ایک دعوت میں کوئی عراقی بیٹھا ہوا تھا اسے

عبدالملک کے ایک خادم نے دیکھا، ناک بھوں پڑھائی، اور کہا:-

”کیا تو عراقی ہو؟“

”ہاں!“

”تو جاسوس معلوم ہوتا ہو؟“

”ہرگز نہیں“

”ضرور تو جاسوس ہو؟“

”کم بخت! مجھے پریشان نہ کر، میں امیر المومنین کی سخاوت سے بہرہ مند

ہونا چاہتا ہوں تو مجھے بد مزہ کیوں کرتا ہو؟“

اتفاق سے عبدالملک بھی وہاں موجود تھا، اس نے کہا، ”یہ شعر

کس کا ہو؟“

اذ الارطی تو سد ابرویہ خدود جوازی بالسرمل عین

”جب ترگھاس پر بسر کرنے والی سیاہ چشم گائے ارطی کے

درختوں پر صبح شام ٹیک لگاتی ہو۔“

اس شعر کا کیا مطلب ہو؟ اور اس کا قائل کون ہو؟ ہم اسے انعام

دینا چاہتے ہیں، ”خادم عبدالملک کی یہ بات سن رہا تھا، عراقی نے خادم

سے کہا:-

”کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میں تمہیں اس کی شرح بتاؤں؟ کس

نے کہا ہو، اور کس پر کہا ہو؟“

”ہاں کہو“

”مدی بن زید نے رسی تربوز کے بارے میں یہ شعر کہا ہو۔“

خادم نے یہ بات عبدالملک سے کہی، وہ ہنسا، اتنا ہنسا کہ ہنستے ہنستے

لوٹ گیا، اس سے خادم نے پوچھا۔
 ”میں نے جو کچھ عرض کیا وہ صحیح تھا یا غلط؟“
 ”غلط“

”امیر المومنین یہ اس عراقی کا کام ہے، اسی نے مجھے یہ سمجھایا تھا“
 ”وہ کون ہے؟“

”یہ دیکھیے، وہ کم بخت بیٹھا ہے“
 عبد الملک عراقی کی طرف متوجہ ہوا، اور اس سے پوچھا،
 ”تمہی نے اس آدمی کو یہ کھایا تھا؟“
 ”جی ہاں“

”تم نے غلط سمجھایا تھا یا صحیح؟“
 ”غلط“

”کیوں؟“

”چوں کہ میں آپ کی دعوت سے روکا جا رہا تھا، اس آدمی نے مجھ سے
 ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں کیں میں نے ارادہ کیا کہ اسے اپنے سر سے ٹالوں
 اور آپ اس کا مذاق اڑائیں“

”اچھا پھر صحیح تشریح اس شعر کی کیا ہے؟“

”یہ شماخ بن ضرار غطفانی کا شعر ہے، اس نے یہ شعر ایک جنگلی گائے

سے شماخ بن ضرار غطفانی مشہور شاعر تھا۔ اس نے عہدِ جاہلیت اور عہدِ اسلام
 دونوں زمانے دیکھے تھے۔ شماخ لقب تھا، نام معقل، اس کے دو بھائی تھے، وہ دونوں بھی
 اچھے شاعر تھے، محمد بن سلام نے اسے طبقہ ثالثہ میں رکھا ہے، اسے نابذ، لبیہ اور ابو ذویب کی
 صف میں شامل کیا ہے، اس نے اس کی بہت تعریف کی ہے، اسے لبید پر ترجیح دی ہے۔

کی تعریف میں کہا ہے جو صورت گھاس پر گزارہ کرتی تھی۔

”ہاں تم نے سچ کہا“

پھر عبدالملک نے عراقی کو انعام دیا، اور کہا:-

”کوئی حاجت ہے؟“

”اس آدمی کو اپنے ہاں سے نکال دیجیے، یہ شاہی بارگاہ کے لیے

موزوں نہیں!“

(۱۳۸) جمیلہ اور عبداللہ بن جعفر

سیاط کا بیان ہے کہ جمیلہ ایک مرتبہ آنے والوں کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی کنیزوں کی چوٹیاں اس نے اس طرح گوند رکھی تھیں جیسے انگوڑے کے خوشے، جو ان کے سرین تک لٹکی ہوئی تھیں، انھیں طرح طرح کے رنگین کپڑے پہنائے تھے، ان کے سروں پر تاج رکھے ہوئے تھے، مختلف قسم کے زہوروں سے انھیں آراستہ کر رکھا تھا، وہ عبداللہ بن جعفر سے ملاقات کرنے کی متمنی تھی، اس نے کاتب سے انھیں حسب ذیل خط لکھوایا:-

”میرے ہاں باپ آپ پر قربان، میری مراسلت سے آپ کی قدر گھٹتی ہے، لیکن آپ کا کرم میری لغزشوں کا پردہ پوش ہے۔ میرا گناہ ایسا ہے جس کی کوئی سزا نہیں، نہ اس کی مغفرت کی کوئی صورت ہے۔“

۱۰ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، بن عبدالمطلب، بن ہاشم بن عبدمناف، قرشی ہاشمی۔ حضرت علی علیہ السلام ان کے چچا تھے، یہ بہت کرم، حلیم، اور سخی تھے، ان کا نام ہی ”دریائے سخاوت“ پر گیا تھا۔

اگر آپ نے سعادت کر دیا تو عفو، اگر گروہ اہل بیت اطہار آپ کا حصہ ہے
 خیر و فضل سے آپ کی بارگاہ معمور ہے، ہم غلام ہیں اور آپ آقا، اس
 سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہو گا جسے آپ کا شرفِ تقرب حاصل ہو؟
 جو آپ کی زیارت کی سعادت سے متنع ہو رہا ہو، وہ بھی خوش قسمت
 ہے جسے آپ کا شرفِ ہمسائیگی حاصل ہو جو آپ کے اعزاز سے اپنا
 رُتبہ بڑھاتا ہو، جو آپ کو امید کی نظر سے دیکھتا ہو! وہ بد قسمت ہے
 جس نے آپ کی قدر نہ پہچانی، یہ نہ جانا خدا نے اس دنیا پر آپ
 کے بارے میں کیا نازل کیا ہے؟ آپ کے خاندان کا چھوٹا بھی بڑا ہے۔
 بلکہ سچ تو یہ ہے اہل بیت اطہار میں کوئی چھوٹا ہی نہیں، آپ کے بڑے
 کی جلالت مرتبت کا کیا کہنا، بلکہ خدا نے بزرگ درجے جو جلالت
 خلق کے لیے پیدا کی ہے وہ آپ ہی کا حق ہے، آپ ہی کو سزا دار ہے،
 ہم قرآن کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتے ہیں، حق رسول کا واسطہ دے
 کر آپ کو بلا تے ہیں، اگر آپ کو ناگوار خاطر نہ ہو تو اس مجلس میں جلوہ
 فرما ہو جیسے، جو آپ ہی کے لیے ترتیب دی گئی ہے۔ وہ اگر سمجھے گی تو
 آپ ہی سے سمجھے گی، اس کی کوتاہیاں آپ ہی سے پوری ہو سکتی
 ہیں، یہ مجلس طرب و نشاط کہیں اور نہیں جم سکتی، اور اس طرز کے
 علاوہ کوئی اور راہ نہیں اختیار کی جا سکتی۔“

عبداللہ بن جعفر نے یہ خط پڑھا، تو کہا، ”ہم جانتے ہیں جمیلہ ہماری
 کتنی تعظیم کرتی ہے، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کا کتنا ادب کرتی ہے، مجھے یہ
 بھی معلوم ہے اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ سوا اپنے گھر کے کسی کو کہیں گا نا نہیں
 سناے گی“ پھر قاصد سے فرمایا، ”میں تو فلاں فلاں مقامات پر جانے

کے لیے پاؤں رکاب تھا، جمیلہ کی طرف سے میرا گزرنے کا ارادہ بھی تھا اب اگر خود اس کی یہ مرضی ہو تو میں واپسی پر ضرور اس کے ہاں آؤں گا۔“

جمیلہ کے دروازے پر عبد اللہ بن جعفر پہنچے، تو آپ کے ہمراہیوں میں بعض لوگ تو آپ کے ساتھ اندر داخل ہو گئے، اور بعض واپس چلے گئے۔ آپ نے اندر جا کر دیکھا کہ حسن رعنا، جو سادگی کی تصویر ہے، سامنے ہے، یہ دل میں گھر کر جلنے والا منظر دیکھ کر آپ نے کہا۔
”جمیلہ تمہیں تو بہت بڑی نعمت دی گئی ہے، یہ رنگارنگی جو تم نے بنائی ہے خوب ہے۔“

”میرے آقا! اچھے کے لیے اچھی ہی چیز ہونا چاہیے، یہ مجلس تو آپ ہی کے لیے ترتیب دی گئی ہے۔“
عبد اللہ بن جعفر بیٹھ گئے، جمیلہ آپ کے پس پشت آ کر کھڑی ہو گئی کینز میں دو صفیں بنا کر ایستادہ ہو گئیں، عبد اللہ نے جمیلہ کو قسم دی کہ وہ بیٹھ جائے، وہ قریب ہی بیٹھ گئی، اس نے کہا۔
”میرے مالک، کیا میں آپ کو کچھ سناؤں؟“
”ضرور سناؤ۔“
جمیلہ نے گایا۔

”اے عبد الملک کے بیٹو! جس کا چہرہ رات کی تاریکی میں اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند۔
اس قبیلے کے بوڑھے، بوڑھوں میں سب سے اچھے ہیں، ان کی نسل، نسلِ ملوک کی طرح ہے، جو نہ ہلاک ہوتی ہے نہ جس میں عیب ہوتا ہے۔“

ابو عقبہ جو تم سے مل چکا ہے اس کے جمال کا یہ حال تھا کہ پیشانی
سفید تھی اور چہرہ دکھتا ہوا۔

یہی حال ساتی حجاج کا تھا، ہاشم بھی سر پانچیر تھے اور
عبد مناف بھی، یہ سب بلند رتبہ سردار تھے۔

تھارا باپ قصی ہے، جو مجمع کے نام سے پکارا جاتا تھا،
اس کی وجہ سے اللہ نے بنی نہر کے قبائل کو ایک کر دیا تھا!

یہ سن کر عبد اللہ نے کہا، ”جمیلہ بہت خوب تو لے گیا اور خدا نے
جو کچھ کہا وہ بھی سچ کہا، خدا کی قسم ایک دفعہ اور یہی سنا!“
جمیلہ نے قبیل کی پہلی مرتبہ اس نے ہر جنتہ گایا تھا، اس مرتبہ اس
سے بھی اچھا گایا۔

پھر جمیلہ نے اپنی ساری کنیزوں کو حکم دیا کہ عود لے کر حاضر ہوں، ان
کنیزوں کے لیے چھوٹی چھوٹی گرسیاں پہلے سے بچھی ہوئی تھیں، جمیلہ نے
ان سے کہا کہ گرسیوں پر بیٹھ جائیں وہ بیٹھ لگیں، بجائے لگیں اور جمیلہ نے ان کے
ساز پر یہی راگ گانا شروع کیا، کنیزیں بھی اسی لڑ پر گانے لگیں، جب
وہ سب عود بجا رہی تھیں، عبد اللہ نے کہا، ”مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ
یہاں یہ کچھ ہوگا، یہ گانا تو دل کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے، اسی لیے بہت سے
لوگ جو اس بات کو جانتے ہیں گانے کو ناپسند کرتے ہیں“

پھر عبد اللہ نے اپنا خنجر منگوا یا، اس پر سوار ہوئے اور اپنی راہ لی۔
جمیلہ نے اس جماعت کے لیے بڑی مقدار میں کھانے کا انتظام بھی کیا
تھا، عبد اللہ نے جو پہلے یہاں قیام کا ارادہ کر رہے تھے، چلتے چلتے اپنے
ساتھیوں سے کہا، ناشتے کے لیے ذرا ٹوک جاؤ، ناشتہ کر کے خوش خوش اپنے

(۱۳۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز اور شعرا

ریاشی حماد راویہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں علم حاصل کرنے کی عرض سے مدینہ منورہ حاضر ہوا، یہاں سب سے پہلے میری جس آدمی سے ملاقات ہوئی وہ کثیر عزم تھا، میں نے کہا، "میری پونجی میں سے کچھ تمہارے پاس بھی ہے؟" اس نے کہا، "جو کچھ احوص اور نصیب کے پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے؟" میں نے پوچھا، "کیا ہے وہ؟" اس نے کہا، "مجھ سے زیادہ وہ دونوں تمہیں بہتر جواب دے سکتے ہیں" میں نے کہا، "ہم تمہارے پاس سیر سپاٹے کے لیے نہیں آئے ہیں، جو کچھ تمہارے پاس ہے ہم اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ تمہارا نام زندہ رہے، لیکن ایسے کم لوگ ہیں جو اس کا موقع ہم پہنچاتے ہیں، میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس کا جواب دیجیے تاکہ جو آپ بتائیں وہ میں آپ سے حاصل کروں۔"

اس نے کہا، "میں نصیب، احوص، ہم سب عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں اس تعلق کی بنا پر جو ہمیں عبدالعزیز سے تھا، اور اس بھائی چارے کی بنیاد پر جو عمر سے تھا ان کے پاس گئے، سب سے پہلے ہماری ملاقات سلمہ بن عبدالملک سے ہوئی، وہ نوجوانان عرب میں سے ایک نوجوان تھا ہم میں سے ہر شخص اس کے لطف و کرم کا متمنی تھا۔ کوئی شبہہ نہیں وہ خلیفہ کا شریک خلافت تھا۔ سلمہ نے ہماری اچھی طرح دعوت کی، بہت قدر و منزلت کی، پھر کہا۔"

تھیں کوئی ایسا حکم دوں جس سے میرا ضمیر مجھے منع کرتا ہو۔

اس طرح میرا نفع نقصان سے بدل جائے گا، میرا فقر نمایاں ہو جائے

گا، میری مسکنت ظاہر ہو جائے گی، اس دن جب کہ حق اور صدق کے

سوا کوئی چیز فائدہ نہیں پہنچائے گی۔“

اس خطبے نے مسجد میں ہنگامہ مگر یہ و بکا پیدا کر دیا، خود حضرت عمر بن

عبدالعزیز بھی رونے لگے، آنسوؤں سے آپ کے کپڑے تر ہو گئے، ہمیں اندیشہ

ہوا کہیں آپ کی روح نہ پرواز کر جائے۔

میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا، میں نے کہا، عمر کے لیے دوسرے

طرز کے اشعار کی فکر کرو، ویسے نہیں جیسے ہم نے پہلے کہ رکھے تھے، یہ شخص

طالب دنیا نہیں ہے۔

ایک مرتبہ مسلم نے جمعہ کے روز نماز کے بعد، جب اذن عام کا وقت

ختم ہو چکا تھا، ہمارے لیے اذن باریابی حاصل کیا، ہم اندر داخل ہوئے

ہم نے سلام کیا، خلافت کی مبارک باد دی، خلیفہ نے جواب دیا، میں نے

عرض کیا:-

”یا امیر المؤمنین ہمیں در دولت پر پڑے پڑے مدت گزر گئی، اور

نتیجہ اب تک کچھ نہ نکلا، و فود عرب آپ کی اس زیادتی کے شاک میں“

فرمایا، ”کثیر! کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں سنا! جو قرآن میں وارد ہوا

هو، انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا، والمؤلفہ قلوبہم

فی السقاب، والغارمین، و فی سبیل اللہ، و ابن السبیل فریضۃ من اللہ

واللہ علیم حکیم، (یعنی صدقات کا معرفت فقرا ہیں، مساکین ہیں، عاملین

زکوٰۃ ہیں، نو مسلم ہیں، مکاتب غلام ہیں، مقروض ہیں، اللہ کی راہ میں

”کیا تم نہیں جانتے تمہارا امام شعر کو کچھ نہیں دیتا۔“
 ”اب تو ہم آچکے، کسی نہ کسی طرح خلیفہ کو ہماری طرف متوجہ کرو۔“
 ”جو آل مروان میں سے دین دار تھا، وہ مسندِ خلافت پر متمکن ہو گیا،
 باقی رہ گئے اہل دنیا، وہ تمہاری ضرورتیں پوری کریں گے، اور
 وہی کریں گے جس کے تم اہل ہو۔“

ہم مسلہ کے پاس چار مہینے تک مقیم رہے، لیکن خلیفہ کی خدمت
 میں باریاب نہ ہو سکے۔ مسلہ ہمارے لیے اذنِ باریابی طلب کرتا تھا، مگر
 کامیاب نہیں ہوتا تھا، ایک روز میں نے کہا، جمعہ کے روز میں مسجد جاؤں،
 اور عمر کا کچھ کلام یاد کرتا جاؤں، میں مسجد میں آیا، میں پہلا شخص تھا جس نے
 عمر بن عبد العزیز کا کلام یاد کیا تھا، میں نے سنا، حضرت نے اپنے خطبے
 میں کہا:-

”ہر سفر کے لیے سامان ضروری ہوتا ہو، دنیا میں رہ کر آخرت کے
 لیے توشے کا انتظام کرو، بہترین توشہ تقویٰ ہو سکتا ہو، تم اس طرح
 بن جاؤ گے یا تم دیکھ رہے ہو، خدا نے تمہارے ثواب و عقاب کے
 لیے کیا کیا کیا ہے؟ ثواب کے لیے کوشش کرو اور عقاب سے خوف
 کرو۔ تمہیں ہمت زیادہ لمبی نہیں ملے گی، ایسا نہ ہو کہ تمہارے
 دل سخت پڑ جائیں، اور تم اپنے دشمن (نفس) کے مطیع بن جاؤ۔
 یاد رکھو، دنیا میں مطمئن رہنے کا حق صرف اسی کو ہے جو آخرت میں
 عذابِ الہی سے نجات پر یقین رکھتا ہو جو شخص زخم کا علاج نہیں
 کرتا اس کا زخم دوسری جانب سے اور زیادہ پھیلتا ہے، انسان دنیا
 میں کس طرح مطمئن رہ سکتا ہو؟ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کریں

شہید ہو جانے والے ہیں، مسافر ہیں، یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے، اور خدا جانتے
والا اور حکمت والا ہے۔ بتاؤ اس فہرست میں سے کون سا عنوان تم پر صادق
آتا ہے؟“

میں نے خلیفہ سے ہنستے ہوئے کہا، ”میں مسافر ہوں، اور اپنی منزل
سے دُور ہوں“

خلیفہ نے کہا، ”کیا تم ابو سعید کے مہمان نہیں ہو؟“

میں نے کہا، ”کیوں نہیں ہوں“

فرمایا، ”میں نہیں خیال کر سکتا جو شخص ابو سعید کا مہمان ہو وہ مسافر
کہلایا جاسکتا ہے، یا منقطع ہو سکتا ہے!“

پھر میں نے اپنا کلام پڑھنے کی اجازت طلب کی، حضرت نے ارشاد

فرمایا، ”پڑھو، لیکن جو کچھ کہو سچ کہو، اللہ تم سے باز پرس کرے گا“
میں نے کہا:-

”تو خلیفہ ہوا اور تو نے علی کو گالی دینا بند کر دیا، اور بدگوئیوں
سے نہ ڈرا، اور مجرموں کی بات نہ مانی۔“

تو نے جو کچھ کہا اس کو اپنے فعل سے سچ کر دکھایا، پس
ہر مسلمان راضی ہو گیا۔

بلاشبہ انسان کے لیے اس کی کجی کے بعد ضرورت ہے کہ
وہ سیدھا کیا جائے۔

دُنیا اس کے دروازے پر شاہانہ لباس پہن کر آئی اور
اپنے ہاتھ اور اپنی کلائی دکھائی۔

کبھی وہ چشمِ بیمار سے اشارہ کرتی ہے، اور کبھی ایسے دانتوں

سے ہنستی ہے جو پروئے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔
تو نے اس سے کراہت سے منہ موڑا گویا اس نے تجھے زہر پلا دیا
یا اندران کا پھلن کھلا دیا

تو اس کی جماعت میں اس طرح تھا گویا پناہ گاہ میں ہے،
تو اس کے دریا میں یوں تھا جیسے بحر موج۔
تو بدقت لے جانے والا تھا، ہر انتہا کی طرف چڑھ جاتا
تھا، اس کے ذریعے بلند عمارتوں کی بلندی پر۔
جب تیرے پاس بے طلب حکومت آگئی، اور دنیا چاہنے
والے کے لیے یارائے گفتگو نہ رہا۔

تو نے اس چیز کو چھوڑ دیا جو فنا ہونے والی تھی، اگرچہ وہ
بھلی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو، اور اپنی صائب رائے سے اسے
پسند کر لیا جو باقی رہنے والی ہے۔

تو اس چیز سے دُور ہو گیا جو فنا ہونے والی ہے، اور اس
چیز کے لیے تیار ہو گیا جو اس دن تیرے سامنے ہوگی جو خوف
و دہشت کا دن ہوگا۔

خلیفہ ہو جانے پر سوا خدا کے تجھے مرغوب اور پسندیدہ
چیزوں سے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

تیرے دل میں ایک بیدار کرنے والا خیال آیا جس کے
ذریعے تو بلند مقامات کی بلندیوں پر بیڑھیاں لگا کر چڑھ گیا،
مشرق اور مغرب میں زمین کے اوپر کوئی پکارنے والا
خواہ وہ فصیح بیان ہو، یا ثرولیدہ گو، ایسا نہیں ہے۔

جو کہتا ہو، اس امیر المومنین، تو نے مجھ پر ظلم کیا، نہ درہم لے
کر نہ دینار لے کر۔

اگر مسلمانوں کے بس میں ہوتا کہ وہ اپنی عمر تقسیم کر سکتے، تو
بے تامل وہ اپنی ادھی عمر تیری عمر میں ملا دیتے۔

پھر تو اس وقت تک زندہ رہتا جب تک حج کے
لیے تیز رو سوار حرم اور زمزم کا طواف کرتا۔

ایک تاجر کے لیے یہ کتنے نفع کا سودا ہو، کتنا بڑا! کتنا
اعلیٰ! اور کتنا عظیم الشان!

حضرت نے فرمایا، کثیر! جو کچھ تم نے کہا، خدا سب کی باز پرس کرے
گا۔ پھر احوص حضرت کے سامنے آیا، اجازت طلب کی، حضرت نے کہا،
”پڑھو لیکن جو کچھ کہو، خدا باز پرس ضرور کرے گا“

احوص نے کہا۔

”شعر کیا ہے؟ ایک ترتیب دیا ہوا کلام، وہ سچ بھی ہو سکتا

ہو اور غلط بھی۔

تو وہی بات قبول کر جو مرضی کے مطابق ہو، اور تو نہیں

بیوہ عورتوں کی طرح واپس مت کر۔

ہم نے دیکھا تو حتیٰ بات سے قردتا نہیں، نہ داہنی طرف

نہ بائیں طرف جیسا زیادتی اور جھگڑا کرنے والا کیا کرتا ہے۔

تو حصول مقصد کے لیے اپنی پوزی توت صرف کرتا ہے،

اور سلفِ صالحین کے نقش قدم پر چلتا ہے۔

اس چیز کے بارے میں جو ظاہر ہوئی، ہم نے کہا، اور

جھوٹ نہیں کہا، کون ہو جو قولِ عادل کی سچائی کو جھٹلا سکے؟
 جب تیر ثمانت سے نکل جائے، تو کون اسے واپس لاسکتا
 ہو؟ جب وہ تیر چلانے والے کی چنگلی سے نکل چکا ہو؟
 اگر یہ بات نہ ہوتی، جیسا کہ سخی خلفائے ہماری عادت
 ڈال دی جو بہادر شیروں کی طرح تھے۔
 بلند قامت مضبوط سانڈنی ایک ماہ تک میرے پالان
 کو لے کر تیز نہ دوڑتی، جس نے بڑے جنگلوں کو سواریوں کے ساتھ
 ط کیا۔

ہم نے تجھ سے بھی وہی امید رکھی، جو ہم نے تیرے اسلاف
 سے کامیابی کے ساتھ وابستہ کی تھی۔
 تیرے پاس شعر کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اگرچہ وہ موتی
 کی طرح آبِ دار کیوں نہ ہو؟
 گو اس نے ٹھیک اور سچی بات کہی ہو، اس میں کوئی عیب
 نہ ہو، اور اس نے اس کو اس طرح مرتب کیا ہو جیسے مکان بنانے
 والا مکان کو۔

لیکن تیرے ساتھ ہماری رشتہ داری اور بے ریا غلوں
 وہ ہو، جو ان باپ دادا کی میراث ہو، جو نیزے لے کر چلتے تھے۔
 انھوں نے صلح کے دشمن کو میدان سے بھگا دیا، اور دین
 کے ستون کو ٹیڑھا ہونے کے بعد مضبوط گاڑ دیا۔
 تجھ سے پہلے شعر کے انعام میں وہ شامل ہو، جو کعب کو چادر
 دی گئی۔

خدا کے رسول نے جس کو نبوت کے لیے منتخب کیا گیا، اس پر
صبح و شام سلام ہو۔

تیری بخشش وہ ہو کہ اس کا تھوڑا ہی حصہ کافی ہو، اور وہ
بخشش بہتے ہوئے دریاؤں سے بہتر ہو۔

حضرت نے احوص سے کہا، ”جو کچھ تم نے کہا ہو، خدا اس کی باز پرس
کرے گا“

اب نصیب آگے بڑھا، کلام پڑھنے کی اجازت مانگی، حضرت نے اجازت
دینے سے انکار کر دیا، بہت برہم ہوئے، اسے حکم دیا کہ واپس چلا جائے، میرے
لیے اور احوص کے لیے (ہم میں سے ہر ایک کے لیے) ڈیڑھ ڈیڑھ سو درہم
دیے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

(۱۴۰) حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ایک شاعر

مدائنی کی روایت ہے کہ دکنین ^۱الراجز کہتے تھے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز
مدینہ منورہ کے گورنر تھے، تو میں نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ مدحیہ کہا،
آپ نے مجھے پندرہ نہایت اعلیٰ درجے کی اؤٹنڈیاں مرحمت فرمائیں۔ مجھے یہ
اچھا معلوم ہوا کہ انھیں فروخت کر دوں، یا دوڑ۔ راز کی مسافت کا کام
سلہ دابق۔۔۔ حلب کے قریب ایک دیہات ہو، یہاں بڑے اچھے اچھے بزنہ
زار نہت گاہیں اور چراگاہیں ہیں۔ بنی امیہ کے امرا رومیوں کی جنگ سے
واپس آکر یہاں آرام لیتے تھے۔

لہ دکنین بن رجا، بنی فقیہ میں سے تھے، ”دکنین الراجز“ کے نام سے مشہور تھے۔

اُن سے لوں۔

میرے پاس مصر سے کچھ دوست آئے، میں نے انھیں اپنے پاس ٹھہرایا۔ انھوں نے کہا بہتر، لیکن ہم رات کو کوچ کریں گے، میں حضرت کے پاس آیا، انھیں سلام کیا، ان کے پاس دو مرد بزرگ موجود تھے، جنھیں میں نہیں پہچانتا تھا۔ حضرت نے کہا، ”دکین! میں خدا سے ڈرنے والا دل رکھتا ہوں، اگر میری حالت کبھی اب سے بہتر ہو تو میرے پاس آنا اور بخشش لے جانا، میں نے کہا، ”گواہ؟“ فرمایا، ”خدا گواہ ہے“ میں نے کہا، ”خدا تو ہے لیکن اس کی مخلوق میں سے بھی تو کوئی ہو؟“ ارشاد ہوا، ”یہ دو بزرگ انسان موجود ہیں“ میں ان میں سے ایک کی طرف مخاطب ہوا، میں نے پوچھا۔

”آپ کون ہیں؟ کیا میرا آپ سے تعارف ہو سکتا ہے؟“

”میں سالم بن عبداللہ بن عمر ہوں“

”میں نے یہ گواہ تسلیم کر لیا“

”پھر میں نے دوسرے سے پوچھا“

”آپ کی تعریف؟“

”ابو یحییٰ! امیر کا غلام!“

میں اپنی اؤٹنیوں کو لے کر شہر آ گیا، اللہ نے ان میں اتنی برکت دی کہ میں نے اور بہت سے اؤٹنٹ اور غلام خرید لیے۔

میں ابھی صحرائے فلج میں تھا کہ میں نے سنا، سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ میں نے پوچھا، ”اب خلافت پر کون مامور ہوا؟“ معلوم ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیز!

میں حضرت کی طرف چل پڑا، راستے میں جریر سے ملاقات ہوئی،

وہ آپ ہی کے پاس سے آ رہا تھا، میں نے پوچھا:-

”کہو ابو حزرہ کہاں سے آ رہے ہو؟“

”اس کے پاس سے جو نفرا کو بہت کچھ دیتا ہے اور شعر کو یونہی ٹرختا دیتا ہے۔“

میں آگے بڑھا، میں نے دیکھا اپنے گھر کے صحن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز تشریف فرما ہیں، لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، مجھے آپ تک پہنچنے کا موقع نہ ملا، میں نے صدا لگائی:-
”اے عمر جو نیکی اور بھلائی کرتا رہتا ہے، اسی بڑی قوتوں والے

عمر!

میں قطن بن دارم کا ایک فرد ہوں، اپنا قرض اپنے تشریف بھائی سے مانگ رہا ہوں۔

اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، ہماری نظر، ابو یحییٰ اور سالم پر لگی ہوئی ہے۔“

اتنے میں ابو یحییٰ کھڑا ہوا، اس نے کہا، ”اے امیر المؤمنین، اس بدوی

کی موافقت میں آپ کے خلاف میرے پاس شہادت ہے۔“

حضرت نے فرمایا، ”ہاں میں جانتا ہوں، دیکھیں! تم میرے قریب آؤ،

جیسا کہ میں نے تم سے کہا تھا، میرا دل جب کوئی چیز پالیتا ہے تو پھر اس سے

بڑی چیز کا آرزو مند ہو جاتا ہے۔ دیکھو دنیا میں نے جتنی چاہی مجھے مل

گئی، اب میں آخرت کا جو یا ہوں۔ لوگوں کی دولت میں سے میرے پاس کچھ

نہیں ہے، میرے پاس میرے صرف دو ہزار درہم ہیں، نصف تم لے لو۔“

خدا کی قسم، ان ایک ہزار درہموں سے بڑھ کر برکت والی کوئی اور رقم میں نے

کبھی نہیں دیکھی۔

دکین وہی شاعر ہے جس کے یہ اشعار عرب میں مشہور ہیں۔

”اگر آدمی اپنی عزت کو بخل سے داغ دار نہ بنائے تو جو

چادر بھی وہ پہنے گا وہ خوب صورت ہی رہے گا۔

اور اگر اس نے اپنے نفس کو گندگی سے بلند نہ رکھا تو اس

کی تعریف اور ستائش کا کوئی پہلو نہیں ہے!“

(۱۴۱) سخن سازی

محمد بن فضل سکونی کہتے ہیں، منصور کے پاس پرچہ گزرا کہ مطیع بن ایاس نے
زندیق ہے۔ وہ اس کے بیٹے جعفر اور اس کے خاندان کے پاس رہتا ہے، اندیشہ
ہو کہ وہ لوگ اپنے عقائد نہ خراب کر لیں، اور اسی کا ”مذہب“ نہ اختیار کر لیں۔
خبر دینے والے سے ہدیٰ لے کہا، ”میں اسے خوب جانتا ہوں، جہاں تک
زندقہ کا تعلق ہے سو وہ اس کا اہل ہی نہیں، ہاں وہ بددین ہے، فاسق ہے، اور
مطیع بن ایاس کنانی، مشہور شاعر، اموی اور عباسی دونوں حکومتوں کے زمانے اس
نے دیکھے شاعر بہت بلند پایہ نہیں تھا، لیکن آدمی خوش طبع تھا، اپنے زندقہ میں
بدنام تھا اس کی کفایت ابوسلمی تھی۔ کوفے میں پیدا ہوا، وہیں پروان چڑھا، یہ
ولید بن یزید بن عبد الملک کے دامن دولت سے وابستہ تھا، اس کے حکام و عمال اور
اقارب سے بھی اس کے تعلقات تھے۔

پھر جہد عباسی میں، یہ جعفر بن ابوجعفر المنصور کے دامن دولت سے وابستہ ہوا،

اور اسی کے پاس اس نے وفات پائی۔

اللہ کے قائم کیے ہوئے حدود توڑتا ہے“ منصور نے کہا، ”اسے میرے پاس حاضر کرو، اسے منع کرو کہ وہ جعفر اور اس کے اہل بیت کے پاس نہ بیٹھا اٹھا کرے“

مطیع مہدی کے حضور میں لایا گیا، اس سے مہدی نے کہا، ”کیوں اور غیث! کیوں بے فاسق، تو میرے بھائی کو اور میرے دوسرے عزیزوں کو خراب کر رہا ہے؟ خدا کی قسم مجھے معلوم ہوا ہے وہ لوگ قرعہ ڈال ڈال کے تجھے بلاتے ہیں، اور تیرا لطف ہم نشینی حاصل کرتے ہیں، تو نے انھیں بدنام کر دیا ہے، لوگوں میں انھیں رسوا کر دیا ہے، اگر میں نے امیر المومنین کے سامنے ان الزامات کے بارے میں تیری صفائی نہ دے دی ہوتی، تو کوئی شبہ نہیں تیری گردن اڑا دینے کا حکم صادر ہو جاتا“ پھر مہدی نے رنج سے کہا۔
”اسے دو سو ڈرے لگاؤ، اور قید کر دو“

مطیع نے کہا، ”میرے آقا مجھے یہ سزا کیوں دی جا رہی ہے؟“
”اس لیے کہ تو شرابی ہے، مست و مدہوش رہتا ہے، میرے تمام خاندان والے تیری صحبتِ بد سے خراب ہوئے جلتے ہیں“
”اگر آپ اجازت دیں اور میں تو کچھ عرض کروں؟“
”کہ کیا کہتا ہے!“

”میں ایک شاعر ہوں، زہدِ مشرب ہوں۔ بادشاہوں کے ہاں تو شراب اڑتی ہی رہتی ہے، آپ کے ہاں اسے دخل نہیں ہے۔ میری آج کل پوچھ ہی کہاں ہے؟ میں تھوڑی سی شراب پر بھی خوش ہو جاتا ہوں، حالانکہ آپ کے بھائی کے دسترخوان پر وہ عام ہے، لیکن وہ اپنے اہل خاندان کو ترغیب نہیں دیتا، اسی بنا پر میں نے اس کی تعریف و توصیف کی،

اور شکر یہ ادا کیا، اگر یہ کوئی بڑی بات ہو تو میں تو بہ کرتا ہوں“
 ہمدی کچھ دیر تک سر جھکائے رہا، پھر اس نے کہا، ”مجھے اطلاع ملی
 ہے جب تجھ سے کوئی بھیک مانگتا ہے، تو تو اس سے ڈھٹائی سے پیش آتا ہے اور
 اس کا مذاق اڑاتا ہے“ اس نے کہا، ”ہنیں، خدا کی قسم نہیں۔ نہ میں ایسا کر
 سکتا ہوں، نہ ایسا مجھ سے سرزد ہو سکتا ہے، ہاں ایک مرتبہ ضرور ایسا ہوا تھا۔
 ایک اندھے بھکاری نے مجھے روکا، میں اپنے خچر پر پل سے گزر رہا تھا، اس نے
 خیال کیا میں کوئی فوجی ہوں۔ اس نے اپنا ڈنڈا میرے سامنے کر دیا، اور چلایا۔
 ”اے اللہ خلیفہ کو رحم دل بنا دے کہ وہ فوجیوں کو ان کا راتب دے، تاکہ وہ تاجروں
 سے طرح طرح کی چیزیں خریدیں، اور تاجر نفع اندوز ہوں، پھر ان کا مال بڑھے
 تاکہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو، اور وہ مجھے صدقہ دیں“ مجھے اس کا یہ چلانا اور
 ڈنڈے کا میرے منہ کے سامنے کرنا بہت ناگوار ہوا، کیوں کہ قریب تھا کہ میں دریا
 میں گر جاؤں، میں نے اس سے کہا، ”اے شخص تو جو کچھ کہ رہا ہے وہ سب بکواس
 ہے، جو کچھ مانگتا ہے اللہ سے مانگ۔ ایسی بے ٹکی باتیں نہ کر، یہ سب باتیں بے کار
 ہیں۔ لوگ اس بات پر ہنس پڑے اور آپ کے آدمی نے میرے زندقہ کی خیر
 آپ تک پہنچادی“

ہمدی یہ بات سن کر ہنسا، اور کہا، ”اسے چھوڑ دو، نہ اسے کوڑے لگاؤ،
 نہ اسے قید کرو“

مطیع نے کہا، ”میں اس حالت میں آپ کے پاس آیا کہ آپ برہم تھے اور
 جا اس طرح رہا ہوں کہ آپ خوش ہیں۔ جو تہمت مجھ پر لگائی گئی تھی وہ دھل
 چکی ہے، کیا میں بے انعام چلا جاؤں؟“

ہمدی نے کہا، ”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، اسے دو سو دینار دو، ایلینین

کو ان باتوں کی اطلاع نہ ہو، ورنہ ان کے سامنے اس کے جرائم پھر سے تازہ ہو جائیں گے۔“

مہدی خطبہ میں دکن کے قیام کو مناسب سمجھتا تھا، وہ اس سے خوش تھا کہ وہ منصور کے لیے مہدی کی حدیثیں گھر تاہر، اس نے مطیع سے کہا، ”تم بغداد سے چلے جاؤ، جعفر کے پاس رہنا بھی چھوڑ دو، یہاں تک کہ ابی العزین تمہیں بھول جائیں۔“

”پھر میں کہاں جاؤں؟“

”میں سلیمان بن علی کو خط لکھ دیتا ہوں وہ تجھے کہیں کا منصب دہر بنا دیں گے، اور حسن سلوک سے پیش آئیں گے۔“

”میں بسر و چشم تعمیل ارشاد کے لیے تیار ہوں۔“

مطیع مہدی کا خط لے کر سلیمان کے پاس پہنچا، اس نے بصرے میں اسے صدقات کا بخشی بنا دیا، پہلے اس جگہ پر داؤد بن ابی ہند کام کرتا تھا، وہ معزول کر دیا گیا، اور مطیع بن ایاس کو اس کی جگہ پر مقرر کر دیا گیا!

۱۱۲۲) بھائی بھائی کی محبت

نام متمم بن نویرہ، کنیت ابو نہشل، اس کے بھائی مالک کی کنیت ابو الغوار تھی۔ مالک کو ”فارس ذی النخار“ بھی کہتے تھے، اس لیے کہ اس کے پاس ایک گھوڑا تھا جو ”ذی النخار“ کہلاتا تھا۔

محمد بن سلام کہتے ہیں کہ مالک بن نویرہ، بہادر، شریف اور شاعر تھا اس فن میں اسے امتیاز اور تقدم حاصل تھا۔ اس کی زلفیں بہت بڑی تھیں،

اسے جنوں بھی کہتے ہیں۔ مالک کو جنگِ رذہ میں حضرت خالد بن ولید نے مقام بطح پر قتل کیا تھا۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کا زمانہ تھا، وہ اس زمانے میں بطح ہی میں قیام پزیر تھا، جب سراجؑ نے دعوتِ نبوت کیا تو مالک اس کے ساتھ ہو گیا، پھر اس نے اظہارِ اسلام کیا، مگر حضرت خالد نے اس کی گردن اڑادی صحابہ کرام کی ایک جماعت نے جس میں حضرت عمر فاروقؓ اور ابو قتادہ انصاریؓ بھی شامل تھے۔ حضرت خالد پر اعتراض کیا، اس لیے کہ انھوں نے قتل کے بعد مالک کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔

احمد بن عمران العبدی جو اہل علم میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے اپنے والد کے ذریعے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے فجر کی نماز حضرت عمرؓ بن خطاب کے ساتھ ادا کی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے دیکھا ایک پستہ قد کا نا، بازو میں کمان لٹکائے ہوئے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، انھوں نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" جواب ملا، "تمیم بن نویرہ" حضرت نے فرمایا، "تم نے اپنے بھائی مالک کا جو مرتبہ کہا ہے وہ سناؤ؟" وہ سنانے لگا، یہاں تک کہ وہ ان اشعار پر پہنچا:-

" ایک زمانے میں ہم اس طرح تھے جیسے جذبہ کے دونوں ساتھی۔ یہاں تک کہ کہا جیلے لگا ان میں جدائی نہیں ہو سکتی۔

۱۷ جنگِ رذہ اس جنگ کو کہتے ہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان قبائل کے خلاف شروع کی تھی، جو سرکارِ دو عالم کی وفات کے بعد رکوعِ دین سے منکر ہو گئے تھے۔
۱۸ ایک عورت جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور حضرت ابو بکر سے جنگ کرنا چاہتی تھی۔
۱۹ جذبہ ایک بادشاہ تھا جس کے دو ندیم تھے، جنہیں اس نے کسی حالت میں بھی جدا نہ کرنے کا اہم کیا تھا۔

اور جب ہم جدا ہو گئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اور مالک
اتنی مدت تک ساتھ رہنے کے باوجود گویا ایک رات بھی ایک
ساتھ نہ سوئے تھے۔“

حضرت عمرؓ نے کہا، ”خدا کی قسم یہ ہر مرثیہ کاش میں بھی ایسے اچھے شعر
کہہ سکتا، تو میں بھی اپنے بھائی زید کا ایسا ہی مرثیہ کہتا، جیسا تو نے اپنے بھائی
مالک کا کہا ہے۔“ متمم نے کہا، ”اگر میرے بھائی کی بھی ایسی ہی موت ہوئی ہوتی
جیسی آپ کے بھائی کی ہوئی، تو میں ہرگز مرثیہ نہ کہتا۔“ زید جنگِ یمامہ میں شہید
ہوئے تھے۔ امیرِ حبشہ حضرت خالد بن ولیدؓ تھے، حضرت عمرؓ نے کہا، ”میرے
بھائی کی کسی نے ایسی بہتر تعزیت نہیں کی، جیسی متمم نے کی۔“ حضرت عمرؓ فرمایا
کرتے تھے، ”یہ امر کی جانب سے جب ہوا کے جھونکے آتے ہیں تو مجھے ایسا
خیال ہوتا ہے گویا مجھے میرے بھائی زید کی ہلک آ رہی ہے۔“

متمم سے کہا گیا، ”بھائی کے غم میں تیرا کیا حال ہے؟“ اس نے جواب
دیا، ”بیش برس تک میری آنکھوں سے آنسو کا کوئی قطرہ نہیں ٹپکتا تھا لیکن
جب میرا بھائی قتل ہوا تو آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگی جوڑکنے میں نہیں آئی۔“
حضرت عمرؓ نے متمم بن نویرہ سے کہا، ”کیا مالک بھی تم سے اتنی ہی
محبت کرتا تھا جتنی تم اس سے کرتے ہو؟ کیا وہ بھی تمہارا ساتھی تھا؟“ اس نے
جواب دیا، ”کہاں مالک کہاں میں؟ میں اس تک کہاں پہنچ سکتا ہوں؟ خدا
کی قسم، امیر المومنین، ایک دفعہ ایک عرب قبیلے نے مجھے قید کر لیا، ریتوں
سے جکڑ دیا، اور اپنے صحن میں ڈال دیا۔ میرا یہ حال مالک کو معلوم ہوا، وہ
فوراً اپنے اونٹ پر بیٹھا اور اہل قبیلہ تک پہنچ گیا۔ وہ لوگ اپنی مجلسوں
میں بیٹھے ہوئے تھے، جب اس کی نظر مجھ پر پڑی، تو اس نے میری جانب

سے نگاہ پھیرنی۔ قبیلے کے لوگوں نے اسے دیکھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں سمجھ گیا اس کا ارادہ کیا ہے؟ اس نے انھیں سلام کیا، باتیں کیں، ہنسی مذاق کیا، اشعار سنائے، خدا کی قسم وہ ایسا ہی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو اس نے بے انتہا طرب اندوز کر دیا۔ اتنے میں ناشتہ آگیا، انھوں نے اس سے بھی اصرار کیا۔ وہ سواری سے اتر پڑا، اور ٹریکبک دسترخوان ہو گیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا، اور کہا، "یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم تو بیٹھ کر کھانا کھائیں اور یہ جو آدمی ریتوں میں جکڑا پڑا ہے، یہ ہمارے ساتھ نہ کھائے۔ یہ کہہ کے اس نے کھانے سے ہاتھ اٹھالیا، لوگوں نے یہ دیکھا تو اٹھے اور پانی لاکر میری ریتوں پر ڈال دیا، تاکہ وہ نرم پڑ جائیں، پھر گرہیں کھولیں، اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا، جب ہم لوگ کھانا کھانے لگے تو مالک نے ان لوگوں سے کہا، کیا اس آدمی کا ہمارے ساتھ کھانا کھانا اور بیٹھنا باعثِ حرمت نہیں ہے؟ یہ تو اب بہت ہی بُری بات ہوگی، اگر اسے پھر جکڑ دیا جائے، انھوں نے مجھے رہا کر دیا۔ تو میرے بھائی کا یہ حال تھا میں نے اس کے صفات کے بیان میں کوئی غلط بات نہیں کہی ہے، سو اس کے کہ جو کچھ کہا ہے کم کہا ہے، حالاں کہ وہ اس سے زیادہ کا مستحق تھا۔

محمد بن جعفر الصیدلانی النحوی کہتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے اور مدینے کے درمیان سفر میں تھے کہ ان کے سامنے ایک اعرابی آگیا۔ وہ دونوں ٹھہر گئے کہ یہ گزر جائے۔ وہ بھی ٹھہر گیا، پھر وہ دونوں تیز تیز چلنے لگے تاکہ اس سے آگے نکل جائیں، وہ بھی تیز تیز چلنے لگا۔ انھوں نے اس سے کہا "کیا بات ہے اعرابی، ہم تیز چلنے لگے کہ تجھ سے آگے نکل جائیں تو تو بھی تیز چلنے لگا۔ ہم ٹھہر گئے کہ تو گزر جائے تو تو بھی ٹھہر گیا۔" اس نے کہا،

”لا الہ الا اللہ خدا آپ کے دشمنوں کو فنا کرے، کیا اصحابِ محمدؐ کے ساتھ دھوکا کیا جاسکتا ہے؟ مجھے امدیشہ ہوا کہ میں گمراہ نہ ہو جاؤں۔ مجھے یہ اچھا معلوم ہوا کہ آپ سے رہ نمائی حاصل کروں، یا یوں سمجھے کہ مجھے وحشت سی معلوم ہوئی، تو آپ کا مونس اور دم ساز بن جانا چاہا۔“ حضرت طلحہؓ نے پوچھا، ”تم کون ہو؟“ اس نے کہا، ”میں متمم بن نویرہ ہوں“ حضرت طلحہؓ نے کہا، افسوس تو نے ہمیں بے وجہ طوں کر دیا، اپنے بھائی کے غم میں تو نے جو شعر کہے ہیں ان میں سے کچھ سنا“

متمم کی شادی ام خالد سے ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ وہ اپنی ران پر سر جھکائے بیٹھا تھا کہ رونے لگا۔ ام خالد نے کہا، ”تو بہ اکیا تم اپنے بھائی کا غم کبھی فراموش نہیں کرو گے؟“ وہ کہنے لگا۔

”جب وہ مجھے رونے سے منع کرتی ہے تو میں اس سے کہتا ہوں، ام خالد۔ کیا تو مجھے مالک پر رونے سے منع کرتی اور ملامت کرتی ہے؟“

اگر میرے بھائیوں کو مصیبت پہنچی (یعنی مر گئے) اور تاک میں رہنے والی موت نے تیری ماں کے بیٹوں کو چھوڑ دیا،

تو ہر ماں کا بیٹا ایک رات ایسا ہو جائے گا کہ ایک کے سوا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔“

(۱۴۳) معاصرانہ بلند جو صلگی !

اسحق کا بیان ہے کہ میں فضل بن یحییٰ کے دروازے پر موجود تھا کہ میرے پاس تیلی شاعر ایک کاغذ پر قصیدہ لکھ کر لایا، مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے فضل تک پہنچا دوں۔ میں نے قصیدہ پڑھا، اور اسے چاک کر ڈالا۔ ابو محمد کو اس پر غصہ آیا، اس نے مجھ سے کہا، ”کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوا کہ تم نے میری ضرورت کا استخفاف کیا؟ اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ میں اپنی ضرورت تمہارے سوا کسی اور کے سامنے پیش کر سکوں؟“ میں نے کہا، ”میں اس کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ تمہارے لیے کارآمد ہوں“ پھر میں فضل کے پاس گیا، جب ہم دونوں میں گفتگو شروع ہوئی، تو میں نے کہا، ”میرے پاس ایک تحفہ ہے، اور اس کا مالک باہر کھڑا ہے“ یہ کہہ کے میں نے اسے وہی قصیدہ سنا دیا۔ فضل نے پوچھا، ”یہ تم نے یاد کیوں کر کر لیا؟“ میں نے کہا، ”اس نے ابھی دروازے پر مجھے اپنا قصیدہ دیا، میں نے فوراً اسے یاد کر لیا“ اس نے کہا، ”اُسے فوراً بلواؤ“ میں نے کہا، ”اذن باریابی مرحمت فرمائیے“ فوراً اس کی

سہ نام عبداللہ بن ایوب، کنیت ابو محمد، مولیٰ بنی تیم، اس کا ایک بھائی تھا جس کا نام ابوالیمان تھا، دونوں شاعر تھے، یہ کوفے کے رہنے والے تھے، یہ دولت عباسیہ کے شعراء تھے، عبداللہ نے شراب کے وصف و ستائش میں بہت سے شعر کہے ہیں، یہ ابراہیم موصلی اور اس کے بیٹے اسحق کا دوست اور ندیم تھا۔ آخر میں یہ یزید بن مزید کے دشمن اور اس سے متعلق ہو گیا تھا۔ اس کی وفات تک یہ اس کے ساتھ رہا، یزید کے بعد اس نے شعر کہنا ترک کر دیا، اگر کچھ کہا بھی تو شراب کی تعریف میں۔

حاضری کا حکم صادر ہوا، فضل نے اس سے واقعہ پوچھا، اس نے سارا ماجرا کہہ دیا، پھر فضل نے اس سے کہا، ”مجھے اپنے کچھ شعر سناؤ“ اس نے تعمیل ارشاد کی۔ جو شعر وہ سنانا تھا میں بھی اسے دہراتا جاتا تھا اور تعریف کرتا جاتا تھا۔

جب تیمی چلا گیا، میں نے کہا، ”اس آدمی کی ضرورتیں پوری کیجیے“ فضل نے کہا، ”اگر تم اس سے دل چسپی لیتے ہو تو میں حکم دیتا ہوں کہ اسے پانچ ہزار درہم دیے جائیں“ میں نے عرض کیا، ”جب آپ نے رقم کم دی ہے تو جلدی عطا کیجیے“ اس نے حکم دیا، اور رقم سامنے لا کر رکھ دی گئی۔ میں نے کہا، ”میں نے آپ کے سبب جو زحمت اٹھائی اس کا کچھ بھی صلہ نہیں؟“ اس نے کہا، ”کیوں نہیں؟“ میں نے کہا، ”تو لائیے“ اس نے کہا، ”تمہاری اس زحمت سے مجھے اتنا فائدہ نہیں ہوگا، جتنا تمہیں اس شاعر کی مدح سے ہوگا“ میں نے کہا، ”اچھا، جو آپ کا جی چاہے وہی دیجیے“ فضل نے تین ہزار درہم کا حکم صادر کیا، میں نے یہ رقم پانچ ہزار درہموں میں ملا کر سب کی سب تیمی کو دے دی۔

(۱۴۴) ابومسلم خراسانی اور ایک شاعر

روایت بن العجاج کی روایت ہے کہ جب خلافت بنی ہاشم کی طرف منتقل

لے روایت بن العجاج بن روایت کنیت ابوالعجاج، عہدِ اسلامی کا بہترین۔ جزگو تھا، اس کی نصاحت و بلاغت مسلم ہے، بنی امیہ اور بنی عباس کی اس نے مدح کی ہے۔ یہ دونوں عہد اس کی نظروں سے گزرے تھے، منصور کے زمانے میں اس نے وفات پائی، علمائے لغت اس کے کلام سے مدلاتے ہیں، اس کی پیروی کرتے ہیں (بقیہ نوٹ ص ۱۴۳ پر)

ہو گئی، تو ابو مسلم نے مجھے بلایا، جب میں اس کے پاس پہنچا، تو اس نے مجھے سرسیدہ پایا، اس نے کہا:-

"گھبراتے کیوں ہو؟ کوئی اندیشہ کی بات نہیں، مطمئن رہو"

"مجھے آپ سے اندیشہ معلوم ہوتا ہے؟"

"کیوں؟"

"مجھے معلوم ہوا ہے آپ لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں"

"میں اسی کو قتل کرتا ہوں، جو مجھ سے مقاتلہ کرتا ہے، جو میرے قتل کا ارادہ

کرتا ہے، کیا تم بھی اُنھی میں ہو؟"

"ہرگز نہیں"

"پھر بھی تمہیں اندیشہ ہے؟"

"جی نہیں"

پھر وہ اپنے ندیموں کی طرف ہنستا ہوا مخاطب ہوا، اس نے کہا، "ابو العجاج

ہم سے خوف زدہ ہو گیا، پھر اس نے کہا، "ذرا اپنا یہ شعر

(۳۱) کا بقیہ نوٹ، ۱ سے اپنا نام سمجھتے ہیں، رو بہ اور اس کے والد عجاج کا دیوان

میں برلن سے شائع ہوا

۱ ابو مسلم خراسانی، یہی شخص ہے، جس نے بنو امیہ کا زور توڑا اور بنو عباس کو

برسرِ اقتدار کیا۔ بڑا ظالم اور سنگ دل آدمی تھا۔ اس کا کوڑا اس کی تلوار تھی، اس نے

ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا، اس تعداد میں وہ آدمی شامل نہیں ہیں جو اس کے ہاتھوں ہلاک ہوئے

اور شورشوں میں قتل ہوئے۔ جب ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے اپنی حکمتِ عملی اور سیاست

آفرینی سے اسے ایسا پھنسا یا کہ اسے قتل کر کے دم لیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ

” قائم الاماں خادى المختوق ” تو سناؤ ” میں نے کہا، ” خدا آپ کو سنوارے
 ارشاد ہو تو اس سے ہر سناؤں ؟ ” اس نے کہا، ” ہاں ہاں کیا مضائقہ ہے ؟ ”
 میں نے اسے سنایا :-

” وہ معاملات کو نہایت چستی سے انجام دیتا ہے، انھیں قابو
 میں لے لیتا ہے، اور انھیں ہر طرح سے گھیر لیتا ہے۔
 وہ اتنا چست تھا کہ آگ سے ہاتھ نہیں تاپتا تھا، (یعنی
 آرام نہیں کرتا تھا) یہاں تک کہ اُس نے حکومت کو مضبوط و
 مستحکم کر لیا۔

اور مروان اپنے نچتر پر سوار ہو بھاگ کھڑا ہوا :-

ابو مسلم نے کہا، ہاں یہ تو ہو گیا، اب وہ سناؤ، جس کی میں نے فرمائش
 کی تھی ” میں نے یہ قصیدہ سنایا جب میں اس مصرعہ ” یومی الجلا مید بجمود
 مدق ” پر پہنچا، (یعنی وہ اپنے مضبوط گھروں سے زمین پر ٹاپیں مارتا ہے) تو اس
 نے کہا، ” خدا تجھے غارت کرے، تو نے گھر والے جانور کو بہت مضبوط بنا دیا،
 شاید تجھے یہ کافی ہو کہ میں ہی وہ گھر والا جانور ہوں۔“

پھر اس نے ایک رومال طلب کیا، جس میں بہت سے رُپے تھے، رومال
 میرے سامنے رکھ دیا گیا، ابو مسلم نے کہا، ” اے رُو بہ، تو ہمارے پاس آیا، مال
 تھوڑا ہے، لیکن اس طرح تیرا تھوڑا بہت راستہ ہماری طرف نکل آیا ہے، ہم پر
 اس کا بدلہ ضروری ہے، زمانہ نازک اور خراب ہے۔ اس نے تو ہمارے اور تمھارے
 مابین ایک رُکاوٹ پیدا کر دی ہے۔“

رُو بہ کا بیان ہے، ” میں نے رومال لے لیا، خدا کی قسم میں نے کوئی
 عجمی ابو مسلم خراسانی سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کلام،

(جو اس نے فرمائش کر کے سنا تھا) میرے اور میرے والد کے سوا کوئی نہیں
 سمجھ سکے گا۔

(۱۲۵) ابوتمام

ابوتمام، حبیب بن ادس طائی قبیلہ طر کے نہایت ہی شریف اور ممتاز
 آدمیوں میں تھا۔ اس کا مولد و منشا ایک گانو، جاسم تھا، جو بیچ کے قریب واقع
 تھا۔ بہت ہی مقبول عام شاعر تھا، تیز فہم اور دقیق المعانی تھا، شکل باتوں
 کو اپنے لیے آسان بنا لیتا، جن کا حاصل کرنا دوسروں کے لیے مشکل تھا۔ اپنے
 پیش رو شاعر کی طرح وہ بھی منضاد معانی کو اپنے اشعار میں بہ حسن و خوبی باندھتا
 تھا، اگرچہ انھی منتقدین نے اس فن کا (جس کا نام مطابق ہے) کا آغاز کیا، اور
 اس میں کچھ کہا بھی، لیکن اس فن میں زیادہ گوئی کی فضیلت ابوتمام ہی کو حاصل
 ہوئی۔ اس کے اشعار کچھ متوسط درجے کے ہیں، کچھ منبذل بھی ہیں، اس فن
 کی ہر منزل پر روانی کے ساتھ چلنا اسی کا حصہ ہے۔ اس کے بہترین اشعار میں
 سے ایک شعر تک بھی کوئی نہیں پہنچ سکا۔ ہمارے اس زمانے میں جو اسے
 مانتا ہے وہ تو اسے اتنا بڑھا دیتا ہے کہ سلف و خلف سب پر اسے فضیلت
 دینے لگتا ہے۔ جو لوگ اس کی پستیوں کے قائل ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ اس
 کی لغزشوں کو مشہور کرتے ہیں، اس کی خوبیوں کو چھپاتے ہیں، اور اس
 باب میں بد مزگی اور جھگڑے تک لوبت پہنچ جاتی ہے۔ جو ان باتوں سے ناواقف
 ہو وہ تو یہی کہے گا کہ یہ لوگ جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں، وہ علم و ادب سے ناواقفیت
 کی بنا پر کرتے ہیں، ورنہ یہ کش مکش جو جاری ہے وہ اپنی سر بلندی اور سرگروہی

وہ اچھا ہونے کے باوجود اپنے تئیں اچھا نہیں سمجھتا، اس شخص کی طرح نہیں جو اپنے کلام اور اولاد پر والہ و شیدا رہتا ہے۔“ اگر اس نے بڑے کو بڑا سمجھا ہوتا اور اپنے شعر پر مفتون نہ ہو جاتا تو ہم اس کے "اعتذار" سے بے نیاز ہوتے۔ بلاشبہ ابو تمام کو ان رؤسائے اور شعرائے اور بڑے بڑے لوگوں نے ترجیح دی، جن کی گردنک بھی یہ ٹمکتہ چیں نہیں پہنچ سکتے۔

لوگوں نے اس کے بعد اس کا سا کسی کو بھی نہیں دیکھا، حالانکہ اس جیسا پانے کی انھوں نے کوشش بہت کی۔ اگر راویوں نے اس کی موافقت اور مخالفت میں دلائل قائم کیے ہوتے، اگر اس کے ماننے والوں نے اس کے اچھے اشعار کی تشریح میں مبالغہ نہ کیا ہوتا، اور اس کے دشمنوں نے اس کے معتدل اور پست کلام کی تنقیص میں زیادتی نہ کی ہوتی، تو میں ایک پہلو پر کچھ روشنی ڈالتا، لیکن اس بارے میں اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ اب کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۳۶) ابو تمام اور عبد اللہ بن طاہر

محمد بن عباس الیزیدی کی روایت ہے کہ مجھ سے میرے چچا فضل فرماتے تھے کہ جب عبد اللہ بن طاہر خراسان میں تھا تو ابو تمام اس کے پاس گیا، جلا کا موسم آگیا، اور وہ ابھی وہیں تھا، شہر مارے سردی کے اٹھ گیا، عبد اللہ اس سے کچھ برہم تھا، انعام و اکرام دینے میں لیت و لعل سے کام لے رہا تھا، اس لیے کہ اس نے ایک دفعہ اسے ایک ہزار دینار دیے تھے مگر اس نے ان

قائم کرنے کے لیے ہو۔ حقیقت یہ ہے جس سے کچھ غلطیاں ہوں، اور زیادہ تر اچھا نیا صادر ہوں، تو اس کی غلطیوں پر اس کی اچھائیاں ہی غالب رہیں گی۔ اگر کوئی شخص غلطی کرتا ہے، پھر اس سے کوئی نیک کام سرانجام پاتا ہے تو اسے اچھا کام کرتے وقت یہ نہیں کہیں گے کہ تو نے غلطی کی، نہ اس کی بُرائی کریں گے۔ اگر اس نے کوئی معقول بات کہی ہو تو اعتدال اور توسط ہر حالت میں بہتر ہے، حق اس کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

بعض شعرا سے روایت کی جاتی ہے کہ ابو تمام نے ایک شاعر کو اپنا سب سے اچھا قصیدہ سنایا، اس کا ایک شعر ذرا گرا ہوا تھا، شاعر نے اس سے کہا، "ابو تمام اگر تو نے یہ شعر نکال دیا ہوتا تو تیرا یہ قصیدہ بالکل بے عیب ہو جاتا" ابو تمام نے کہا، "خدا کی قسم میں بھی تمہاری طرح جانتا ہوں کہ وہ شعر اچھا نہیں ہے، لیکن شاعر کے نزدیک شعر کی حیثیت اولاد کی سی ہوتی ہے، اس میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی ہوتے ہیں، سعادت مند بھی ہوتے ہیں اور نالائق بھی ہوتے ہیں، لیکن باپ کو سب کے سب عزیز ہوتے ہیں۔ وہ اگرچہ لائق سے محبت کرتا ہے، لیکن نالائق سے نفرت بھی نہیں کرتا۔ وہ اگرچہ بہتر کی زندگی کا جو یا رہتا ہے، لیکن پس ماندہ کی موت بھی نہیں چاہتا" ابو تمام کا یہ عذر اس اصول کے خلاف ہے، جس کا اس نے اپنے اس قصیدہ مدحیہ میں ذکر کیا ہے، جو اس نے دائق باللہ کی شان میں کہا تھا:۔

"تیرے پاس زبان سے پرویا ہوا ہار آئے گا، دو لڑکیوں

والا، جس میں عمدہ چمک دار موتی ہوں گے۔"

اس کی چرب زبانی نے اسے بہت تیز طرہ بنا دیا ہے،

جب کلام کا کنواں سوکھ جاتا ہے، وہ اسے پھر جاری کر دیتا ہے،

میں ہاتھ بھی نہیں لگایا، وہ اپنے تئیں اس سے بالا سمجھتا تھا۔ عبداللہ کو ابو تمام کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا، اس نے کہا، ”یہ میری بخشش کی حقارت کرتا ہے، اور مجھ پر بالا رہنا چاہتا ہے،“ پھر وہ اس کے پاس یکے بعد دیگرے رات بے یچھے لگا، جس پر ابو تمام نے کہا:-

” نہ بچا گرمی کے لیے کوئی کھنڈر نہ پُرانا مکان نہ نیا کپڑا،
نہ پُرانا کپڑا کہ پہنا جائے۔“

آنسوؤں کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ گرمی گزارنے کے
مقام پر رویا جائے، جس طرح نوجوانی پر، بچپن کے کھیل پر
اور عشق بازی پر رویا جاتا ہے۔

اچھا زمانہ گزر گیا، اور اس کی خوبیاں بھی۔ اس کی بُرائیاں
باقی رہ گئیں، جو ہمارے لیے بُرا بدل ہے۔“

یہ اشعار ابو العثمیل تک بھی پہنچے، جو عبداللہ بن طاہر کا خاندانی شاعر
تھا، وہ ابو تمام کے پاس آیا، اور عبداللہ بن طاہر کی جانب سے معذرت
کی۔ اس نے خود بھی عبداللہ کو سخت شست کہا، اور جو وہ چاہتا تھا، وہ
اسے دیا، پھر وہ عبداللہ بن طاہر کے پاس آیا، اور کہا، ”اے امیر کیا تو ابو تمام
جیسے شخص کے ساتھ بد سلوکی کرتا ہے؟ اس پر زیادتی کرتا ہے؟ خدا کی قسم اگر وہ
اتنا بلند پایہ نہ ہوتا تو بھی اس کا شر اس قابل تھا کہ اس سے ڈرا جاتا۔ اس کی
بُرائی سے بچا جاتا، آپ جیسی ہستی کے لیے ضروری تھا کہ اس سے رعایت کرتی،
اس کی نگہداشت کرتی۔ وہ اپنے وطن سے آپ کے پاس آیا ہے، گھر بار چھوڑ کے
وہ آپ کے پاس اپنی آرزوؤں کا پشتارہ لے کر پہنچا ہے، اپنی سواری کو آپ
کی طرف ہنکاتا ہوا، اپنے دماغ اور خیال کو آپ سے لگائے ہوئے وہ آیا۔“

آپ پر واجب تھا کہ اس کا حق پورا پورا ادا کرتے یہاں تک کہ وہ خوش خوش رہتا
جاتا، اگر وہ فائدہ اٹھا کر نہ جاتا، تو آپ کے بارے میں وہ یہ نہ کہتا۔
تقول فی قومس صحیحی، وقد اخذت منالسیرى وخطی المہربیة القود
المظلم الشمس تبغی ان تویم بنا فقلت کلا و لکن مظلم الجود
عبداللہ نے اس سے کہا، "تو نے مجھے تنبیہ کی بہت اچھا کیا۔ تو نے
اس کی سفارش بھی بڑے تکلف سے کی، کچھ تو برہم بھی ہوا، اور رحمت بھی
اٹھائی، تجھے اور ابو تمام کو میری خوش نودی مزاج حاصل ہے۔" — ۱۵
غلام! ابو تمام کو حاضر کر، غلام نے ابو تمام کو بلایا، عبداللہ نے اس روز اس
سے مجلس گرم رکھی، پھر اسے دو ہزار دینار اور اونٹ انعام میں دیے، خلعت
فاخرہ سے بھی اسے نوازا، اور بہت سی چیزیں دیں، ایک محافظ ساتھ کر دیا،
کہ اس کے حدود ریاست تک اس کو پہنچا دے۔

(۱۴۷) ابوخیلہ

ابوخیلہ کنیت نہیں نام ہے، اس کی دو کنیتیں تھیں، ایک ابوالحنید دوسری
ابوالعراس اسے اس کے والد نے عاق کر دیا تھا، اور اپنے گھر سے نکال دیا تھا
یہ شام کی طرف روانہ ہوا، وہاں اس وقت تک مقیم رہا جب تک باپ کا
انتقال نہ ہو گیا، پھر واپس آیا، لیکن اس کا نسب ہمیشہ مشکوک سمجھا جاتا رہا۔
لہ ابوخیلہ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ بعض روایتوں کے مطابق اس کی پیدائش، ایک
درخت کی جڑ کے پاس ہوئی تھی، ایک روایت یہ بھی ہے اس نے کھجور کا ایک درخت لگایا
تھا، اور اس سے بہت محبت کرتا تھا۔

رجز گوئی میں اسے زیادہ ملکہ حاصل تھا، اس نے قصائد بھی کہے ہیں، لیکن بہت زیادہ نہیں۔ جب یہ شام گیا تھا تو سلمہ بن عبد الملک کے ساتھ ہو گیا تھا۔ سلمہ نے اس سے بہت اچھا سلوک کیا، اس پر احسانات کیے، اسے یکے بعد دیگرے خلفا کی بارگاہ تک پہنچایا، ان سے انعامات دلوائے، خلفا کی عنایت و کرم نے اسے بے نیاز کر دیا۔ اس کے باوجود اس نے ان کے ساتھ کچھ زیادہ وفاداری نہیں کی۔ یہ بنو ہاشم کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو گیا، اپنے تئیں "شاعر بنی ہاشم" کہنے لگا، خلفاء بنی عباس کی اس نے خوب خوب مدح کی۔ بنی امیہ کی اس نے ہجو کی اور بہت زیادہ کی، یہ لالچی بھی بہت تھا، اسی لالچ کے سبب اس نے خلیفہ منصور کی شان میں ایک قصیدہ کہا، جس میں اسے ترغیب دی کہ عیسیٰ بن موسیٰ کا حق مسوخ کر دے، اور اپنے بیٹے محمد المہدی کو اپنا ولی عہد بنائے۔ منصور نے اس صلے میں اسے دو ہزار درہم عطا کیے، اور حکم دیا کہ اپنا قصیدہ عیسیٰ بن موسیٰ کی ویرگی میں سنائے، اس نے ایسا ہی کیا، عیسیٰ نے اسے پکڑنا چاہا، لیکن یہ بھاگ کھڑا ہوا، اس کی تلاش میں عیسیٰ نے اپنا غلام دوڑایا، جس نے اسے خراسان میں پکڑا، اور وہیں ذبح کر دیا، اور اس کے چہرے کی کھال اُتاری۔

بیجی بن نجیم کہتے ہیں جب ابو نخیلہ کو اس کے باپ نے اپنے ہاں سے نکال دیا، تو یہ تلاشِ معاش میں نکل کھڑا ہوا، بادیہ میں اس نے تربیت حاصل کی۔ یہاں تک کہ یہ شعر کہنے پر قادر ہو گیا، یہ رجز بہت اچھا کہتا تھا، قصیدے بھی اس کے بہت خوب ہوتے تھے۔ بہت جلد اس کی یہ خصوصیت مشہور ہو گئی، اس کے شعر دیہاتوں اور شہروں تک پہنچ گئے، لوگ ان سے روائے بھی کرنے لگے۔

پھر یہ مسلمہ بن عبدالملک کے پاس پہنچا، اس نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، مال و دولت سے نوازا، اس کی سفارش کی، اور اسے ولید بن عبدالملک تک پہنچا دیا، اس نے اس کی تعریف میں قصائد لکھے اسی کے دامنِ کرم سے پیٹا رہا، اس نے اسے فکرِ دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا۔

یہی بن نجیم کہتے ہیں، مجھ سے ابو خیلہ نے بیان کیا کہ میں مسلمہ کے پاس گیا، میں نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا۔

”ای مسلمہ! خلفاء کے فرزند! ای میدانِ جنگ کے سوزا،

ای زمین کے کوہِ وقار!

میں تیرا شکر جالاتا ہوں، کیوں کہ شکر تقویٰ کا ایک

ذریعہ ہے، تیرا ہر ممنونِ کرم تیرا شکر گزار نہیں ہے۔

جب میں تیرے پاس ملنے کے لیے آیا تو تو نے مجھے

ایک لمبا چوڑا لحاف دیا، (اپنی بخشش کا)

تو نے مجھے مشہورِ عام کر دیا، اگرچہ میں پہلے بھی کم مشہور

نہیں تھا، لیکن بعض شہرتیں پھیلی شہرتوں سے اچھی ہوتی ہیں“

ابو خیلہ کا بیان ہے کہ مجھ سے (یہ اشعار سن کر) مسلمہ نے کہا۔

”تم کس قبیلے سے ہو؟“

”بنی سعد سے“

”بنی سعد والوں کو قصیدے سے کیا تعلق؟ وہ تو رجز کہنا جانتے ہیں“

”خدا کی قسم عرب میں سب سے بہتر رجز گو، میں ہوں“

”اپنے رجز میں سے کچھ مجھے سناؤ“

جب اس نے یہ فرمائش کی تو خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا تھا، گویا میں

نے کبھی کوئی رجز کہا ہی نہیں ہے، جو کچھ میں نے کہا تھا، اللہ نے سب بھلا دیا تھا۔ اُس وقت مجھے نہ اپنا کوئی رجز یاد آ رہا تھا نہ کسی دوسرے کا۔ بس رُو بہ کا قصیدہ رجز یہ یاد آ رہا تھا، جو اس نے اسی سال کہا تھا مجھے خیال ہو یا یہ ابھی سلسلہ تک نہیں پہنچا ہوگا، میں نے اسے وہی سُنا دیا۔ وہ سُر جھکائے سُنتا رہا، میں رُک رُک کے سُنتا رہا، پھر اس نے میری طرف سُراٹھا کر کہا، اپنے تئیں زیادہ تکلیف مت دو، میں اسے تم سے پہلے سے جانتا ہوں“

میں سلسلہ کے پاس سے واپس چلا آیا، اس احساس کے ساتھ کہ گویا میں اس کے نزدیک سب سے جھوٹا آدمی ہوں، اور اپنی نگاہ میں بے انتہا رُسوا کچھ عرصے کے بعد میں نے اپنی اس کم زوری پر قابو حاصل کر لیا، میں نے بہت سے رجز یہ اشعار میں اس کی مدح کی، پھر اس نے میری منزلت پہنچانی، اور اپنے مقربین میں شامل کر لیا۔

میں نے اس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی، خدا اس پر رحم کرے، نہ اس نے مجھے کوئی تکلیف پہنچائی، یہاں تک کہ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

(۱۴۸) ہشام اور ابوخیلہ

اصمعی کی روایت ہے، ابوخیلہ بیان کرتا تھا، ”میں ہشام بن عبدالملک کے پاس گیا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ سلسلہ کا انتقال ہو گیا۔ میں تھا پردیسی، مجھے معلوم نہیں تھا ہشام کے اخلاق و عادات کیا ہیں؟ میں نے اس کے بعض خصوصیات و مقربین کی جستجو کی۔ مجھے بتایا گیا، دو آدمی اس کے ہاں بڑی

منزلت رکھتے ہیں، ایک تو قبیلہ قیس کا ایک فرد ہے اور دوسرا یعنی ہے۔ میں چُپ چُپائے قیسی کے ہاں پہنچا، میں نے اپنے دل میں کہا، یہ ان دونوں میں مجھ سے زیادہ قریب ہے، اور میری موافقت کا زیادہ مستحق ہے۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا، پھر میں نے اپنا ہاتھ اس کے بازوؤں پر رکھا اور کہا، ”میں آپ ہی کی تلاش میں تھا، تاکہ آپ کے رحم و کرم سے بہرہ یاب ہوں۔ میں ایک پر دیسی ہوں، آپ کا ہم قبیلہ ہوں، شاعر ہوں، میں خلیفہ کے اخلاق و عادات سے ناواقف ہوں، میری التجا ہے کہ آپ میری رہ نمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ نیز یہ کہ آپ میری سفارش کیجیے اور اس تک مجھے پہنچا دیجیے۔“

اس نے کہا، ”میں آپ کی سب باتیں پوری کروں گا، ہشام ذرا سخت گیر آدمی ہے، نہ ویسا جیسا اس کے دوسرے خاندان والوں کو تم نے سُن رکھا ہے۔ جب اس سے سوال کیا جائے، یا اس کی مدح میں طلب شامل کر دی جائے تو طالب ناکام رہتا ہے، اس کی مدح کرو تو صرف اسی کے متعلق کہو پھر وہ تمہیں مال مال کر دے گا۔ کل تم وہاں آؤ، میں دروازے پر تمہارا انتظار کروں گا، اور اس تک پہنچا دوں گا، خدا تمہاری مدد کرے۔“

دوسرے روز خلیفہ کی بارگاہ پر حاضر ہوا، وہ آدمی میرا منتظر کھڑا تھا، وہ مجھے ہشام کے پاس لے گیا، وہاں ابو انجم بھی تھا، جو مجھ سے پہلے پہنچ گیا تھا۔ آغاز اسی لے گیا، اس نے اپنا قصیدہ شروع کیا:-

”ہشام اور مروان کے وصف میں یہ دو شعر ایسے ہیں، جن کا

کوئی مثل نہیں۔

۱۔ ابو انجم ابوعلی اس کا نام ”المفضل“ تھا، بعض لوگ اس کا نام فضل بن قدار بھی

بتاتے ہیں، عہد اسلام کا بہترین رجز گو تھا۔

تیرے دونوں ہاتھ سخاوت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے
ہیں جس طرح گھوڑا دور کے گھوڑے کا مقابلہ کرتے ہیں۔
میں زمانے کی مصیبتوں کا شکار ہوں، قیمتی غلام تک میں
نے فروخت کر دیے۔

بہت ہی کم قیمت پر میں نے گھوڑوں اور گھوڑوں کے
پٹھوں کو بھی بیچ دیا۔“

ابوالنجم بڑی دیر تک اپنا قصیدہ پڑھتا رہا، اس میں طلبِ حاجت کا
بھی بہت زیادہ اظہار کیا۔ ہشام نے اس اختلاط اور طویل گوئی پر اسے ڈانٹا، اس
کے چہرے سے بد مزگی کے آثار ظاہر ہونے لگے، پھر میں نے اجازت طلب
کی۔ مجھے اجازت ملی، تو میں نے شروع کیا:-
”میں نے سانڈنی سے کہا، تیز چل، وہ چلی، اور خوب تیز

چلی

ان سانڈنیوں نے اپنے لمبے سفر میں رات کا لباس پہن
لیا ہے، جو پڑانی چادر کی طرح ہے۔
سانڈنیاں امیر المومنین کی طرف چلیں، جو سخی ہیں اور قبیلہ
معدہ اور اس کے علاوہ دوسروں کے آقا ہیں۔
اُس نے مغرور اور بہادر کو بلایا، معزز اور شریف، بزرگی
والے اور شرافت والے کو بلایا۔
اس کے چہرے پر خوش بختی کا چاند ہے، نازک موافق پر
سرداری تھی کو زیب دیتی ہے۔
تو ابھی نوجوان تھا کہ تجھے خلافت کا لباس پہنایا گیا، جب

تو کھڑا ہوا تو کڑکنے والا بادل برسنے لگا۔

جب میں آخری شعر پڑھنا پہنچا، تو ارادہ کیا کہ اس سے کچھ طلب کروں لیکن میں کہتے کہتے ٹک گیا، میں نے کہا، ”میں نے ایک شخص سے نصیحت حاصل کی ہے، میں اس کی مخالفت کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ مبادا غلطی میں پھنس جاؤں، اور مجھ سے اس کا التفات ہٹ جائے“ میں نے دیکھا یہ سن کر ہشام کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

جب میں قصیدہ سنا کر نارغ ہوا تو ہشام نے اپنے ندیموں سے کہا، ”یہ سعدی لڑکا، عجمی بوڑھے سے زیادہ اچھا شاعر ہے“ میں باہر چلا آیا، چند روز کے بعد خلافت پناہ کی طرف سے مجھے انعام ملا، کچھ عرصے بعد میں پھر ہشام کے دربار میں حاضر ہوا، اور ایک قصیدہ مدحیہ سنایا۔ اس نے اپنے جہتوں میں سے ایک ریشمی جبت میرے اوپر ڈال دیا، جس کے دامن سمور کے تھے۔ ایک روز اور میں ہشام کے سامنے پہنچا، اس روز سمور اور سُرخ ریشم کا بنا ہوا لباس وہ پہنے تھا وہی اس نے مجھے پہنا دیا۔ پھر تیسری مرتبہ میں اس کے حضور میں حاضر ہوا، اس دفعہ اس نے مجھے کچھ نہیں دیا، یہ مجھے گراں گزرا، میں نے کہا:-

”تو نے مجھے وہ لباس پہنایا جو زرہ کی طرح سخت

ہے، اپنے ان ریشمی کپڑوں سے جو بہ حفاظت رکھے ہوئے تھے۔

میں اس لباس اور لحاف میں ایسا معلوم ہوتا ہوں

جیسے میں جسد شمس اور بنی مناف میں سے ہوں۔

اور ریشم تو چادر ہی کے لیے موزوں ہوتا ہے۔“

ہشام یہ سن کر ہنسا، اپنا ہاتھ مجھے کے اٹھڑا ڈالا، اسے اُتارا اور میری

طرف پھینک دیا، اور کہا، "یہ لے، خدا تجھے یہ مبارک نہ کرے!"
 محمد بن ہشام کا بیان ہے کہ جب خلافت سفاح کو پہنچی تو یہی قصیدہ ابو
 نخیلہ نے اس کی شان میں "منتقل" کر دیا، کچھ تھوڑا سا ردو بدل بھی کر دیا، یعنی
 اسے "دالیہ" قصیدہ بنا دیا، آج ابو نخیلہ کے یہ اشعار، سفاح کی شان میں نظر
 آتے ہیں۔

(۱۴۹) ابو نخیلہ اور ابو العباس

ابو الفیاض بیان کرتے ہیں، ابو نخیلہ ابو العباس کے پاس حاضر ہوا، اگرچہ
 اسے اس کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ وہ جانتا تھا ابو نخیلہ پر مسلمہ نے کیسے کیسے
 احسانات کیے تھے۔ اس نے بنو مروان کی بہت زیادہ مدح کی تھی، لیکن وہ
 جانتا تھا، ابو العباس نے اس سے بہت زیادہ مکر سا زوں اور جرموں کو معاف
 کر دیا تھا، جب ابو نخیلہ اس کے سامنے پہنچا تو اسے سلام کیا، دعائے ترقی و اقبال
 دی، تعریف و ستائش کی، پھر اپنا کلام سنانے کی اجازت چاہی، ابو العباس نے
 پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"آپ کا غلام اور امیر المؤمنین، ابو نخیلہ احماتی"

"خدا تجھے غارت کرے، اور بری طرح راندے ہوئے شخص، کیا گل"

تو نے ہی سلمہ بن عبدالملک کی شان میں نہیں کہا تھا۔

"اور سلمہ اور خلفاء کے فرزند، اور میدان جنگ کے سوزا،"

یہ نسبت ہے، جان کی طرف جو بصرے کا ایک محلہ تھا۔

اگر زمین کے ماہ تاباں!“
 خدا کی قسم اگر میں نے تجھ جیسوں کو اس زورے دیا ہوتا تو تیری آنکھیں تجھے
 خون میں لتھڑا ہوا دیکھتیں، ہمیں تیرے اشعار سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
 تو ہمیں بنو مروان کے فضائل بہت کچھ سنا چکا“
 ابوخیلہ نے کہا، یا امیر المؤمنین:-

”ہم ایسے لوگ تھے جو بادشاہوں سے خوف زدہ رہتے
 تھے، جو اونٹوں اور کشتیوں پر سوار ہوا کرتے تھے
 ایک زمانہ دراز تک ہم آپ کے والد بزرگ وار کی طرف
 نظر امید سے دیکھتے رہے۔ پھر ایک عرصہ تک ہم آپ کے
 برادر بزرگ سے لو لگائے رہے
 اب ہم تجھ سے دامن آرزو باندھے ہوئے ہیں، تیرے
 علاوہ جس کے لیے میں نے جو کچھ کہا،

وہ جھوٹ تھا جسے اس نے مٹا دیا“

ابوالعباس مسکرایا، پھر اس نے ابوخیلہ سے کہا، ”تو شاعر ہے، طالب خیر
 ہے، لوگ ہمیشہ بادشاہوں کی مدح ان کے عہد میں کرتے رہے ہیں، تو بے گناہ
 کو محو کر دیتی ہے، کام یابی حسد کو زائل کر دیتی ہے، ہم نے تجھے معاف کیا، ہم
 تجھ پر مستقل احسان کرتے رہیں گے، اب تو ہمارا شاعر ہے۔ بس تو اس پر قائم رہ،
 تاکہ بنو مروان کی مدح کا داغ تجھ سے زائل ہو جائے، یہ تیری غلطیوں کا کفارہ
 ہو جائے گا۔“

(۱۵۰) ابو نخیلہ کا انجام

عبداللہ بن ابی سلیم مولیٰ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں اس اثنا میں کہیں تنہا ابو الفضل (یعنی سلیمان بن عبداللہ) کے پاس حیرہ اور کوفہ کے درمیان مقیم تھا، وہ منصور کے پاس جانے کا اہادہ کر رہا تھا۔ جس نے طر کر لیا تھا کہ مہدی کو اپنا ولی عہد بنائے، اور عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی منسوخ کر دے۔ وہ اس کام کو بڑی مستعدی سے انجام دینا چاہتا تھا، اتنے میں شاعر ابو نخیلہ مع اپنے دو بیٹوں اور غلام کے سامان لاہے ہوئے آیا اس سے ابو الفضل نے کہا، ”ابو نخیلہ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟“ اس نے جواب دیا، ”میں معبد بن زرارہ کے بیٹے قعقاع بن معبد کے پاس گیا تھا میں نے کچھ شعر کہے تھے جن میں امیر المومنین کو آمادہ کیا گیا تھا کہ مہدی کو ولی عہد بنائیں، اور عیسیٰ بن موسیٰ کو معزول کر دیں۔“

سلیمان بن عبداللہ نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس کے پاس سے چلا جاؤں، مبادا اسے عیسیٰ کی طرف سے کچھ ناشدنی پیش آجائے، مجھ سے سلیمان نے کہا، ”اگر عبداللہ، ابو نخیلہ کو لے جا، اس کی مہمان داری کر، اس سے حسن سلوک کر، میں نے ایسا ہی کیا، سلیمان منصور کے پاس گیا، اور اسے ابو نخیلہ کی خبر دی۔ جس روز بیعت ہوئے والی تھی سلیمان ابو نخیلہ کو لے کر آیا، اور اسے منصور کے حضور میں پیش کیا، ابو نخیلہ کھڑا ہوا، اور اس نے حاضرین کے سامنے اپنا وہ قصیدہ پڑھا، جس میں اس نے کہا تھا:-

”ہمارا ولی عہد عیسیٰ کچھ مبارک و مسود نہیں ہے، تو یہ ولی

عہدی محمد (مہدی) کی طرف منتقل کر دے،
 عیسیٰ کے پاس سے منتقل کر دے، ایک جگہ سے دوسری
 جگہ، یہاں تک کہ تو اسے ایک ہاتھ سے دوسرے تک پہنچا دے۔“
 راوی کہتا ہے: منصور نے ابونخیلہ کو دس ہزار درہم عطا کیے، اور محمد (مہدی)
 کی ولایت عہد کے لیے بیعت لی، عیسیٰ بن موسیٰ اپنے گھر چلے گئے۔ راوی کا
 بیان ہے: مجھ سے داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ بیان کرتے تھے، ہمیں والد نے بلایا،
 اور فرمایا، ”بیٹو، تم نے دیکھ لیا، جس کس طرح نظر انداز کر دیا گیا؟ بتاؤ تم
 کیا پسند کر دے گے یہ کہ تمہیں ایک معزولی کا بیٹا کہا جائے، یا ”مفقود“ کا؟
 ہم نے جواب دیا، ”نہیں! ہم معزول کی اولاد کہلانا پسند کریں گے“ انہوں
 نے کہا، ”بیٹو، تم نے صحیح رائے قائم کی“

مدائنی روایت کرتے ہیں ابونخیلہ نے اپنے اس قصیدے کا خوب
 پرجا کیا، یہاں تک کہ عام و خاص سبکی زبان پر یہ چڑھ گیا، یہ بات منصور کے
 کان تک بھی پہنچی، اس نے ابونخیلہ کو بلوایا، عیسیٰ بن موسیٰ اس کی داہنی
 طرف بیٹھے ہوئے تھے، ابونخیلہ نے سارا قصیدہ سنا ڈالا، منصور نے چپ چاپ
 سارا قصیدہ سُن لیا، ابونخیلہ کا بیان ہے: میں نے منصور کے چہرے پر سرت
 کے آثار دیکھے، پھر اس نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا، ”اگر تم چاہو تو اپنے چچا
 کو خوش کر لو، اس کی بہت زیادہ خوش نودی مزاج حاصل کر لو، جیسے نیک
 بخت لڑکا حاصل کرتا ہو، عیسیٰ نے کہا، ”اس وقت میری سمجھ کام نہیں کرتی،
 نہ میں کوئی صحیح رائے قائم کر سکتا ہوں“

راوی کہتا ہے: ابونخیلہ کا بیان ہے: جب میں واپس ہوا، تو مجھ سے
 عقاب بن شہر ملا۔ اس نے کہا، ”یہ صحیح ہے کہ تم نے امیر المومنین کو اس وقت

خوش کر دیا، بات اگر یہیں پر ختم ہو گئی، تو میری زندگی کی قسم تمہیں اچھا صلہ ملے گا، اور اگر نہ ختم ہوئی، پھر یا تو زمین میں شرنگ تلاش کرنا یا آسمان کے لیے بیڑھی ڈھونڈنا میں نے اس سے کہا، ”اب تو جو ہونا تھا سو ہو چکا۔“

علی بن ابی نخیلہ کا بیان ہے، ابو منصور نے ابو نخیلہ کو حکم دیا کہ خراسان بھاگ جائے، وہاں اسے قطری نے پکڑ لیا، اسے بازو کے بل گرایا، جب چھری اس کی گردن پر رکھی تو اس سے کہا، ”اسی خبیث کیا تو ہی وہ نہیں تھا جس نے کہا تھا، ”اب تو جو ہونا تھا سو ہو چکا؟“ اب بتا کیا ہو گا؟“ اس نے کہا، ”اس ”ہونے“ پر خدا کی پھٹکار میں اس کا ذکر بھی سنا نہیں چاہتا،“ قطری نے اسے ذبح کر دیا، اس کی کھال کھینچی، اس کا دھڑ گدھوں کے لیے چھوڑ دیا، اور قسم کھائی، وہ اپنے گھر جانے کا خیال بھی نہیں کرے گا، یہاں تک کہ درندے اور پرندے اس کا گوشت نہ کھالیں، وہ اس وقت اٹھا، جب اس کی صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں، اور چلا گیا۔

(۱۵۱) دو دوست!

عینید بن حصن کو فہ آیا، اور چندے وہاں مقیم رہا، اس نے کہا، ”جب سے میں اس سرزمین پر آیا ہوں، ابو تور (یعنی عمرو بن معدی کرب) سے نہیں ملا، — اس غلام سواری تیار کر،“ اس نے ایک گھوڑی پر زین لے عمر بن معدی کرب زبیدی، کنیت ابانور، یمن کا بہت بڑا بہادر، یہ زید و دعلج پر بھی بہادری اور قوت میں فوقیت رکھتا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں فالج کی حالت میں وفات پائی۔

کس دی، جب وہ اس کے قریب لائی گئی، اس نے غلام سے کہا، "کم بخت کیا تو نے زمانہ جاہلیت میں مجھے کبھی گھوڑی پر سوار ہوتے دیکھا تھا؟ جو اب اسلام لانے کے بعد میں اس پر سوار ہوں؟" اب غلام نے ایک اعلیٰ درجے کا گھوڑا ساز و راق سے آراستہ کیا، اس پر وہ سوار ہوا، اور محلہ بنی زبید کی طرف روانہ ہوا، پھر اس نے عمرو کے مکان کا پتا پوچھا، وہ بتا دیا گیا، عینیہ اس کے دروازے پر پہنچا، اور آزدی، "اے ابو ثور، باہر آؤ" وہ ہانپتا کا پتا باہر آیا، گویا چوڑ چوڑ ہو رہا ہے، اس نے کہا، "ابو مالک، یہ صبح تمہیں مبارک ہو" عینیہ نے کہا، "کیا خدا نے ہمارے لیے اس طرح کے الفاظ کے بجائے "اسلام علیکم" نہیں مقرر کیا ہے؟" اس نے کہا، "ان باتوں کو چھوڑو، جنہیں ہم نہیں جانتے، آؤ، اُترو، دیکھو میرے پاس کتنا اچھا چرنی والا بینڈھا ہے" عینیہ اُتر آیا، وہ بینڈھے کے پاس گیا، اور اسے ذبح کیا، پھر اس کی کھال اُساری، اس کے پارچے کیے، سارا گوشت ایک بڑی سی ہانڈی میں رکھا اور اسے پکانا شروع کیا، جب وہ پک گیا تو وہ ایک بڑی سی لگن لایا، اس میں روٹی کو توڑا، پھر اس پر ہانڈی اُنڈیل دی، پھر اس کا اثر لٹہ بنایا، اب دونوں بیٹھ گئے، اور کھانے لگے۔

عمرو نے کہا، "کیا پیو گے؟ دُودھ یا وہ چیز" جسے ہم ہمہ جاہلیت میں پیا کرتے تھے؟"

"کیا اسے خدا سے بزرگ و برتر ہے حرام نہیں کر دیا ہے؟"

"تم عمر میں بڑے ہو یا میں؟"

"تم"

لے عربوں کی ایک مرغوب غذا، رسول اللہ بھی اسے بہت پسند فرماتے تھے۔

”اسلام میں تم نے پہل کی یا میں نے؟“

”تم نے“

”میں نے قرآن پڑھا ہے، خدا کی قسم میں نے اس میں حرمت کا حکم نہیں پڑھا ہے، سو اس کے کہ ”کیا تم باز نہیں آؤ گے؟“ ہم نے جواب

دیا، ”ہیں“ وہ (قرآن) خاموش ہو گیا، اور ہم بھی چپ رہے۔“

عینہ نے کہا، ”ہاں بھئی، تم سن میں بھی بڑے ہو، اور اسلام میں بھی مقدم ہو، (جو چاہو کہو)“

پھر یہ دونوں بیٹھ گئے، اشعار پڑھنے لگے، اور شراب پینے لگے، اور ایامِ جاہلیت کی باتیں کرنے لگے، یہاں تک کہ شام ہو گئی۔

جب عینہ نے واپس جانے کا ارادہ کیا، تو عمرو نے کہا، اگر ابو مالک یہاں سے بغیر تحفے کے چلا گیا تو یہ میرے لیے ڈوب مرنے کی بات ہوگی۔ پھر

اس نے اسے ایک نہایت اعلیٰ درجے کے حسبِ نسب کی سانڈنی دی، گویا وہ چاندی کی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ عمرو نے عینہ کو اس سانڈنی پر بٹھا

دیا، پھر کہا، ”اے غلامِ تھیلی لا۔“ تھیلی لائی گئی، اس میں چار ہزار درہم تھے، یکیسہ عمرو نے عینہ کے سامنے رکھ دیا، عینہ نے کہا، ”مال تو میں خدا کی قسم

نہیں قبول کروں گا عمرو نے کہا، ”یہ تو حضرت عمرؓ کے عطایا میں سے ہے، لیکن عینہ نے اسے قبول نہیں کیا، اور چلا گیا، اس نے اسی سلسلے میں کہا:-

”خدا سے ذوالعرش کی قسم! تو ہمارے لیے شعلِ راہ ہے، جب

ہمیں روکنے والا پینے سے روکے!

اے ابو ثور، تجھے اچھی جزا دی جائے، تو کتنا اچھا نوجوان ہے

جس کی زیارت کی جاتی ہے، اور جو ہمان نواز ہے۔

تو نے ہماری مہمان داری کی، بڑے اعزاز و اکرام سے
 مہمان داری کی، تو نے ہمیں علم کا تحفہ دیا، جو اب تک لا معلوم تھا۔
 تو نے کہا، اگر جام شرابِ دُور میں ہو تو حلال ہے، جو اندھیاری
 رات کی بجلی کی چمک رکھتا ہوا
 تو نے ایسے عزنی دلیل پیش کی جو ہر دھاندلی کرنے والے
 کو انصاف پسند بنا دیتی ہے۔
 ابو نؤر کہتا ہے، میں حرام کو حلال کر دیتا ہوں، بلاشبہ اس
 کی بات مضبوط اور مقبول ہے؛“

(۱۵۲) ابو حنیہ نمیری

ابو حنیہ الیشتم بن الرزق، بہترین شاعر، حمد امویہ و عباسیہ کا بالکمال نغز گو،
 ان ہر دو ادوار کے خلفا کی شان میں اس نے مدحیہ قصیدے لکھے۔ بصرے
 کا رہنے والا تھا، رجز بھی کہتا تھا، اور قصیدے بھی، طویل گو بھی تھا، ساتھ
 ہی ساتھ بڑا بزدل، پرلے درجے کا کنجوس، اور بے حد جھوٹا بھی تھا، ابو العلاء
 اس کی تعریف میں بہت رطب اللسان رہتے تھے، عبد الرحمن کہتے ہیں میں
 نے اپنے چچا کو کہتے ہوئے سنا، ”شعرا میں ابو حنیہ کی مثال ایسے شخص کی ہے جو
 میانہ اندام ہو، نہ بہت لمبا نہ حد درجہ کوتاہ!

ابراہیم بن ایوب قتیبہ سے روایت کرتے ہیں، ابو حنیہ کے پاس ایک
 تلوار تھی، جس کا نام ”لعاب المینہ“ تھا، اس تلوار میں اور لکڑی کے
 ٹکڑے میں کوئی فرق نہیں تھا، اس کی بزدلی کا قصہ اس کا ایک پڑوسی

بیان کرتا تھا۔ ابو جحیہ کے گھر میں ایک دفعہ رات کو کتا گھس آیا، یہ حضرت مجھے
 چور ہے، میں جھانک کر تماشا دیکھ رہا تھا، اُس نے اپنی تلوار ”لعاب المنیہ“
 نکالی، اسے بے نیام کیا، وہ گھر کے بیچ میں کھڑا ہوا تھا، اور کہہ رہا تھا۔

”اگر دھوکے باز، تو نے ہم پر جرأت کی؟ خدا کی قسم تو نے اپنے
 لیے بہت بڑی راہ اختیار کی، میرے پاس بہت اچھا ساتھی
 صیقل کی ہوئی تلوار ہے، جس کا نام تو نے سنا ہوگا ”لعاب المنیہ“

ہو، اس کی مار شہور ہے، تو اپنے انجام سے نہ ڈر، جا، تجھے سنا
 کیا، اے، باہر نکل قبل اس کے کہ تجھے مزادی جلے، خدا کی قسم
 اگر میں نے اپنی مدد کے لیے قبیلہ قیس کو بلایا تو تو ہرگز اس کے
 سامنے نہیں ٹھہر سکے گا، تجھے معلوم بھی ہے، قیس کون ہے؟ خدا
 کی قسم اگر یہ قبیلہ میدان میں آجائے تو فضا کو پیادوں اور سواروں
 سے پاٹ دے، سبحان اللہ یہ قبیلہ کتنا بڑا اور کتنا اچھا ہے؟“

وہ اسی طرح صحن مکان میں کھڑا ہوا لکارتا رہا کہ اتنے میں کتنا باہر نکل
 آیا، ابو جحیہ نے اُسے دیکھ کر کہا، ”الحمد للہ، خدا نے تیری صورت سخ کر کے
 تجھے کتا بنا دیا، اور مجھے لڑائی کی درد سہی سے بچا لیا۔“

عبداللہ بن سلم بیان کرتے ہیں، ابو جحیہ نمری سے بڑھ کر کوئی جھوٹا
 نہیں تھا، ایک روز کہنے لگا، میں صحرا کی طرف گیا، وہاں میں نے کوؤں کو
 بلایا، وہ سب میرے گرد جمع ہو گئے، پھر میں نے ان میں سے جسے چاہا پکڑ
 لیا ”اس سے کہا گیا، ”ابو جحیہ کیا کہتے ہو؟ ہم تمہارے ساتھ صحرا چلتے ہیں،
 وہاں تم کوئے بلاؤ، اگر وہ نہ آئے تو کیا کرو گے؟“ اس نے کہا، ”اب تو
 وہاں سے کوئے چلے گئے“

ایک روز وہ کہنے لگا، ایک دفعہ ایک بہرنی میرے سامنے سے گزری
میں نے اسے تیر مارا، وہ بچ نکلی، لیکن تیر نے اس کا راستہ روک لیا، پھر وہ
کترائی، پھر تیر اڑے آگیا، خدا کی قسم تیر اور بہرنی میں یونہی آنکھ چولی ہوتی
رہی، آخر تیر نے اسے ایک ٹیکرے پر پچھاڑ ہی دیا!

(۱۵۳) ایک اچھا نسخہ

ابو غزالہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس عبداللہ بن فضالہ
بن شریک الوابی اسدی، جو بنو اسد بن خزیمہ کا ایک فرد تھا آیا، اس نے کہا،
”میری سانڈنی کم زور ہو گئی، کجا وہ کہہ نہ ہو گیا، رزق ختم ہو گیا“ حضرت نے
فرمایا، ”وہ سانڈنی میرے پاس لاؤ“ اسدی اپنی سانڈنی لایا، آپ نے
فرمایا، ”اس کا منہ ادھر کرو، اب اس کی پیٹھ دکھاؤ“ اس نے ایسا ہی کیا،
آپ نے فرمایا، ”اس پر دباغت کی ہوئی کھال چڑھاؤ، اور اس پر موٹے
بال سی دو، اسے نجد لے جاؤ، صبح شام اسے گھمایا کرو، بس یہ اچھی
ہو جائے گی۔“

ابن فضالہ نے کہا، ”بس تو آپ کے پاس اس غرض سے آیا تھا کہ
آپ مجھے کچھ مرحمت فرمائیں گے، تاکہ میں اپنی ضروریات پوری کروں، میں
آپ سے نسخہ لکھانے تھوڑے ہی آیا تھا، اس سانڈنی پر خدا کی لعنت جو
مجھے لے کر آپ تک آئی۔“

حضرت عبداللہ بن زبیر نے اس کی یہ باتیں سن کر ارشاد فرمایا، ”ہاں
اور اس کے سوار پر بھی!“

(۱۵۴) حاتم دوران!

ابو ہارون المدائنی بیان کرتے ہیں، ایک نایک آدمی سعید بن العاص کے پاس آیا کرتا تھا، اور ان سے سوال کیا کرتا تھا، جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ کہتے میرے پاس اس وقت تو کچھ بڑ نہیں، ہاں تم میرے نام لکھ لو، وہ لکھ لیتا۔ پھر وہ اپنے رفقا سے کہتے، "کیا تمہیں یقین ہو اس آدمی سے میں نے کوئی رقم لی ہوگی؟ بات صرف اتنی ہو کہ یہ میرے پاس آیا، سوال کیا، اسے دیکھ کر مجھے حیا آگئی، مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ اسے یونہی واپس کر دوں۔"

ایک مرتبہ سعید کے پاس قریش کا ایک غلام اپنے آقا کے ایک لڑکے کو لے کر آیا اور کہا، "اس لڑکے کا باپ مر گیا، ہم اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں" سعید نے کہا، "میرے پاس تو کچھ بڑ نہیں، البتہ میرے نام سے لکھ لو میں ادا کروں گا"

جب سعید کا انتقال ہوا تو ایک آدمی عمرو بن سعید کے پاس آیا اور کہا، "میں آپ کے والد کے پاس فلاں کے لڑکے کو لے کر آیا تھا" پھر اس نے سارا ماجرا سنایا۔ عمرو نے کہا، "تو تم نے کیا لکھ لیا تھا؟" "دس ہزار!" اس نے جواب دیا! یہ سن کر عمرو اپنی جماعت کی طرف متوجہ ہوا اور گویا ہوا اس شخص سے زیادہ بے وقوف کون ہوگا، جس سے سعید نے کہا ہو میرے نام جو کچھ چاہو لکھ لو، اور وہ صرف دس ہزار ہی لکھے، اگر وہ ایک لاکھ بھی

مانگتا تو بہ خدا میں ادا کر دیتا۔“
 عروہ بن زبیر کہتے ہیں، سعید بن عاص جب مرض الموت میں مبتلا ہو
 تو وہ اپنے محل میں تھے۔ ان سے ان کے صاحب زادے عمرو نے کہا،
 ”کاش اس وقت آپ مدینے چلے چلتے“ انھوں نے جواب دیا، ”میرے بچے
 میری قوم اس بارے میں بخل نہیں کرے گی کہ مجھے اپنی گردن پر تھوڑی دیر
 اٹھائے پھرے، جب میں مرجاؤں، تم اسے اطلاع دینا، جب لوگ مجھے
 دفن کر دیں تب تم معاویہ کے پاس جانا اور انھیں میری موت کی خبر دینا
 اور دیکھنا وہ میرے قرض کے بارے میں کیا کرتے ہیں؟ دیکھ میرے بچے!
 وہ کوشش کریں گے کہ میرا قرض ادا کر دیں لیکن تو انھیں ایسا نہ کرنے دینا،
 بلکہ میرا یہ محل انھیں پیش کرنا، اس کو میں نے صرف تفریح کے لیے بنایا ہے
 یہ کوئی جا یاد نہیں ہے“ جب سعید کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے لوگوں
 کو ان کی وفات کی اطلاع دی، لوگوں نے ان کی نعش قصر سے اٹھائی، اور
 بقیع میں لے جا کر دفن کر دی۔

لوگوں نے سعید کی قبر پر پڑسا دیا، اور انھیں دفن کر کے
 رخصت ہو گئے۔ عمرو بن سعید نے خود جا کر سعید کی خبر وفات امیر معاویہ
 کو دی، انھیں بہت رنج ہوا، عمرو پر انھوں نے شفقت ظاہر کی، پھر پوچھا
 ”کیا سعید نے کچھ قرض چھوڑا ہے؟“ جواب ملا، ”جی ہاں، تین لاکھ!“ امیر
 معاویہ نے کہا، ”یہ قرض میں ادا کروں گا“ عمرو نے کہا، ”انھیں امید تھی
 آپ ایسا ہی کریں گے، لیکن انھوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کی یہ پیش
 کش قبول نہ کروں، البتہ آپ کی خدمت میں ان کی کچھ جا یاد پیش کروں،
 آپ اسے خرید لیجیے، اسی سے ان کا قرض ادا ہو جائے گا“ امیر معاویہ نے

کہا، "وہ کیا جائیداد ہے بتاؤ؟" عمرو نے کہا، "ان کا قصر جو وادی مدینے میں واقع ہے" معاویہ نے جواب دیا، "جاؤ میں نے سعید کا قرض اُتارنے کی قیمت کے طور پر اسے لے لیا،" پھر کہا، "مدینے جاؤ، اور قیمت پوری پوری لیتے جاؤ" عمرو نے کہا، "بہت خوب" پھر وہ قیمت لے کر مدینے گیا وہاں سعید کے قرض داروں میں ساری قیمت تقسیم کر دی، اور سارا قرض اچھی طرح ادا کر دیا۔ اسی سلسلے میں ایک قریشی نوجوان آیا، اس کے پاس ایک تنک تھا، جس میں بیس ہزار درہم لکھے ہوئے تھے، گواہی خود سعید کی اور ان کے غلام کی تھی۔ وہ تنک محزر کو بلوا کر پڑھ دیا گیا۔ جب اس نے وہ تنک پڑھا، تو رونے لگا، اس نے کہا، "ہاں یہ میرے آقا کی تحریر ہے، اور یہ میری ہی گواہی ہے" عمرو نے پوچھا، "اس نوجوان کے والد پر کس طرح بیس ہزار درہم قرض ہو گئے، حالانکہ یہ در یوزہ گران قریش میں سے ایک ہے؟" غلام نے کہا سنو:-

اپنے معزول ہونے کے بعد ایک مرتبہ سعید کہیں جا رہے تھے کہ یہ نوجوان آگیا اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا، یہاں تک کہ ان کی ڈیوڑھی تک پہنچ گیا، سعید رگ گئے، انہوں نے پوچھا، "تھیں کوئی ضرورت ہے؟" اس نے کہا نہیں! میں نے دیکھا آپ اکیلے چل رہے ہیں، میرے جی میں آئی کہ آپ کا ساتھ دوں" یہ سن کر انہوں نے مجھے حکم دیا، "کاغذ لاؤ" میں نے یہی کاغذ لے کر انہیں دے دیا، انہوں نے اسے یہ تنک لکھ دیا، گویا وہ اس کے مقروض ہیں اور کہا۔

"اس وقت تم ہم سے کچھ نہیں پاسکتے، یہ لے لو، جب ہمارے پاس مال آئے تو ہمارے پاس آنا"

عمو نے کہا، "شدا کی قسم کوئی شبہ نہیں، اس شخص کو یہ پوزی رقم ضرور ملے گی" پھر اس نے بیس ہزار درہم اس تسک کے اسے عطا کر دیے!

(۱۵۵) بھینس کے آگے بین!

معد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ولید بن یزید نے مجھے طلب کیا، میں اس کے حضور میں حاضر ہوا، ایک روز میں شام کے ایک حمام میں تھا کہ ایک بارعب و جلال آدمی اپنے غلاموں کے ساتھ آیا، حمام کا منتظم تمام لوگوں سے بے پروا ہو کر اس کی آؤ بھگت میں لگ گیا، اس آدمی کی مالش کی میں نے کہا، اگر میں نے اسے یہ نہ بتا دیا کہ میرے پاس کیا ہو تو گویا میں کتا ہوں، میں اس کے پیچھے سے آکر اس کے پاس بیٹھ گیا، اس طرح کہ وہ مجھے بر خوبی دیکھ سکے اور میری باتیں سن سکے، پھر میں گن گنانے لگا، وہ میری طرف متوجہ ہوا اور اپنے غلاموں سے کہا، "یہ جو کچھ ہو اس کے سامنے پیش کر دو" جو کچھ اس کے سامنے تھا میرے پاس آگیا۔ پھر اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کے گھر تک چلوں، میں راضی ہو گیا، اس نے وہاں کرم و عنایت کا کوئی دقیقہ مجھ پر اٹھانہ رکھا، پھر نبیذ سامنے لا کر رکھی گئی، میں نے جو گانا سنا تھا وہ پہلے گانے سے کہیں زیادہ اچھا ہوتا تھا، وہ میرے گانے سے کچھ زیادہ مظلوظ نہیں ہوا۔ بڑی دیر تک میرا گانا بجانا جاری رہا۔ پھر اس نے کہا، "اس غلام، ہمارے بڑے میاں کو بلاؤ" ایک مرد بزرگ نمودار ہوا، جب اس نے اسے دیکھا تو کچھ اشارہ کیا، بوڑھے نے عود اٹھالیا، اور گانا شروع کیا۔

"ہانڈی میں تھی پھلی، بلی آئی، اور اُسے چٹ کر گئی، وانے۔"

ری شومی قسمت!

صاحب خان نے یہ شعر سنا تو پھر ٹک اٹھا، لگاتالیاں بجائے اور فوراً
طرب سے پانوں رگڑنے۔ پھر بوڑھے نے گایا،

”دوست مجھے آڑو سے مارتا ہے، وہ گمان کرتا ہے، میں اے

ہنیں دیکھتا“

یہ شعر سن کر تو جوشِ سرت سے وہ گویا دیوانہ ہو گیا، جا سے باہر

ہوا جا رہا تھا۔

میں وہاں سے کھسک آیا، اور اپنی راہ لی، اسے پتا بھی نہ چلا، میں

نے اس دن کا سالنوں کا نا کبھی نہ سنا ہوگا، نہ اس بوڑھے کا سا کوئی جاہل میری

نظر سے گزرا ہوگا!

(۱۵۶) ولید اور ایک گویا

حسین بن یحییٰ حماد سے اور وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے واد سے
روایت کرتے ہیں کہ ولید بن عبد الملک نے مکے کے عامل کو لکھا، ”میرے
پاس ابن سرتج کو بھیج دو“ اس نے حکم کی تعمیل کی، جب ابن سرتج پہنچ گیا،
تو وہاں اسے بہت دن ٹھہرنا پڑا، نہ ولید نے اسے بلایا نہ ملتفت ہوا۔ عرصے
کے بعد جب اسے یاد آیا، تو اس نے کہا۔ ”کم بختو، ابن سرتج کہاں ہے؟“ کہا
گیا ”وہ تو در دولت پر موجود ہے،“ حکم دیا، ”اسے فوراً حاضر کرو“ عرض کیا گیا،
”بہت خوب امیر المؤمنین“

ابن سرتج نے تیاری کی، کپڑے پہنے اور ولید کی طرف چلا، جب اس

کے سنے پہنچا تو سلام کیا، ولید نے اشارے سے کہا، "بیٹھو! تو درہٹ کر بیٹھ گیا، پھر ولید نے اسے قریب بلایا، وہ قریب آگیا، بالکل اس کے پاس پہنچ گیا۔ ولید نے کہا، "کم بخت غلام! مجھے تیری کچھ باتیں معلوم ہوئی ہیں جن کی بنا پر میں نے تجھے بلایا ہے، مثلاً یہ کہ تو ادیب بہت اچھا ہے، تجھ میں جوہر اختیار بھی ہے، ساتھ ہی ساتھ ظریف لسان بھی اور عداوت مجلس بھی" ابن سرج نے کہا، "یا امیر المؤمنین، قربانت شوم، میرا ذکر میرے دیکھنے سے بہتر ہے"

ولید نے کہا، "مجھے اُمید ہے تو ایسا نہیں ہوگا، جو کچھ سنا سکتا ہو سنا" ابن سرج نے احوص کا کلام "منزلتی سلمیٰ علی القدام اسما" سنا نا شروع کیا، یہاں تک کہ اس نے کہا:-

"اے چھوڑ دے، اور خلیفہ کی مدح کر، کہ وہ تیری مصیبتیں زائل کر دے اور تجھے سرفراز کرے،

بے شک اس کے ہاتھوں میں رحمت کی کنجیاں ہیں وہ برسنے والا بکریم ہے، جس سے لوگ زندہ رہتے ہیں،

وہ امام وقت ہے، اس کے پاس حکومت بے طلب آئی اس نے نہ ناجائز مال لیا، نہ خون ناحق کیا،

بندوں کے رب نے اسے اپنی مخلوق کا نگہ بان بنایا، بلاشبہ خدا لوگوں کو خوب جانتا ہے،

جب اللہ نے اسے اس کا راہم کے لیے چن لیا، تو جس مسلمان کو اس نے بلایا، اس نے آکر بیعت کر لی،

جس نے اس کی دوستی پائی، اس نے گویا تو نگری اور

عزت پالی، مرگِ عاجل سے وہی ڈرتا ہے جو بد بخت ہو۔
ولید نے کہا، "شاباش، احوص نے بہت خوب کہا، پھر کہا: اے غلام!
ہاں کچھ اور!" اب ابن مرتبج نے، عدی بن الرقاع کے وہ اشعار سنائے جو
اس نے ولید کی مدح میں کہے تھے۔

"نیند اڑ گئی، غم و الم آگئے، چھا گئے، میرے اور میری
نیند کے مابین مائل ہو گئے، اور اسے آنے سے روک دیا،
جو انی ایک اڑ تھی، جس میں میں آرام حاصل کرتا تھا،
جس کے سایے میں مدتوں بیٹھا، مگر وہ اڑ پھر ختم ہو گئی،
میرے سر پر سیاہی کے بعد سفیدی چھا گئی، وہ (محبوبہ)
خوب صورت لہجے بالوں والی ہے تو اس کی کپٹی پر گنچا پن نہیں
دیکھے گا"

یہاں تک کہ وہ ان اشعار پر پہنچا:-

"درود بھیجے وہ ذات جس کے لیے تمام عبادتیں ہیں، اور
ایمان والے دُعا کر میں جب وہ جمعہ کی نماز پڑھیں،
اس شخص کے لیے، جو سب سے کھلم کھلا بڑھ گیا، جن
سلوک اور ستائش کے سبب، یہ دونوں اس کے ساتھی بن
گئے،

یہ وہ شخص ہے جس کے ہاتھوں خدائے اپنی امت متحد
کردی، حالانکہ پہلے وہ گروہوں میں بٹی ہوئی تھی،
ہم نے خدا سے پناہ مانگی کہ ہم تو زندہ رہیں اور وہ اس
جہان سے رخصت ہو جائے، اور ہم کسی دوسرے شخص کی

اطاعت پر مجبور ہو جائیں،

بلاشبہ ولید امیر المومنین ہو، اس کے پاس حکومت ہو،

خدا اس کا مددگار ہو، اور وہ سر بلند ہو،

جس چیز کا وہ حکم دے دے اسے کوئی روکنے والا نہیں،

جس چیز کو وہ منع کر دے اسے کوئی بچنے والا نہیں۔“

ولید نے ابن مرتج سے کہا، ”ای غلام، تو نے سچ کہا، یہ تجھے کہاں سے

ہاتھ لگا؟“ ابن مرتج نے کہا، ”یہ تو خدا کی دین ہو“ ولید گویا ہوا، ”اگر اس

کے علاوہ کچھ ہو تو میں تیرے ادب کی داد دوں“ ابن مرتج نے کہا، ”یہ تو

اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے“ ولید نے کہا، ”وہ اپنے بندوں میں

سے جسے چاہتا ہے زیادہ بھی بخش دیتا ہے“ ابن مرتج نے عرض کیا، ”یہ

میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے، آیا میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا کفران

نعمت کرتا ہوں؟“ ولید نے کہا، ”خدا کی قسم تیرا علم بہت زیادہ ہے اور میں

اسے تیرے گانے سے زیادہ پسند کرتا ہوں،

اچھا اب کچھ مجھے سنا“ اب ابن مرتج نے عدی بن الرقاع کے وہ

اشعار سنائے جو اس نے ولید کی مدح میں کہے تھے:-

عرف الدیارت حما فاعتانہا من بعد ما شمل ابلی البلاد ہا

یہاں تک کہ وہ ان اشعار پر پہنچا:-

”اللہ اس پر اپنی رحمت بھیجے جسے میں نے پالیا، اس پر

اپنی نعمت پوری کرے، بلکہ اور زیادہ کرے،

جب موسم بہار کے ساتھ بوز کا سلسلہ شروع ہو تو موسلا

دھار برسنے والا بادل خنصرہ (مقام کا نام) کو سیراب کرے،

اور خوب بر سے ،

ولید جہاں اُترا وہاں کے باشندوں کے لیے بارش بن گیا، جہاں اس کا ابر کرم باشندوں اور شہر پر خوب برسا، کیا تو انہیں دیکھتا تمام مخلوق نے اپنی باگیں اس کے ہاتھ میں دے دی ہیں، وہ سب کی رہ نمائی کرتا ہے، جب اللہ نے تجھے حکومت دی، تو گویا اپنی امت کی فلاح اور راہ یابی کا انتظام کر لیا،

تو نے مسلمانوں کی سر زمین کو آباد کیا، جس سے وہ ترقی کر گئی، تو نے ان عناصر کو روکا جو فساد برپا کرنا چاہتے تھے، تو نے دشمن کی سر زمین پر ایسی مصیبت پھیلائی جو ہر گوشے میں پھیل گئی، خواہ نشیب ہو یا بلند مقام، تو نے ایسی کام یابی حاصل کی، جو کوئی اور خلیفہ باوجود کوشش کے نہ حاصل کر سکا،

جب تو اس کی تعریف کرے تو تو اسے مجموعہٴ مکارم پائے گا، جو ہر نئی اور پرانی تعریف کا مستحق ہے۔“

ولید نے خادم کی طرف اشارہ کیا، ابنِ سرینج خلعتِ فاخرہ سے ڈھانپ دیا گیا، اس کے سامنے دیناروں کی ہمیانیاں اور درہمیں کی تھیلیاں ڈھیر کر دی گئیں۔

پھر ولید نے کہا، ”بنی نوفل بن حارث کا غلام بڑی دولت سے مالا مال ہے“ ابنِ سرینج نے کہا، ”اور آپ کو، امیر المومنین، خدا نے بہت بڑی سلطنت عطا کی ہے، شرف دیا ہے، عزت دی ہے، جس کے سبب آپ کا

ہاتھ کشادہ ہے، کوتاہ نہیں ہے، اور نہ انشاء اللہ کوتاہ ہوگا۔ خدا سے ہمیشہ ہمیشہ سلامت رکھے، جو اُس نے آپ کو دے رکھا ہے اور آپ کی دولت و ثروت قائم رکھے۔ جو کچھ خدا نے آپ کو دیا ہے آپ اُس کے اہل ہیں۔ اللہ سے آپ سے اس لیے نہیں چھینے گا کہ آپ میں اس کے قائم رکھنے کا جو سر ہے۔“

دلید نے کہا، ”تو نونلی بھی ہے، اور خطیب بھی؟“ ابن مسزج نے کہا، ”آپ ہی کے بل پر بول رہا ہوں، آپ ہی کی زبان سے نواسخ ہوں، آپ ہی کی دی ہوئی عزت سے کام یاب ہوں۔“

(۱۵۷) باپ بیٹے کا جھگڑا

اسحٰق کی روایت ہے، کہ جب میرے والد نے ”لیت ہنداً“ والا راگ بنایا، تو میں نے اُن سے جھگڑا کیا۔ اُن کے بنائے ہوئے راگ میں عیب نکالا اور اُن سے کہا، ”اگر کوئی شخص آپ کے سامنے آپ پر تنقید کرتا ہے، یا آپ کی اچھائیوں میں بُرائیاں نکالتا ہے، تو آپ اُس کی باتوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دیتے۔ آپ نے یہ ایسا راگ نکالا ہے، جیسا ابن مسزج نکال چکا ہے آپ نے اُس کے راگ سے تعرض تو کیا، لیکن اُس تک پہنچ نہ سکے۔ یہ شعر اس سے زیادہ وسعت فن اور راگ کی خوبی کو چاہتا ہے، اسے چھوڑ دیجیے، جو پہلے سے ایجاد ہو چکا ہے، کچھ اور ایجاد کیجیے۔“

والد میری یہ باتیں سن کر بہت برہم ہوئے۔ میں ہمیشہ ان کے سامنے اپنے ہنر کو بڑھا پڑھا کر پیش کیا کرتا تھا، اور اُن کے ہنر میں عیب نکالا کرتا تھا، اگر انھوں نے میری نکتہ چینی مان لی، تو پھر کوئی بات ہی نہیں، اور اگر خفا ہو

گئے، تو میں انہیں منالیتا تھا، اور خوش کر لیتا تھا۔

انہوں نے مجھ سے کہا، ”اللہ شاہد ہے تجھے چھوڑنے کا نہیں جب تک تو میرے مقابلے میں کوئی راگ نہ نکالے۔ میں نے تقیل ثنابی میں اس راگ کے طرز پر ایک لحن ایجاد کیا تھا، وہ مجھے پسند تھا، اسی پر میں نے اپنا یہ راگ ڈھال لیا۔“

”جس نے غصے کے سبب منہ موڑ لیا اس سے کہ، حالانکہ

وہ تجھ سے دُور ہو گیا۔

تو وہاں پہنچ گیا، جہاں کا تو نے ارادہ کیا، اگرچہ تو کھیل

رہا تھا“

یہ باتیں کرتے کرتے ہم ایک صحرا کی طرف نکل گئے کہ یہیں اپنے جھکڑے کا فیصلہ کرائیں۔ والد نے کہا، ”تم میرے اور اپنے درمیان کسے حاکم بنانا چاہتے ہو؟“ میں نے کہا، ”اس جگہ جسے آپ مناسب سمجھیں“ انہوں نے کہا، ”جو شخص سب سے پہلے سامنے آئے، اسے میں اپنا راگ سناؤں گا، اور تم اپنا سنانا“ یہ رائے مجھے پسند آئی میں نے کہا، ”بہتر“ اتنے میں ایک بھٹی بوڑھا اپنے گدھے پر کانٹوں کا گٹھر لادے ہوئے سامنے آیا۔ والد اس کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے اس سے کہا، ”میں اور میرا یہ ساتھی، ایک معاملے میں تمہیں حکم بنانا چاہتے ہیں“ اس نے پوچھا، ”وہ کیا بات ہے؟“ ہم نے کہا، ”ہم میں سے ہر شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے زیادہ اچھا گاتا ہے، تم مجھ سے سُنو، اور میرے ساتھی سے بھی سُنو، اور اپنا فیصلہ سنا دو!“

بھٹی نے جواب دیا، ”ہاں! بسم اللہ کرو“ میرے والد نے ابتدا کی،

اور اپنا راگ اسے سُنایا، ان کے بعد میں نے اپنا راگ سُنایا۔

جب میں سنا چکا، تو وہ بھلی میری طرف متوجہ ہوا، اس نے کہا، ”بھئی میرا فیصلہ تو تمہارے خلاف ہے“ یہ کہہ کر اس نے اپنی راہ لی، والد نے میرے متنبہ ایک چاٹنارا، ایسا چاٹنارا میں نے کبھی نہیں کھایا ہوگا۔ وہ خاموش ہو گئے، میں نے بھی سکوت اختیار کر لیا، اس کے بعد اس سلسلے میں میں نے ان سے کوئی گفتگو نہیں کی، یہاں تک کہ ہم الگ الگ ہو گئے۔

(۱۵۸) پتے کی بات!

حماد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد بیان کرتے تھے، جعفر بن یحییٰ برمکی نے ایک روز، یہ جانتے ہوئے کہ خلیفہ ہارون رشید نے مجھے اور دوسرے گویوں کو اس روز بلایا ہے، مجھ سے کہا، ”میرے پاس آؤ میں تمہیں بڑی اچھی بات بتاؤں گا“ میں جعفر کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے کہا، ”بتاؤ تم کیا پسند کرتے ہو؟ جس اچھی چیز کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ تمہیں دوں، یا تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں جس سے تم لاکھوں درہم کمالو“ میں نے کہا، ”خدا وزیر صاحب کے جاہ و اقبال میں ترقی دے، مجھے تو مال کے بجائے وہی چیز بتائیے جو آپ کے عطیے کی قائم مقام ہو“

جعفر نے کہا، امیر المومنین ذی الرضہ کے شعر بڑے جوش سے پڑھتے

سلہ ذی الرضہ — نام غیلان بن عقبہ، کنیت ابوالحارث، لقب ذوالرضہ۔ درہم چرائی رسی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اس کے تین بھائی تھے، مسعود، جرفاس اور ہشام، یہ تینوں شاعر تھے، ذی الرضہ کوفہ اور بصرہ میں قیام رکھتا تھا۔

حماد الراویہ کہتے ہیں۔ شعر مجاہدیت میں امرؤ القیس (بقیہ نوٹ ص ۴۵۲ پر)

چاہتا کہ مداخلت کر کے مجھے بد مزہ کیا جائے یہی بات تو ان سے پختہ کر لے۔
 میں نے جعفر کی یہ بات مان لی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں خلیفہ کے پاس
 سے کبھی بے انعام لیے نہیں واپس آیا۔ میں اسی مسئلے پر امیر المومنین سے باتیں
 کرنے کا ارادہ کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک دفعہ میں نے انھیں موقع سے پالیا
 میں کھڑا ہو گیا، اور میں نے ان سے وہی مانگا، جو مجھے جعفر نے بتایا تھا۔
 میں نے خلیفہ کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے۔ اس نے کہا، "بس یہی؟"
 پھر کہا، "میں تجھے تیری مانگی ہوئی چیز خاص طور پر دوں گا" میری اس فرمائش
 پر حاضرین دربار مذاق کرنے لگے، کہنے لگے، "تو نے بڑی چیز مانگی" خلیفہ
 خاموش رہا، میں نے کہا، "یا امیر المومنین کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ
 میں اس بات کو پختہ کر لوں؟" انھوں نے فرمایا، "جس طرح چاہو پختہ کر لو"
 میں نے کہا، "خدا رسول" اور امیر المومنین ہمدی کی تربت کا واسطہ دیتا
 ہوں کہ اس امر کا قول دیجیے کہ اگر کوئی گویا ذوالرمدہ کا شعر گائے، تو اسے کوئی
 انعام نہ مرحمت فرمایا جائے، بس یہی قول میں آپ سے مانگتا ہوں" خلیفہ نے
 حلیفہ وعدہ کیا کہ اگر کسی گویے نے ذوالرمدہ کا شعر گایا، تو نہ وہ اس کا اعزاز بڑھائیں
 گے، نہ اسے انعام دیں گے، نہ اس کا گانا سنیں گے، میں نے شکر یہ ادا کیا،
 زمین بوس ہوا، پھر ہم لوگ چلے آئے۔

میں نے ذوالرمدہ کے اشعار پر تنویر بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ راگ بنائے۔
 خلیفہ جب کوئی راگ سنتا خوش ہوتا، بہت زیادہ خوش ہوتا، مجھے صلہ اور انعام
 دیتا۔ اس باب میں میرے سوا کسی نے نفع نہیں اٹھایا، خدا کی قسم میں نے اس
 سلسلے میں لاکھوں درہم انعام کے حاصل کیے۔

ہیں اس کے اشعار بہت پسند کرتے ہیں، اس کی بے حد منزلت کرتے ہیں، جب اس کے کلام کو گائے میں سنتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں، اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں، جتنا کسی اور کا کلام سُن کر محظوظ ہوتے ہیں، تو انھیں ذوالرمہ کا کلام سُننا۔ جب تو انھیں خوش کر لے، اور وہ تیرے لیے انعام کا حکم دیں، تو تو گھٹنوں کے بل کھڑا ہو جا، زمین کو لوسہ دے، اور کہ، اس انعام کے سوا میری ایک اور ضرورت ہے، جو تمام فائدوں پر بالا ہے۔ اس سے نہ آپ میں کوئی نقص پیدا ہو سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔ یہ سُن کر امیر المومنین فرمائیں گے تیری وہ کون سی حاجت ہے؟ تب کہیو ایک ٹکڑا آپ مجھے دے دیجیے، یہ آپ کے لیے آسان ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، نہ کسی کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جب امیر المومنین اس پر راضی ہو جائیں تو ان سے عرض کر: ”ذوالرمہ کے اشعار مجھی کو خاص طور پر عطا فرما دیجیے، ان میں سے بہترین اشعار میں منتخب کر کے سناؤں گا، نیز تمام لوگوں کو سُن کر دیجیے کہ وہ میرے گائے میں مداخلت نہ کریں۔ مجھے ذوالرمہ کے شعر بہت پسند ہیں، میں ان کی داد دیتا ہوں، اور ہرگز یہ نہیں (صفحہ کا بقیہ نوٹ ۱)، بہترین تشبیہیں باندھتا تھا، اور شعر اسلام میں ذوالرمہ کی تشبیہیں بے مثال ہوتی تھیں،

فرزدق اور جریر جیسے شعرا اس کے فضل و کمال کے سبب اس سے حسد کرتے تھے کہتے ہیں، پہلے پہل ذوالرمہ کے شعر سُنو، تو بڑے بیٹھے معلوم ہوتے ہیں، زیادہ پڑھو، تو کم زور نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر ان میں کوئی اچھائی نظر نہیں آتی۔ ہجو اور مدح کے میدان میں اس نے کوئی کام یابی نہیں حاصل کی۔

ذوالرمہ کا بادیہ میں انتقال ہوا، وفات کے وقت اس کی عمر صرف چالیس سال

کی تھی۔

(۱۵۹) اولوالعزمِ معنی

حماد کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا۔ میں نے تمہارے دادا کے مال، غلہ، اور بانڈیوں کی قیمت کا جائزہ لیا۔ تو معلوم ہوا ان کی قیمت ڈو کروڑ چالیس لاکھ درہم ہو، علاوہ انہیں وظیفہ دس ہزار درہم ماہ وار سے زیادہ تھا۔ یہ سب اس آمدنی کے علاوہ تھا جو جائیدادوں سے ملتی تھی۔ اس میں وہ انعامات بھی شامل نہیں تھے، جن کی یادداشت محفوظ نہیں تھی۔ خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ بامروت کسی کو نہیں دیکھا۔

ہر وقت ان کے باورچی خانے میں کھانا تیار رہتا تھا۔ میں نے اپنے والد سے کہا، "یہ کیوں کر ممکن تھا؟" انھوں نے کہا، "باورچی خانے میں ہر وقت تین بکریاں اس طرح موجود رہتی تھیں، ایک ہانڈی میں پکتی ہوتی تھی، دوسری کھال اُتری ہوئی، لٹکتی رہتی تھی اور تیسری بندھی رہتی تھی کہ ضرورت ہو اور فوراً ذبح کی جائے۔ جب لوگ آتے، تو جو کچھ ہانڈی میں ہوتا کھا لیتے، جب ہانڈی کا گوشت ختم ہو جاتا، تو لٹکتی ہوئی بکری کے ٹکڑے کیے جاتے اور ہانڈی میں ڈال دیے جاتے۔ اسی اشنا میں زندہ بکری ذبح کر لی جاتی اور لٹکا دی جاتی، اور دوسری زندہ بکری اس کی جگہ مطبخ میں باندھ دی جاتی۔"

والد مرحوم کا کھانے، خوشبو، اور داد و ہش کا خرچ تیس ہزار درہم ماہ وار تھا۔ یہ رقم تنخواہوں اور پوشش وغیرہ کے علاوہ تھی، ایک دفعہ یہ اتفاق پیش آیا کہ ان کے احباب کی اسٹی بانڈیاں ودیعت کے طور پر ان کے پاس رکھی گئیں۔ ان میں سے ہر ایک کے کھانے، خوشبو اور پوشش پر

اتنا ہی صرف کیا جاتا تھا، جتنا وہ اپنی ذاتی کمیزوں پر صرف کرتے تھے۔ جب ان میں سے کوئی اپنے آقا کے پاس واپس کی جاتی، تو ایک ایک کو والد ساز و سامان اور کپڑے دیتے۔

جب والد کا انتقال ہوا، تو ان کی بلک میں صرف تین ہزار دینار تھے، اور سات سو دینار کا ان پر قرض تھا جسے میں نے ادا کیا۔

(۱۶۰) سیر چشم گویا

مخارق کہتے ہیں، ابراہیم موصلی، یوم مہرجان^۱ کے موقع پر محمد بن یحییٰ بن خالد کے پاس آیا۔ انھوں نے اس سے کہا کہ وہ ان کے پاس ٹھہرے، ابراہیم نے کہا، ”یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے، کیوں کہ امیر المؤمنین کا قاصد بیٹھا ہوا ہے“ محمد نے کہا، ”اچھا واپسی میں ہمارے پاس سے گزرنا، تمہیں میں وہ سب تحائف اور ہدایا دے دوں گا، جو آج کے روز میرے پاس آئیں گے“ اس نے کہا، ”بہت بہتر“ پھر اس نے محمد کے ہاں اپنا ایک دوست چھوڑ دیا، جس کا کام یہ تھا کہ اس روز کے محمد کے تحفوں کا حساب رکھے۔

اس دن محمد کے پاس طرح طرح کے ہدیے اور تحفے آئے۔ انھی تحفوں میں ایک ہاتھی کا مجسمہ بھی تھا، جو سونے کا بنا ہوا تھا، جس کی دونوں آنکھیں یا قوت کی تھیں۔

محمد نے ابراہیم کے دوست سے کہا، ”ابراہیم کو اس ہاتھی کی خبر دینا، تاکہ ہم اسے فلاں کے پاس بھیج دیں“ اس نے مان لیا، واپسی میں ابراہیم ملے پارسیوں کا یوم عید۔

اس کے پاس آیا، اس نے محمد سے کہا، "جو تحفے اور ہدیے آج آپ کے پاس آئے ہیں وہ لائیے" محمد نے سب چیزیں سامنے کر دیں، حضرت ہاتھی نہیں دیا، اور کہا، "تم سے پھپھاؤں کیوں؟ ایسی ایسی بات ہوئی ہے" ابراہیم نے کہا، "نہیں بھائی اس کی سند نہیں، جو شرط ہوئی ہے اس سے بنا ہوا اور ہاتھی کا طلائی مجسمہ بھی لاؤ" پھر ابراہیم نے کہا، "کیا یہ ہدیہ اب میرا نہیں ہے؟ کہ میں اس کے ساتھ جو چاہوں کروں؟" محمد نے کہا، "ہاں ضرور ہے!" ابراہیم نے کہا، "وہ مجسمہ اس لونڈی کو دے دو" پھر اس نے تمام تحائف اور ہدایا، محمد کے حاضرین بزم میں تقسیم کرنے شروع کر دیے، ایک ایک چیز اس نے تمام حاضرین پر، محمد کے بھائیوں، غلاموں، نوکروں، اور باندیوں پر تقسیم کر دی، یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا۔

پھر اس نے مجلس سے دو سید اٹھالیے، جب وہ چلنے لگا تو اس نے کہا، "یہ میرے ہیں!" یہ کہا اور چلا گیا۔
محمد کو ابراہیم کی خودداری اور اولوالعزمی پر بڑی حیرت ہوئی۔

(۱۶۱) ایک لونڈی کا عطیہ!

اسماعیل بن جامع اسہمی کہتے ہیں کہ میں زمانے نے مجھ پر آفات و مصائب کا دروازہ کھول دیا۔ میں مع اپنے اہل و عیال کے مدینے منتقل ہو گیا۔ ایک دن وہاں ایسا بھی آیا کہ میرے پاس سواتین درہم کے کچھ نہ تھا، یہ رقم میری آستین میں تھی، ایک خوب صورت کینز جس کے سر پر گھڑا رکھا ہوا تھا، کنوئیں کی طرف جاتی ہوئی میرے سامنے سے گزری۔ بڑی دل سوزی میں یہ

اشعار گارہی تھی:-

” ہم نے اپنے دوستوں سے طولِ شب (فرقت) کی شکایت
کی۔ انہوں نے کہا، ہماری شب (وصل) کتنی چھوٹی تھی۔
یہ اس لیے کہ ان کی آنکھوں پر نیند چھا گئی، اور ہماری آنکھوں
پر نہ چھا سکی۔

اگر وہ ہماری طرح ستائے ہوئے ہوتے تو وہ بستر پر ہماری
طرح ہوتے “

یہ گانا میرے دل میں اتر گیا، میں اسے یاد نہ کر سکا، میں نے کہا، ”اے
جار یہ تیرے حسنِ غنائے مجھے ترپا دیا۔ کچھ ہرج نہ ہو تو ایک دفعہ اور یہی گانا
سُنا دے“ اس نے کہا، ”ہاں شوق سے سُنئے“ پھر اس نے اپنی پیٹھ پاس کی
ایک دیوار سے ٹکا دی، ایک پانوٹھا کر دوسرے پر رکھا، گھڑے کو اپنی ران
پر رکھ لیا، اور گانے لگی۔

خُدا کی قسم مجھے ایک حرف بھی یاد نہ ہوا، میں نے کہا، ”تم بہت خوب
گائیں، اگر جی چاہے تو ایک دفعہ اور!“ وہ تار گئی، اس نے تَرش روئی سے
کہا، ”تمہاری بھی کیسی عجیب باتیں ہیں، بھلا کوئی ایسی بانڈی کو جو ضربیہ ہو،
اس کے کام سے روکتا ہو؟“ میں نے آستین سے تینوں درہم نکالے اور اسے
دے دیے۔ میں نے کہا، ”آج کا دن اس رقم سے گزارو، یہاں تک کہ ہم پھر
ملیں“ کینز نے یہ رقم بڑی کراہت سے قبول کی، اور کہا، ”تم اس وقت مجھ
سے یہ راک حاصل کرنا چاہتے ہو، مجھے امید ہے اس راک کے ذریعے تم تین ہڑا
لہ اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا کو ایک مقررہ رقم محنت مزدوری کر کے ادا کرتا
رہتا ہے۔“

دینار حاصل کر لو گے۔ یہ کہہ کے وہ گالے لگی، یہاں تک کہ وہ راگ میں نے حاصل کر لیا، اسے اچھی طرح سمجھ لیا، اور خوش خوش اپنے گھر چلا آیا، بار بار اسی کو دہراتا رہا، یہاں تک کہ وہ میری زبان پر چڑھ گیا۔

کچھ عرصے کے بعد میں نے بغداد جانے کا ارادہ کیا، وہاں پہنچا، سر لے کر اپنے محلے میں مجھے محولہ کے دروازے پر آنا دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہاں جاؤں؟ کدھر کا رخ کروں؟ میں لوگوں کے ساتھ ساتھ یوں نہیں چلنے لگا، یہاں تک کہ ایک پل کے پاس پہنچا۔ اسے میں نے لوگوں کے ساتھ پار کیا۔ پھر میں ایک سڑک پر پہنچا جو شہر کو جا رہی تھی۔ میری نظر ایک نمایاں مسجد پر پڑی، جو فضل بن الریح کے مکان کے پاس واقع تھی۔ میں نے کہا، ”یہ مسجد تو مال دار لوگوں کی معلوم ہوتی ہے“ میں مسجد میں داخل ہوا، مغرب کی نماز ادا کی اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا، آخر فائیت درجے بھوک اور تھکن کے عالم میں میں نے عشا کی نماز پڑھی، مسجد سے سب لوگ چلے گئے، بسرف ایک آدمی باقی رہ گیا، جو ابھی نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے خدام اور شرفاکی ایک جماعت کھڑی ہوئی انتظار کر رہی تھی کہ وہ نماز ختم کر لے، وہ آہستہ آہستہ نماز پڑھتا رہا، جب وہ واپس جانے لگا، تو اس نے مجھے دیکھا، کہا:-

”شاید تم پر ویسی ہو؟“

”جی ہاں“

”اس شہر میں تم کب آئے؟“

”آج ہی! میری کوئی قیام گاہ نہیں ہے، نہ کسی کو یہاں پہچانتا ہوں“

”کوئی ایسا ہنر رکھتا ہوں جس کے ذریعے روشناس اہل خیر ہوں“

مے بغداد کے ایک گنجان محلے کا نام

”کچھ جانتے بھی ہو؟“

”جی ہاں۔ گانا“

یہ سُننے ہی وہ لپکا اور اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سے مجھ اپنے ساتھ لے جانے کا اشارہ کر دیا، میں نے پوچھا، یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا، تم نہیں جانتے؟ یہ سلام الابرش ہیں!

کچھ دیر کے بعد ایک قاصد میری طلب میں آیا، اس نے مجھے قصورِ خلافت میں سے ایک قصر میں پہنچا دیا، وہ مجھے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں لے جاتا رہا، یہاں تک کہ محل کے چوکھٹ کے پاس ایک کمرے میں لے گیا۔ وہاں اس نے کھانا منگایا، میں ایسے دسترخوان پر بٹھایا گیا، جو بادشاہوں کا ساتھ خوب پیٹ بھر کے میں نے کھانا کھایا، میں اسی حالت میں تھا کہ میں نے کسی کی چاپ سنی، اور سنا کوئی کہ رہا ہے، ”وہ آدمی کہاں ہے؟“ کہا گیا، ”وہ یہیں ہے“ اس نے کہا، ”اس کے غسل، لباس، اور خوشبو کا انتظام کرو“ میرے لیے یہ سب انتظامات ہوئے۔ پھر میں ایک سواری پر بٹھا کر خلیفہ ہارون رشید کے درِ دولت پر پہنچا گیا۔ خلیفہ کی اقامت گاہ میں لے پہرے داروں، تکبیر کے نعروں، اور روشنی سے پہچانی، میں متعدد کمروں میں سے گزرا، یہاں تک کہ میں ایک کشادہ کمرے میں جس کے وسط میں بیلے چیلے بہت سے تخت بچھے ہوئے تھے پہنچا، اس آدمی نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا، میں بیٹھ گیا، دیکھتا کیا ہوں ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے، اس کے داہنی طرف تین لوندیاں ہیں، ان کی گود میں عود بجانے کی تین لکڑیاں ہیں، اور اس آدمی کی گود میں عود رکھا ہوا ہے۔ اس نے میرا خیر مقدم کیا، سامنے مجلس جہی ہوئی تھی، کچھ لوگ چلے گئے تھے، اور باقی بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے ابھی بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پردے کے

پچھے سے ایک خادم برآمد ہوا، اس نے اس آدمی سے کہا، ”گاؤ! اس نے میرے راگ پر یہ اشعار شروع کیے:-

” وہ کبھی ایک میل بھی پیدل نہیں چلی وہ کبھی بے پردہ پالان میں نہیں بیٹھی، اس نے کبھی سورج کو نہیں دیکھا، مگر نقاب سے!

وہ اس طرح آہستہ آہستہ چلتی ہے، گویا ہوا سے پلٹاتی ہے

ہرنوں کی چال، روم خوردہ چال! “

اس شخص نے کچھ اچھا نہیں گایا، تال سُر بھی ٹھیک نہیں تھے۔ پھر وہ خادم جاریہ کے پاس آیا، جو اس آدمی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اس سے کہا ”تم گاؤ! یہ جاریہ بھی میرے راگ پر گائی، ہاں اس آدمی سے کچھ اچھا گائی، اس نے یہ شعر گائے:-

” جس چیز کی مجھے تمنا ہے، مضر مجھے نہیں دیتا، بلکہ اس چیز

سے مجھے دُور کر دیتا ہے، جس کی مجھے آرزو ہے۔

ہر وہ چیز جس سے نوجوان خوف زدہ ہو مصیبت نہیں

ہے، اور نہ ہر وہ چیز جس کی وہ امید کرتا ہے، پالینے والا ہے۔“

اب وہ خادم دوسری کنیز کے پاس گیا، لیکن اس سے کچھ تقاضا نہیں کیا، بلکہ تغافل برتا۔ چنانچہ وہ نہیں گاسکی، اب خادم اس لونڈی کے پاس گیا جو اس کنیز کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، وہ حکم الوادی کے ڈپر گانے لگی:-

” اس نے ہمیں شرم دلائی کہ ہم تعداد میں کم ہیں، میں نے

کہا، اچھے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔

ہمیں ہماری کمی تعداد سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا، کیوں کہ

ہمارے پڑوسی طاقتور اور معزز ہیں، بہتوں کے پڑوسی
ذلیل ہوتے ہیں۔

ہم ان لوگوں میں ہیں کہ ہم قتل کو گالی نہیں سمجھتے، جب
عامہ در سعوں اس کے نام سے گھبرارہے ہوں۔

موت کی محنت ہماری موت کو ہم سے قریب کر دیتی ہے،
ان کی زندگیوں موت سے ڈرتی رہتی ہیں اس لیے دراز ہوتی
ہیں۔“

مجھے امید ہوئی اب خادم میرے پاس آئے گا، میں نے اس آدمی سے
کہا، ”میرا باپ تجھ پر قربان، ذرا عود تو لے لے، اور اس کے تار اس طرح
کس دے، اس کا ایک درجہ یوں کر دے، اور یہ تار اس طرح گرا دے جیسے
میں نے بتایا تھا، اس نے ویسا ہی کیا، اتنے میں خادم میرے پاس آیا،
اس نے کہا، ”خدا تجھے معاف کرے، اب تو گا“ میں نے پہلے آدمی کی
دہن گانا شروع کیا، لیکن اشعار وہ نہیں تھے، جو اس نے گائے تھے۔ خدام
کی جو جماعت حاضر تھی، وہ سب کی سب تختوں پر ٹیک لگا کے بیٹھ گئی،
انہوں نے پوچھا، ”یہ کس کا گانا ہے؟“

”میرا“

وہ لوگ بڑی تیزی سے میرے پاس سے چلے گئے، وہی خادم میرے
پاس آیا، اس نے کہا، ”تم جھوٹے ہو، یہ گانا ابن جامع کا ہے“ گانے کا دور
باری باری سے اس طرح چلتا رہا، جب پھر میری طرف آیا، تو میں نے
اس کنیز سے جو اس آدمی کے پاس بیٹھی تھی کہا ”تو عود اٹھالے، اس نے
اٹھالیا، پھر اس نے عود کو ٹھیک کیا، جیسا میں نے بتایا تھا ویسا ہی اسے

کر دیا۔ میں نے اسی کے راگ پر گانا شروع کیا، میرے پاس خادموں کی پہلی والی جماعت آئی، ان لوگوں نے کہا۔

”کم بخت یہ راگ کس کا ہے؟“

”میرا“

وہ لوگ واپس چلے گئے، خادم نمودار ہوا، میں نے اپنے راگ پر گانا سنایا جسے میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔

”میں اپنی سائنڈنی کے لیے کیوں نہ روؤں؟ کیوں نہ رنج کروں؟ جب چرواہے پانی پلا کر گھاٹ پر واپس لپٹیں۔

میں و فور شوق میں اس پر سوار ہو جاتا تھا، وہ ایسے شخص کو لے کر وہاں جوتی تھی، جو بہت فکر مند اور غم گین تھا“

خدا کی قسم یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ایوان کا ایوان ہل رہا ہے، خادم آیا، اس نے کہا۔

”کم بخت یہ کس کا راگ ہے؟“

”میرا“

وہ واپس چلا گیا، پھر آیا، اس نے کہا، ”تو جھوٹا ہے، یہ ابنِ جامع کا راگ ہے۔“

”میں اسمعیل بن جامع ہوں“

یہ سنتے ہی پردے کے پیچھے سے اہماں سے خادم نکلا لڑتا تھا، ہارون رشید اور جعفر بن یحییٰ برکی برآمد ہوئے، مجھ سے فضل بن الرزق نے کہا، ”دیکھو یہ المونین تیرے پاس تشریف لارہے ہیں“ جب وہ تخت پر چڑھے، میں جلدی سے کھڑا ہو گیا، انھوں نے مجھ سے فرمایا۔

”ابن جامع!“

”خدا مجھے آپ پر، اور امیر المومنین قربان کرے“

”ارے بھی تم اس شہر میں کب آئے؟“

”ابھی حال میں، میں آیا، اور امیر المومنین نے مجھے پہچان لیا“

”ابن جامع بیٹھو!“

پھر خلیفہ اور جعفر آگے بڑھے اور دونوں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ خلیفہ نے مجھ سے کہا، ”تجھے خوش خبری ہو، کشادہ دست ہو جا، اپنا دامن پھیلا، میں تجھے بہت سی چیزوں کا مالک بناؤں گا“ میں نے دُعا دی، پھر فرمایا، ”ابن جلع مجھے گانا سناؤ“

اس فرمائش پر مجھے اس خوب صورت کینز کا گانا یاد آ گیا، جسے میں نے مدینہ میں حاصل کیا تھا۔ میں نے اس آدمی سے کہا کہ وہ عود ٹھیک کرے اسی طرح جیسا میں چاہتا ہوں۔ وہ جانتا تھا میں کیا چاہتا ہوں، اس نے عود کے اوزان درست کیے، اسے ٹھیک ٹھاک کیا، یہاں تک کہ سب تار درست ہو گئے، اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، اب میں نے گانا شروع کیا، وہی خوب صورت کینز والا گانا۔

رشید نے جعفر کو دیکھا، اور کہا، ”کیا تم نے ایسا گانا کبھی سنا ہے؟“
”خدا کی قسم! میرے کان اس طرح کے گانے سے کبھی آشنا نہیں ہوئے، جعفر نے جواب دیا۔

پھر رشید نے سراٹھا کر خادم سے قریب آنے کا اشارہ کیا، اس سے ایک تھیلی منگائی، جس میں ایک ہزار دینار تھے، وہ لے آیا، خلیفہ نے تھیلی لے کر میری طرف پھینک دی۔ میں نے اسے اپنی ران کے نیچے دبایا، اور

امیر المومنین کو مدعا دی۔ خادم نے کہا، "اس ابن جامع، یہ راگ امیر المومنین کو پھر سنا میں نے دوبارہ وہ راگ سنا یا، اب کی کچھ اضافہ بھی کر دیا۔ خلیفہ سے جعفر نے کہا "میرے آقا آپ نے ملاحظہ فرمایا، کس طرح ابن جامع نے اس راگ میں پہلے کے مقابلے میں جب ہم نے سنا تھا، کچھ اور بڑھا دیا؟ اگرچہ راگ وہی ہو۔"

رشید نے پھر اس خادم کی طرف نگاہ ڈالی، اور ایک دوسری تھیلی طلب کی جس میں ایک ہزار دینار تھے۔ یہ تھیلی بھی میرے پاس پہنچ گئی، میں نے اسے بھی اپنی ران کے نیچے دبایا۔ پھر اس آدمی نے کہا، "اسمعیل جو تھیں یاد ہو سناؤ" میں نے ایک کے بعد دوسرا راگ سنانا شروع کیا، اس امید میں کہ وہ ان راگوں کو سکھوانے کے لیے باندیاں خریدے گا، چنانچہ میں نے اسے سنا یا، ہیں برابر سنا رہا، یہاں تک کہ رات بھیگ گئی۔

اس آدمی نے کہا، "اسمعیل آج کی رات تو ہم تمہارا گانا سنتے سنتے تھک گئے۔ اب تم امیر المومنین کو وہی راگ (خوب صورت کنیز والا) پھر سنا دو" میں نے پھر وہی راگ سنا دیا، پھر خلیفہ نے خادم کو بلا کر تھیلی لانے کا حکم دیا، وہ تیسری مرتبہ تھیلی لے آیا۔ اس میں بھی ایک ہزار دینار تھے۔

مجھے یاد آگیا، اس خوب صورت کنیز نے یہ راگ سنانے وقت کیا کہا تھا؟ میرے لبوں پر تبسم آگیا، خلیفہ نے یہ دیکھ لیا، پوچھا، "تم شکر اے کیوں؟" میں اپنے گھٹنے کے بل بیٹھ گیا۔ میں نے کہا، "اس امیر المومنین سچ ہمیشہ نجات بخشتا ہو" اس نے مجھے بھر پور کئے ہوئے کہا، "واقعہ کہو" میں نے اسے کنیز کا سارا ماجرا سنا دیا، جب میں کہ چکا، اس نے کہا، "تم نے سچ سچ کہ دیا، ایسا ہی ہوا ہوگا" یہ کہ کے وہ کھڑا ہو گیا، میں بھی تخت پر سے اتر آیا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ کدھر جاؤں؟ اتنے ہیں دو فراش آئے، اور مجھے اپنے ساتھ ایک گھر میں

۱۶۲
 لے گئے، جو امیر المومنین کے حکم سے آراستہ کیا گیا تھا، جس میں ملوک و سلاطین کے برتنے کی تمام چیزیں موجود تھیں، مثلاً غلام، کنیزیں، نوکر، چاکر، میں اس گھر میں اس طرح داخل ہوا تھا کہ فقیر بے نوا تھا، لیکن جب داخل ہوا تو بڑے اور خوش حال لوگوں میں شامل ہو گیا۔

(۱۶۲) ایک گوشہ گیر مُغنی !

معبدا کا بیان ہے، میں غریب سے ملنے کی تمنائیں لے گیا، مجھے معلوم ہوا تھا وہ اپنے خاص طرز میں اس راگ کو بہت اچھا گاتا ہے۔
 وما انس مل اشیالا انس شاننا مملکة مکھولا اسبلا مدامعد
 مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہ پہلا راگ تھا جسے غریب نے بنایا تھا، نیز یہ کہ جنوں نے اسے منع کیا تھا کہ یہ راگ نہ گایا کرے، اس لیے کہ ایک جنوں کا گروہ اس لحن سے سحر ہو گیا تھا، آخر وہ جن مگر چھوڑ کر اس کی خوبی کے سبب چلے گئے، جب میں نے پہنچا تو میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا، مجھے اس کے گھر کا پتہ نشان بتا دیا گیا، میں گھر پر پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا، کسی نے بھی جواب نہ دیا، میں نے بعض پڑوسیوں سے دریافت کیا، ”کیا اس گھر میں کوئی ہے؟“ جواب ملا، ”ہاں اس گھر میں غریب ہے۔“
 میں نے کہا، ”میں نے تو بڑی دیر تک دروازہ کھٹکھٹایا مگر صدائے برنخواستہ لوگوں نے کہا، ”وہاں غریب ہے۔“ میں پھر اٹھے پاتو واپس آیا، اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ اب کے بھی کسی نے جواب نہیں دیا، میں نے دل میں کہا، اگر میرے گلے نے مجھے نفع دیا، تو بس آج ہی دے گا،

میں نے جمیل کا ایک شعر اپنی ڈوم میں گانا شروع کیا۔ خدا کی قسم دروازے میں حرکت اب بھی میں نے نہیں دیکھی میں نے کہا، "میرا سحر باطل ہو گیا میرا شعر ضائع ہو گیا، میں نے وہ چیز طلب کی، جو میرے لیے دشوار تھی، میں خود اپنی نظر میں گر گیا، میں نے کہا، "اس نے اس لیے پروا نہیں کی کہ میرا گانا ہی کیا ہے؟" اتنے میں میں نے سنا کوئی آواز دے رہا ہے۔" اسی معبد گویے مجھ سے سن جمیل کا وہ شعر ہے تو گارہا تھا، اسی بد بخت تو نے اس میں غلطی کی یہ کہہ کے اس نے گایا۔

یہ میں نے اتنا اچھا راک سنا کہ اس سے اچھا کبھی نہیں سنا ہو گا۔ میں خود اپنی نظر میں بے مایہ ہو گیا، میں نے اپنے اڈ پر اس کی فضیلت مان لی، جسے وہ خود بھی محسوس کرتا تھا۔ میں نے کہا، واقعی یہ شخص لوگوں سے محبوب رہنے کا مستحق ہے، اس کے نفس کی تنزیہ اور قدر کی تعظیم کا تقاضا یہی ہے، اس جیسا شخص ہرگز اس کا مستحق نہیں کہ بازاروں میں گھومے اور عام لوگوں میں گھلے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ مدینے واپس چلا جاؤں، میں تھوڑی دُور گیا ہوں گا کہ آواز آئی، "اسی معبد دیکھ میں تجھ سے بات کر رہا ہوں" میں واپس آیا، مجھ سے کہا گیا، "غریب نے تمہیں بلایا ہے" میں خوش خوش دوڑا ہوا گیا۔ جب دروازے کے قریب پہنچا، اس نے کہا، "کیا تم اندر آنا چاہتے ہو؟" میں نے کہا، "کیا اس کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟" اس نے دروازہ کھینچا، وہ کھل گیا، مجھ سے کہا، "اندر آؤ، لیکن زیادہ دیر تک مت بیٹھنا" میں اندر پہنچا، دیکھتا گیا ہوں، گھر میں ایک آفتاب عالم تاب صوفناں ہے، میں نے اسے سلام کیا، غریب نے سلام کا جواب دیا، کہا، "بیٹھو" میں بیٹھ گیا، میں نے اسے شریف

اور حسین تر شخص پایا کیا با اعتبار جمال، اور کیا بر لحاظ اخلاق، اور کیا بر حیثیت خلق :
اس نے کہا۔

”اے معبد اتنی دُور دراز جگہ کیوں کر آنا ہوا؟“

”میں آپ پر قربان آپ نے مجھے پہچانا کیوں کر؟“

”تیرے راگ سے“

”یہ کیوں کر؟ آپ نے تو میرا راگ کبھی نہیں سنا“

”جب تم نے گایا تو میں نے پہچان لیا، میں نے کہہ دیا، اگر دُنیا میں

معبد ہو تو یہی ہو“

”میں آپ پر قربان، آپ نے میرا جواب ”وما انس الٰہ“ سے

کیوں دیا؟“

”میں جان گیا تھا، تو چاہتا ہوں کہ میں اپنا یہ گانا تجھے سناؤں۔“

وما انس مل اشياء لا انس شاننا . مملکة مکحولہ اسیلا مدامعہ

اور یہ آسان نہیں تھا، اس لیے کہ یہ وہ راگ ہے جس کے گانے کی مجھے ممانعت

کی گئی ہے، اس لیے میں نے تیرے راگ کے جواب میں جو تو نے گایا تھا، تجھے

یہ راگ سنایا“

”خدا کی قسم جو میں سمجھ رہا تھا وہی آپ نے کہا، میرے لائق کوئی خدا؟“

”اے ابو عبید اگر زیادہ گفتگو قابل ملامت نہ ہوتی اور زیادہ نشست

گراں نہ ہوتی تو میں بہت کچھ کہتا، اب مجھے معاف کرو“

میں غریب کے پاس سے واپس آ گیا، وہ میری نظروں میں سب سے

بڑا آدمی تھا، میں مدینے واپس گیا، میں نے اس کی باتوں کا چرچا کیا، اس

کی تیئذ دانی اور دکاوت پر میں بہت حیران تھا، میں نے بہت سے لوگ

دیکھنے لیکن میری نگاہ میں وہ ان سب میں بڑا تھا!

(۱۶۳) مسخرے کا انتقام

مدائنی کی روایت ہے، کہ موسم بہار کی ایک رات کو عبداللہ بن جعفر نے اپنے دوستوں کے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں موسلا دھار بارش ہونے لگی، ہر چیز بھیک گئی۔ انہوں نے کہا، ”آؤ دریائے عقیق چلیں“ یہ ایک تفریح گاہ تھی، جہاں موسم بہار اور برشکال میں اہل مدینہ جایا کرتے تھے۔ سب لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے، وہاں پہنچے، کنارے پر ٹھہر گئے، دریا سے جھاگ اڑ رہے تھے، جس طرح دریائے فرات سے جھاگ اٹھتے ہیں۔ وہ لوگ دیکھ رہے تھے، اب آسمان سے بارش ہونے ہی والی ہے۔ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا، یہاں کوئی پناہ گاہ تو ہے نہیں، جہاں ہم پناہ لے سکیں، بارش اب ہونے ہی والی ہے۔ ہم سب تر بتر ہو جائیں گے، تم میں سے کوئی عویس کا گھر جانتا ہے؟ یہیں کہیں قریب ہی تو ہے؟ وہیں ہم لوگ بیٹھیں، وہ پر لطف باتیں کر کر کے ہنسنے لگا۔

عویس ایک جگہ کھڑا ہوا عبداللہ بن جعفر کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے سنا، عبداللہ سے عبدالرحمن بن حسان بن ثابت نے کہا، ”قرابت شوم، آپ بھی کہاں عویس کے ہاں جانے کا ارادہ کرتے ہیں، اس کے اذپر تو خدا کی پھٹکار ہے، وہ تو ہیچڑا ہے، جس سے بھی ملتا ہے بڑا بھلا کہتا ہے۔“

عبداللہ نے کہا، ”یہ نہ کہو وہ دل چسپ آدمی ہے، ہمیں اس سے اس ہے۔“ یہ سن کر عویس جلدی سے اپنے گھر گیا، اپنی بیوی سے کہا، ”اری نیک سخت

ہمارے پاس لوگوں کے سردار حضرت عبداللہ بن جعفر تشریف لارہے ہیں، تیرے پاس ان کی ہمان داری کے لیے کچھ ہو؟“ وہ بولی، ہاں کیوں نہیں؟ یہ بکری کا بچہ ذبح کر لیں گے“ اس کے پاس بکری کا ایک مضبوط اور تن درست پٹھا تھا جسے اس نے دودھ پر پالا تھا، عویس نے جلدی سے بڑھ کر بکری کا بچہ ذبح کیا، اور اس کی بیوی آٹا گوندھنے لگی۔

پھر عویس باہر نکلا اس نے دیکھا عبداللہ اسی کی طرف آرہے ہیں، عویس نے ان سے کہا، ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ میرے غریب خانے پر چلیے، وہیں آپ تشریف رکھیے، جب تک بارش رکے،“ انھوں نے جواب دیا، ہم تمہارے ہی پاس آرہے تھے“ عویس نے کہا، ”تو تشریف لے چلیے، آئیے میرے آقا“ وہ ساتھ پیدل آیا، یہاں تک کہ سب لوگ اتر پڑے باتیں ہونے لگیں، کھانے کا وقت بھی آگیا، عویس نے کہا، ”میرے ماں باپ آپ پر قربان جب میرے غریب خانے پر قدم رنجہ فرما کر آپ نے میری عزت افزائی کی، تو اب شام کا کھانا بھی نوش فرمائیے“ عبداللہ نے کہا، ”ہاں لاؤ، کیا کھلاتے ہو؟“ وہ فوراً اسی بکری کا گوشت، چربی، اور روٹی لے آیا، سب نے اور عبداللہ نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ کھانا بہت پسند کیا گیا، جب وہ لوگ اپنے ہاتھ دھونے لگے عویس نے کہا، ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں آپ کے ساتھ چلوں اور کچھ گانا سناؤں“ عبداللہ بن جعفر نے کہا، ”ہاں اور عویس ضرور“ پھر عویس نے ایک چادر لی، اس کا تہہ باندھا، اور اس کے دوپلے لٹکا دیے، پھر اس نے ایک چھڑی لی، اور سوانگ بھر کے چلنے لگا، اس نے سنا یا:-

یا خلیلی نابی سہدی لم تنم عینی دلا تکد

”اے میرے دوست، مجھے تو بے داری ہی سے واسطہ پڑا ہے،
 نہ میری آنکھ سوئی، نہ اس نے تکلیف اٹھائی“
 یہ شعر سب کو پسند آیا، سب نے بے ساختہ کہا، ”واللہ عوئیں، تم نے
 خوب گایا، واہ واواہ!“

عوئیں نے کہا، ”میرے آقا آپ جانتے ہیں یہ کس کا شعر ہے؟“
 عبد اللہ نے کہا، ”نہیں میں تو نہیں جانتا، ہاں یہ جانتا ہوں شعر
 بہت عمدہ ہے“

عوئیں نے کہا، ”یہ شعر فارغہ بنت ثابت، حضرت حسان بن ثابت
 کی بہن کا ہے، جو عبدالرحمن بن حارث، بن ہشام، مخزومی سے بخت کرتی تھیں۔
 انھی کے عشق میں یہ شعر انھوں نے کہا تھا“
 حاضرین نے اپنی گردن جھکالی، عبدالرحمن کا تو شرمندگی کے مارے
 بڑا حال ہو رہا تھا، زمین پھٹ جاتی اور وہ اس میں سما جاتے!

(۱۶۴) حمیر اور فرزدق

بنی ہذیل کا ایک بوڑھا روایت کرتا ہے، جو رشتے سے فرزدق کا ماموں ہوتا
 تھا۔ مجھے معلوم ہوا حجاج کے دروازے پر فرزدق اور حمیر موجود ہیں خیال ہوا
 اپنی بہن کے لڑکے سے ملاقات کر لوں، ایک اونٹ پر بیٹھ کر میں روانہ ہوا قبل
 اس کے کہ یہ دونوں وہاں سے رخصت ہوتے ہیں نے انھیں پالیا، دونوں
 کے پاس رفقائی ایک ایک جماعت تھی، میں فرزدق کی جماعت میں شامل
 ہو گیا۔

ایک روز امیر کے نقیب نے پکارا، "جریر کہاں ہے؟" جس نے
 "فرزدق کی طرف اشارہ کیا، یہ ہے ابو فراس" اس کے گروہ والوں نے اس
 کے چھپھورے پن پر ناگواری ظاہر کی۔ پھر نقیب نے کہا، "فرزدق کہاں ہے؟"
 فرزدق کھڑا ہوا اور اندر آگیا، لوگوں نے جریر سے کہا، یہ کیا بات ہے کہ تم اس
 سے دشمنی رکھتے ہو، جو کرتے ہو، لاف زنی کرتے ہو، اس پر غلبہ حاصل کرنا
 چاہتے ہو اور مقابلہ کرتے ہو۔ اور پھر اسے پہلے دربار میں بھیجتے ہو۔"
 جریر نے جواب دیا، "بات دراصل یہ ہے کہ وہ کم سخن ہے، اس کے کلام کا خزانہ
 جلد خالی ہو جائے گا، پھر اس کے بعد جب میں جاؤں گا تو بازی میرے ہاتھ ہے
 گی، لوگوں نے کہا، تمہاری نظر بڑی دُور رس ہے۔"

ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ نقیب باہر نکلا اس نے آواز دی،
 "جریر کہاں ہے؟" جریر اٹھا، اور اندر داخل ہو گیا، وہ کہتا ہے کہ میں اندر پہنچا
 تو فرزدق اپنی مدح ختم کر چکا تھا، وہ کہ رہا تھا۔

دین الذی ہم تسامی دارما ام من الی سلفی طھیة تجل
 اس کا عامہ اس کے سر پر بڑی چھنی کی طرح رکھا ہوا تھا، پیچھے سے بس چخا۔
 "جان لو، سمجھ لو! یہ ابن یوسف ہے۔ یہ کوئی چھپی ہوئی چیز
 نہیں ہے۔"

تمہارے اذپر نفاق کی راہیں کس نے سد ڈوکیں؟ کون ہے
 جو حجاج کی طرح بے جگری سے حملہ کر سکتا ہو؟
 اگر بڑا دل آدمی کی زین ہٹ جائے تو کیا وہ موت کے
 چنگل سے بچ جائے گا؟

حجاج نے کہا، کتنی اچھی تشبیہ ہے، وہ بہت سرد ہوا، پھر جریر نے کہا،

” تیرے محبت کرنے والے دل میں محبت جاگزیں ہو گئی ہے،
تو مقام توفیق میں سویرے اپنے محل کو لے کر پہنچ جا“
اس نے پھر اسے دہرایا، حجاج نے کہا، ”اے یہ انعام دو“ مگر
میں نے اسے کم سمجھا۔

ہذلی کا بیان ہے کہ جریر اُجڈُ عرب تھا، اس نے حجاج سے کہا، ”امیر نے
میرے لیے ایسے عطیے کا حکم دیا ہے جس سے صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا، بہتر
ہو کہ کاتب کو بلایا جائے، اور لکھوادیا جائے، حجاج نے کاتب کو بلایا، اور
اس بات کا خیال رکھا کہ رقم دو گئی کر دی جائے، فرزدق کو بھی اس نے اتنا ہی
عطیہ دیا۔

ہذلی کہتا ہے، میں فرزدق کے پاس آیا، اس نے مجھے ساٹھ دینار اور
ایک غلام دیا۔ پھر میں اس کے رداۃ کے پاس گیا، میں نے دیکھا اس کے
اشعار میں جو نقص تھے انھیں وہ ٹھیک کر رہے ہیں۔ میں نے جو شعر پسند آیا
یا دکر لیا، میں نے اس سے کہا، ”اے ابو فراس، سب سے بڑا شاعر کون ہے؟“
اس نے کہا، ”میرے بعد سب سے بڑا شاعر ابن مراثہ ہے“ میں نے کہا ”چھٹا
غزل گو شاعر سب سے بہتر کون ہے؟“ اس نے کہا، ”وہ جس نے کہا ہے۔“
”میرے اڈ پر غم کا بار بار آنا جانا ایسا ہے، گویا میں صبح تک
تارے گننے میں لگا ہوا ہوں“

میں نے کہا، ”یہ تو احوص کا شعر ہے“ اس نے کہا، ”ہاں یہ اسی کا
شعر ہے“

ہذلی کہتا ہے، پھر میں جریر کے پاس آیا، فرزدق نے مجھے جو کچھ دیا تھا

میں اسے کم سمجھ رہا تھا، اس کی تلافی جریر کے عیضے سے کرنا چاہتا تھا، اس نے کہا،
 ”تمہیں تمہارے بھانجے نے کیا دیا؟“ میں نے بنا دیا، اس نے کہا، ”اتنا ہی
 تمہیں میں بھی دیتا ہوں“ اس نے بھی مجھے ساٹھ دینار اور ایک غلام دیا،
 میں جریر کے روادے کے پاس آیا، وہ لوگ اس کے اشعار کے تقاضے دست
 کر رہے تھے، میں نے جو شعر پسند آیا، یاد کر لیا، پھر میں نے کہا، ”اے ابو حرزہ
 غزل کا سب سے بہتر شاعر کون ہے؟“ اس نے کہا، وہ جس نے کہا ہے۔۔
 ”اگر کاش میں ان کے ساتھ رہتا، جن سے اب جُدائی کی تکلیف
 اٹھا رہا ہوں، وہ قبیلہ خثعم کے لوگ ہیں، جب میں ان سے دُور
 ہو گیا انھوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا تھا میں اس سے محروم
 ہو گیا۔“

وہ ایسے لوگ ہیں جو سدیر اور حیرہ میں آتے جاتے ہیں،
 انھی سے امید کی جا سکتی ہے، اور وہی فریاد سن سکتے ہیں۔
 گو میں ان کی آبادی سے دُور ہوں، خواہ وہ ملنے سے اجتناب
 کرتے ہوں، یا قطع تعلق کر چکے ہوں۔
 لیکن جتنا زمانہ ان کا میرے ساتھ گزرا انھوں نے میرے
 ساتھ بھلائی کی، یہ جو کچھ میں کہ رہا ہوں یہ صرف ایک امید اور
 طمع ہے۔“

میں نے کہا، ”وہ کون ہے جس نے یہ شعر کہے ہیں؟“ اس نے کہا، ”احوص“
 یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ احوص نسب کا بہترین شاعر ہے۔

(۱۶۵) انصاف

ابوالفضاک کا بیان ہے کہ ابو زینب الازدی اور ابو مرزع ولید بن عقبہ سے بدر لینے کی تاک میں تھے، ایک روز وہ دونوں مسجد میں آئے، ولید جماعت میں نہیں تھا، انھوں نے سبب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اس نے شراب پی ہے۔ وہ لوگ اس کے گھر میں داخل ہوئے، دیکھا وہ قمر کر رہا ہے، ان دونوں نے مد ہوشی کے عالم میں اسے اٹھایا، اور بستر پر لٹا دیا، اور اس کی انگلی سے گھر کی انگوٹھی اتار لی۔

جب اس کی حالت سنبھلی تو دیکھتا کیا ہے انگوٹھی غائب۔ پھر اس نے اس کی بابت پوچھ گچھ کی۔ لوگوں نے جواب دیا، ”ہمیں نہیں معلوم، ہم نے دیکھا دو آدمی آئے، گھر میں داخل ہوئے، انھوں نے آپ کو اٹھا کر بستر پر لٹا دیا۔ اس نے کہا، ”ان کا ذرا ناک نقشہ تو بیان کرو“ انھوں نے جواب دیا، ”ان میں سے ایک تو لمبا تر، رنگا خوب صورت سا آدمی تھا، اور دوسرا چوڑا چمکلا ایک قمیص پہنے ہوئے تھا“ اس نے کہا، ”ہاں یہ ابو زینب تھا، اور وہ ابو مرزع“ ابو زینب اور اس کا ساتھی عبداللہ بن جیش الاسدی سے ملے اور علقمہ بن یزید البکری وغیرہ سے بھی ملے، انھیں واقعہ کی خبر دی، انھوں نے کہا، ”امیر المؤمنین کے پاس جاؤ، اور انھیں واقعہ کی اطلاع دو“ ان میں سے ایک نے کہا، ”وہ ہماری بات اپنے بھائی کے بارے میں شاید ہی سہ تاریخ طبری میں ابو مرزع لکھا ہے، — ابو زینب یعنی زہیر بن حارث

مانیں "بہر حال وہ لوگ امیر المومنین کے پاس گئے، انھوں نے کہا، "ہم آپ کے پاس ایک بات کے سلسلے میں آئے ہیں۔ ہم اس بوجھ کو اپنی گردن سے آپ کے سامنے اتار دینا چاہتے ہیں، ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ شاید اسے باور نہ کریں" انھوں نے کہا، "کہو تو!" انھوں نے جواب دیا، "ہم نے دیکھا ولید شراب کے نشے میں مدہوش ہو رہا تھا، یہ اس کی انگوٹھی ہے، جو ہم نے اتار لی تھی، اس حالت میں کہ وہ عقل کھو چکا تھا، امیر المومنین حضرت عثمان نے اس معاملہ میں حضرت علی سے ملنے لی، انھوں نے فرمایا، "ولید کو حاضر کرو، اگر یہ اس کے خلاف علی الاعلان گواہی دے دیں تو اس پر حد جاری کر دو۔"

حضرت عثمان نے ولید کو طلب کیا، وہ حاضر ہوئے، ابو زبیب، ابو مزع، ابو جندب الاسدی اور سعد بن مالک الاشعری نے ان کے خلاف شراب پینے کی گواہی بے قسم کھائے ہوئے دی۔

حضرت عثمان نے حضرت علی سے کہا، "اٹھیے اور ولید کے کوڑے لگائیے" حضرت علی نے حضرت حسن سے کہا، "اٹھو اور کوڑے لگاؤ" حضرت حسن نے فرمایا، "آپ مجھی سے کیوں فرماتے ہیں، کسی اور سے ارشاد فرما دیجیے" اب حضرت علی نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے کہا، "تم اٹھو اور ولید کے کوڑے لگاؤ" انھوں نے کوڑے لگانا شروع کیے۔ جب انھوں نے چالیس کوڑے لگالیے تو حضرت علی نے کہا، "بس یہ کافی ہے!"

(۱۶۶) گویا اور اس کی باندی !

محمد بن موسیٰ الیزیدی بیان کرتے ہیں کہ اسحق موصلی کی کنیز دمن سے ابو

آپ نے اپنا راگ چھیڑا، اے — آپ کا شکر یہ نہ ہو — میں نے حاصل بھی کر لیا“ اس نے مجھ پر قہر اور افسوس کی نگاہ ڈالی، پھر کہا، ”سنا تو وہ راگ!“ میں نے پورے کا پورا سنا دیا، قریب تھا وہ غصے سے دیوانہ ہو جائے، وہ کچھ نادم اور شرمندہ سا معلوم ہو رہا تھا، اس نے مجھ سے کہا، ”ابھی اس میں فوراً سی کسر ہو، میں اسے تجھے ٹھیک ٹھیک سکھا دوں گا“ میں نے کہا، ”مجھے آپ کی اصلاح کی ضرورت نہیں، ۱۵۱ سے ۱۵۲ کے لیے ٹھیک کیجیے، خدا کی قسم اسے تو میں نے آپ کی خلافِ مرضی حاصل کر لیا“

پھر وہ کروٹ کے بل لیٹ گیا، اور سو گیا، میں چلی آئی، کئی دن تک اس کا یہ حال رہا، جب مجھے دیکھتا ناگ بھوں چڑھا لیتا۔

(۱۶۷) تیز روڈا کو!

حاجز ایک بے مایہ آدمی تھا، قبائل عرب پر ڈاکہ زنی کیا کرتا تھا، تیز اتنا دوڑتا تھا کہ گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ دیتا تھا، عباس بن ہشام کہتے ہیں کہ عوف بن حارث ازدی نے اپنے بیٹے حاجز سے کہا، ”بیٹے مجھے اپنے سب سے بڑے دشمن کا قصہ سناؤ!“ اس نے کہا، ”بہت بہتر سنیے، مجھے ایک دفعہ ختم نے دہشت زدہ کر دیا، میں سر پہ پانوں رکھ کر بھاگا، گھوڑا بھی مجھ سے پیچھے رہ گیا، میرے سامنے دو ہرنیاں آگئیں، میں راستے کی تنگی کے سبب انھیں ہاتھ سے ہٹانے لگا، وہ میرے بھاگنے میں آڑے آرہی تھیں، جب ڈراکشاہ راستہ

نے حاجز بن عوف، بن حارث، بن الانعم بن سلمان، جاہلی شاعر تھا، بہت

زیادہ مشہور نہیں ہے۔

اس کی کنیزوں میں بہت بڑا درجہ رکھتی تھی، اور سب سے زیادہ اس سے بہرہ مند ہوتی تھی، میں ملا۔ میں نے اس سے کہا، ”اپنے آقا سے غنا میں تو نے کیا حاصل کیا؟“ اس نے کہا، ”خدا کی قسم اس سے نہ میں نے کچھ حاصل کیا، نہ کسی اور کنیز نے۔ وہ سکھانے کے بارے میں بڑا بخیل تھا، زندگی بھر میں اس سے میں نے بس ایک ہی راگ حاصل کیا، وہ بھی اس طرح کہ وہ غلیفہ کے دربار سے نئے میں مست واپس آیا، وہ اس کمرے میں گیا جہاں سوتا تھا، اس نے دیکھا عود لٹکا ہوا ہے، جو اس کے سونے کے کمرے میں ہمیشہ رکھا رہتا تھا۔ اس نے خود ہاتھ میں لے لیا، اور خادم سے کہا، ”ای غلام، جا، دمن کو بلالاً“ غلام میرے پاس آیا، میں اس کے ساتھ گئی، جب میں دروازے پر پہنچی تو وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا، عود اس کے ہاتھ میں تھا، وہ اس راگ کو ڈھال رہا تھا اور اسی کو دہرا رہا تھا، وہ اسے ٹھیک کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے اسے بالکل ٹھیک کر لیا، وہ یہ تھا۔

”میری رات نے جانے سے انکار کر دیا، میری آنکھیں تاروں سے ٹکادی گئیں۔“

اس رات کی صبح نہیں آتی، نہ اب اس کے آنے کا کوئی

اسکان ہے۔“

جب میں نے یہ سنا تو مجھے خیال ہوا، اگر میں اس کے سامنے گئی تو یہ گانا بند کر دے گا، میں ٹھٹھک کر سننے لگی، یہاں تک کہ وہ فارغ ہو گیا۔ میں نے یہ راگ یاد کر لیا، جب وہ فارغ ہو گیا، تو عود رکھ دیا، اسے یاد آیا، اس نے مجھے بلایا تھا اس نے کہا، ”ای غلام دمن کہاں ہے؟“ میں نے کہا، ”میں یہ رہی!“ وہ گھبرا گیا، اس نے کہا، ”تو کب سے یہاں کھڑی ہے؟“ میں نے کہا، ”جب سے

سامنے آیا میں ان دونوں سے آگے نکل گیا۔

اس کے باپ نے پوچھا، ”تیز دوڑنے میں تمہیں کوئی ساتھی بھی ملا؟
اس نے کہا، ”سوار اور دھول کے کوئی نہیں ہم ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے،
میں اس پر سبقت نہ لے جا سکا۔

عون بن حارث بن انشم نے بنی عامر بن ہلال بن صعصعہ پر ایک
اندھیرے دن میں ڈاکہ ڈالا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ”اترو، میں
تمہاری رہ نمائی کروں گا،“ وہ پہلا اور بنی ہلال کی ایک جماعت کے پاس پہنچا
اس نے اپنے گھوڑے کے پانوں کس کر باندھ دیے، تاکہ وہ ہنہنائے اور
ان لوگوں کو اس کی طبع پیدا ہو، جب وہ قبیلے کے پاس پہنچا، قبیلے والوں کو
شبہہ ہوا، وہ اس کے تعاقب میں سوار ہوئے، وہ انہیں شکست دیتا ہوا ان
کے سامنے سے بھاگتا چلا گیا۔ وہ اس کے تعاقب میں لگے رہے۔ آگے آگے
وہ اور پیچھے پیچھے یہ لوگ اس کے ساتھیوں، بنی سلمان تک پہنچ گئے، وہاں
انہیں بہت سخت نقصان اٹھانا پڑا، سلمان نے خوب مال قیمت حاصل
کیا۔

ابو عمرو کہتا ہے، حاجز اپنے ایک غزوہ میں تھا کہ اسے قبیلہ خشم نے گھیر
لیا۔ اس کے ساتھ اس کا بھتیجا بشیر بھی تھا، اس نے کہا، ”بشیر کیا کہتے ہو؟“
اس نے کہا، ”انہیں جانے دیجیے، یہ پانی پی لیں گے تو سیراب ہو کر چلے جائیں
گے ہم بھی ان کے ساتھ چل دیں گے، وہ ہمیں بھی اپنے ہی میں سمجھیں گے، ان
دونوں نے یہی کیا۔ حاجز کی پتلی میں ایک نشان تھا، خشم کی ایک عورت کی
اس پر نگاہ پڑ گئی، وہ چلائی، ”اے آل خشم! حاجز یہی ہے،“ وہ اس کے پیچھے
دوڑ پڑے، ان میں سے ایک بڑا سیاہو جادو گر بنی بھی تھی، بونی، ”اس کے ہتھیار

اور اس کی تیز روی کا میں بندوبست کرتی ہوں" انھوں نے جواب دیا، "ہم اس کی تیز روی کی پروا نہیں کرتے، ہمارے پاس عوف ہے جو اس کے برابر ڈر لیتا ہے، تو تو اس کے ہتھیاروں کا بندوبست کر" بڑھیا نے قبیلے والوں کے لیے عاجز کے ہتھیاروں کو سحر بند کر دیا۔ عوف بن اعزاز نے اس کے پیچھے دوڑا، اور قریب پہنچ گیا، قبیلے کے لوگ چلائے، "اے عوف، عاجز کے تیر مار۔ وہ آگے نہ بڑھا اور بزدلی دکھائی، قبیلے والے برہم ہو گئے وہ چلائے، "اے عاجز ہم نے تجھے معاف کیا، تجھے قسم ہے عوف کو قتل کر دے" اس نے ہمیں رسوا کر دیا، "عاجز نے کمان کھینچی کہ عوف کے تیر مارے، لیکن کمان کی تانت ٹوٹ گئی، اس لیے کہ اس جادو گرنی نے اس کے ہتھیاروں پر جادو کر دیا تھا۔ پھر اس نے اپنے بھتیجے بشیر کی کمان اٹھالی، اسے تانا، وہ بھی ٹوٹ گئی، پھر دونوں بھاگے اور ان سے بہت آگے نکل گئے، راستے میں عاجز کو ایک اونٹ ملا وہ اس پر بیٹھ گیا، وہ اس راستے پر نہیں گیا، جس پر جانا چاہتا تھا بلکہ قبیلہ نضیم ہی کی طرف چلا، عاجز اس پر سے اتر پڑا، بھاگا، اور بچ گیا۔

ابو عمرو کہتا ہے، ایک دفعہ عاجز سنہ کو نکلا، پھر واپس نہیں آیا، نہ اس کی کوئی اطلاع ملی، لوگوں نے خیال کیا، یا تو وہ پیاسا مر گیا، یا راستہ بھول گیا۔

(۱۶۸) وفادار کینیز!

قلم الصالحیہ، صالح بن عبدالوہاب کی کینیز تھی، بڑی خوب صورت اور ہنرمند، ایک مرتبہ اس کا ایک راگ جو محمد بن کنارہ کے شعر ذیل پر بنایا گیا تھا خلیفہ واثق باللہ کے سامنے گایا گیا۔

” میرے اندر ایک قسم کی جھمک اور جیا پیدا ہو جاتی ہے، جب
اہلِ وفا اور اہلِ کرم سے دوچار ہوتا ہوں۔
اس وقت اپنے نفس کو آزاد چھوڑ دیتا ہوں، اور بے لاگ
کہنے لگتا ہوں“

واثق نے پوچھا، ”یہ کس کا راگ ہے؟“

”قلم الصالحیہ کا جو صالح بن عبد الوہاب کی کنیز ہے“

خلیفہ نے محمد بن عبد الملک الزیات کو بلایا، وہ فوراً حاضر ہوا، وثاق نے
اس سے پوچھا، ”یہ صالح بن عبد الوہاب کون ہے؟“ اس نے بتایا پھر خلیفہ نے
کہا، ”وہ کہاں رہتا ہے؟“ اسے حاضر کر دیا، اس کے ساتھ کنیز کو بھی طلب کر دیا وہ دونوں
واثق کے حضور میں حاضر ہوئے، جب قلم سامنے آئی، خلیفہ نے اسے میٹھے اور
گانے کا حکم دیا، وہ گائی، خلیفہ نے اس کا گانا پسند کیا، اور اس کی خریداری کی خواہش
ظاہر کی۔ صالح نے کہا، ”میں اسے اس شرط پر فروخت کروں گا کہ مجھے ایک لاکھ
دینار دیے جائیں، اور مصر کی گورنری عطا کی جائے“ وثاق کو اس بات پر غصہ آگیا،
اس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد وثاق کے دربار میں زُر زُر البکیر نے گایا، اس نے احمد بن
عبد الوہاب برادر صالح کے شعر ذیل پر یہ راگ سنایا، یہ راگ قلم کا ایجاد کیا
ہوا تھا۔

” احباب کے مکان نے ظاہر ہونے سے انکار کر دیا۔ قسم ہوتی ہے

کوشش کی کہ تو نے کوئی مددگار نہیں پایا“

واثق نے کہا، ”یہ راگ کس کا ہے؟“ کہا گیا، ”قلم کا جو صالح کی لونڈی ہے“
خلیفہ نے ابن الزیات کو بلوایا، اور حکم دیا کہ وہ صالح اور اس کی باندی قلم کو حاضر

کرے، جب وہ دونوں حاضر ہوئے اور قلم خلیفہ کے سامنے آئی، تو خلیفہ نے یہی راگ
گائے کا حکم دیا، اس نے گایا، واثق نے اس سے کہا، "یہ راگ تمہارا ہے؟"

"جی ہاں امیر المومنین"

"خدا تمہیں مبارک کرے"

پھر صالح کو اذن باریابی ملا، اس نے کہا، "چوں کہ امیر المومنین قلم کو
پسند فرماتے ہیں، مجھے یہ زریبا نہیں ہے کہ امیر المومنین جس چیز کو پسند فرمائیں،
اس کا میں مالک بنا رہوں۔ میں اسے امیر المومنین کی نذر کرتا ہوں، اس کا کچھ
حق میرے اوپر ہے، جب میں اسے پورا کر لوں تو اس کنیز کو ان کی ملک بنا دوں
گا۔ خدا انھیں یہ کنیز مبارک کرے" واثق نے صالح سے کہا، "میں نے تمہاری
یہ بات قبول کر لی" پھر اس نے ابن زیات کو حکم دیا کہ صالح کو پانچ ہزار دینار
دے دیے جائیں، رقم کی تعیین اس نے احتیاطاً کی تھی، لیکن ابن زیات
نے یہ رقم صالح کو نہیں دی۔ مال مٹول کرتا رہا صالح نے قلم کے پاس ایک
آدمی بھیجا، تاکہ وہ اسے اس واقعے سے باخبر کر دے، قلم نے واثق کو گانا سنایا
اس نے بہت پسند کیا، اور کہا، "خدا تجھے برکت دے، اور اسے برکت
دے جس نے تجھے پالا پورا"

"میرے مالک! جس نے پالا پورا اس بے چارے کو مجھ سے کیا

نفع؟ سوارخ اور افسوس کے ساتھ خالی ہاتھ مجھے چھوڑ دینے سے؟"

"کیا میں نے اس کے لیے پانچ ہزار دینار کا حکم نہیں صادر کیا؟"

"بے شک آپ نے حکم صادر فرمایا، لیکن ابن زیات نے انھیں ایک

کوڑی بھی نہیں دی"

واثق نے اپنے ایک مستخدم کو بلایا۔ اسے ایک رقعہ لکھ کر دیا کہ

فورا صلح کو ان پانچ ہزار دیناروں کے ساتھ پانچ ہزار دینار اور دس دیے جائیں۔

صلح کا بیان ہو میں خادم کے ساتھ رقعہ لے کر ابن زیات کے پاس گیا، اس نے مجھے اپنے قریب بلایا، اور کہا، "پہلے پانچ ہزار تو یہ لو، باقی رہے دوسرے پانچ ہزار وہ ایک ہفتے کے بعد تمہیں بھیج دوں گا" میں چلا آیا۔ پھر وہ مجھے اس طرح بھول گیا، گویا مجھے پہچانتا ہی نہیں، آخر میں نے اسے تقاضے کا خط لکھا۔ اس نے جواب دیا، "رسید بھیج دو، اور رقم ایک ہفتے کے بعد لے جاؤ" مجھے یہ بڑا معلوم ہوا کہ رسید تو دس دوں، اور وصول کچھ نہ کروں، میں چھپ گیا جب اسے معلوم ہوا میں چھپ گیا ہوں۔ وہ ڈرا کہیں میں دائق سے شکایت نہ کر دوں۔ اس نے رُپیہ بھیج دیا، اور رسید منگالی، کچھ عرصے کے بعد مجھے خادم ملا، اس نے کہا "خلیفہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور دریافت کروں، آیا رقم آپ کو ملی یا نہیں؟" میں نے کہا، "ہاں! میں نے لے لی!" صلح کہتا ہے، میں نے اس رقم سے ایک جائیداد خرید لی، اسی کا کام دیکھنے لگا، وہی جائیداد میرا فریضہ رزق بن گئی، میں نے پھر امیر المومنین کے پاس آنا جانا گویا ترک کر دیا۔ سب سے غافل ہو کر، بس، میں اسی میں لگ گیا۔

(۱۶۹) حضرت عمر کی خوش طبعی!

ولید بن مغیرہ سادات قریش میں سے تھے سخی اور دریا دل بھی بے انتہا۔ تھے، ان کا لقب وحید تھا، ان کی ماں صخرہ بن حارث بن عبد اللہ بن

عبد شمس قبیلہ، بھیلہ اور قیس کی ایک خاتون تھیں۔ جب ولید بن مغیرہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے یومِ وفات کو اہل قریش نے تاریخی دن ان کی بزرگی اور اعزاز کے سبب بنا لیا، جس طرح انھوں نے واقعہ فیل کو تاریخی سال بنا لیا تھا۔ یہ تو ابنِ ذاب کا بیان ہے، لیکن زبیر بن بکار کا قول ہے جو وہ عمرو بن ابی بکر موسلی سے روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن مغیرہ کی وفات تاریخی بنائی گئی تھی۔ یہ واقعہ بنا کر کعبہ سے سات برس پہلے کا تھا، پھر اسی سے تاریخ چلنے لگی۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں خالد بن ولید نے جنگِ رداء میں بڑے کارنامے کیے جو بہت مشہور واقعہ ہے جس کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ حیرہ کو حضرت خالدؓ ہی نے فتح کیا تھا، ان کے پاس حیرہ والوں نے عبدالملج عمرو بن نفیلہ کو بھیجا۔ خالدؓ نے ان سے گفتگو کی اور کہا:-

”آپ کا کہاں سے آنا ہوا؟“

”اپنی پس پشت سے“

”کہاں کا ارادہ ہے؟“

”اپنے سامنے“

”تم کس کے بیٹے ہو؟“

”ایک آدمی اور ایک عورت کا“

”تمہاری عمر کیا ہے؟“

”اب لب گور ہوں“

”کیا تم مجھ دار ہو؟“

”ہاں! اور چنچی تلی رائے بھی رکھتا ہوں“

”یہ قلعے کیسے ہیں؟“

”ہم نے انھیں اس لیے بنایا ہے کہ اپنے ضعف کی خوف زدگی سے حفاظت کریں“

”تمھاری قوم نے کیا کام تمھیں سپرد کیا ہے؟ یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟“

”زہر ہلاہل!“

”اس سے تم کیا کام لو گے؟“

”میرا ارادہ یہ ہے کہ دیکھوں آپ کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر میں نے وہ جواب پایا جو میری قوم کے لیے باعثِ فلاح ہو، تو میں اس کے پاس واپس جاؤں گا، ورنہ یہ زہرتنی لوں گا۔ اپنے تئیں قتل کر ڈالوں گا، اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ وہ چیز لے کر جسے وہ ناپسند کرتی ہے“

”یہ زہر مجھے دکھاؤ“

اس نے انھیں دے دیا، خالد نے کہا، ”بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء، وهو السميع العليم (خدا کے نام کے ساتھ جس کی برکت سے زمین آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے) یہ کہہ کر وہ زہر انھوں نے کھالیا، ان پر غشی سی طاری ہوئی، مگر فوراً وہ چہرے کا پسینہ پوچھتے ہوئے ہوش میں آ گئے، ابنِ نقیلہ اپنی قوم میں واپس گیا۔ اسے اس واقعہ کی اطلاع دی اور کہا، ”یہ مسلمانوں کی قوم انسان نہیں جنت ہے، تم میں اس کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ صلح کر لو۔ اس بنیاد پر جو تم چاہتے ہو“ حیرہ والوں نے ایسا ہی کیا

محمد بن ضحاک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب حضرت خالد بن ولید سے بہت مشابہ تھے۔ ایک مرتبہ صبح صبح حضرت عمر بن

باہر نکلے، ان سے ایک بوڑھا ملا، اس نے کہا، "اے ابوسلیمان مر جیبا! حضرت عمرؓ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ علقمہ بن علائہ تھے۔ انھیں سلام کا جواب دیا، علقمہ نے کہا، "کیا تمہیں عمرؓ نے معزول کر دیا ہے؟" حضرت عمر نے کہا، "ہاں! علقمہ نے کہا، "یہ شخص کبھی شکم سیر نہ ہو، خدا اس کے پیٹ کو کبھی نہ بھرے، حضرت عمر نے پوچھا، تم اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "میں سوا سمع و طاعت کے کیا کہ سکتا ہوں؟" جب صبح ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت خالد کو بلایا، علقمہ بن علائہ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے حضرت خالد کی طرف متوجہ ہوئے، اور کہا، "تم سے علقمہ نے کیا کہا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں"

"مجھے یقین دلاؤ"

حضرت خالد نے قسم کھائی کہ نہ وہ علقمہ سے ملے، نہ علقمہ نے ان سے کچھ کہا، علقمہ نے حضرت خالدؓ سے کہا، "ابوسلیمان اب زیادہ باتیں نہ بناؤ" حضرت عمرؓ مسکرائے، حضرت خالد سمجھ گئے کہ علقمہ کو غلط فہمی ہوئی، پھر ان کی طرف دیکھا، اب علقمہ بھی سمجھ گئے، انھوں نے کہا، "اوہو، وہ امیرالمومنین آپ ہی تھے؟ مجھے معاف فرمائیے، خدا آپ سے درگزر کرے" حضرت عمرؓ ہنسے پھر انھوں نے صبح کا سارا قصہ کہا۔

(۱۷۰) خون کا جوش!

ابوسہیل بیان کرتے ہیں، معاویہ نے یزید کے لیے بیعت کا خیال ظاہر کیا تو اہل شام سے کہا، "امیرالمومنین بوڑھے ہو گئے، ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں،"

ان کا وقت وفات قریب آگیا، ان کا ارادہ ہے کہ اپنا جائزین مقرر کر دیں، تمہاری رائے میں کون مناسب ہے؟ انھوں نے جواب دیا، "عبدالرحمن بن خالد بن ولید" معاویہ خاموش ہو گئے، بات اپنے دل میں رکھ لی، ابن اثال کو جو طیب تھا اشارہ کیا، اس نے عبدالرحمن کو زہر پلا دیا، وہ وفات پا گئے، یہ بات ان کے بھتیجے خالد بن مہاجر بن خالد بن ولید کو معلوم ہوئی، وہ اس وقت مکہ میں تھے۔ وہ اپنے چچا کے متعلق بہت بری رائے رکھتے تھے، اس لیے کہ ان کے والد جنگِ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے، اور عبدالرحمن بن خالد بن ولید معاویہ کے ساتھ۔ خالد بن مہاجر اپنے والد کے مسلک کے مطابق "ہاشمی المذہب" تھے، وہ بنو ہاشم کے ایک محلے میں گئے۔ ابن زبیر ان سے خفا تھے، انھوں نے شراب کی مشک ان پر ڈال دی، اس کا کچھ حصہ ان پر گر پڑا۔ انھوں نے الزام لگایا کہ خالد نشتے میں تھے، اس پر انھیں سزا ملی، جب ان کے چچا عبدالرحمن قتل کیے گئے، عروہ بن زبیر ان کے پاس سے گزرے، انھوں نے کہا، ابو خالد کیا تم اجازت دو گے کہ ابن اثال تمہارے چچا کی ہڈیوں کو شام میں خاک کر دے، اور تم مکہ میں اپنا تہمد پھینکارتے ہوئے گھومو، اور اسی بے فکری میں گمن رہو؟ یہ سن کر خالد کی رگِ حمیت جوش میں آئی، انھوں نے اپنے غلام نافع کو بلایا، اسے واقعہ بتایا، اور کہا، "ابن اثال کا قتل بہت ضروری ہے" نافع ہٹا کٹا آدمی تھا، دونوں مکے سے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچے، ابن اثال معاذ کے پاس رہتا تھا، خالد دمشق کی مسجد میں ابن اثال کی تاک میں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، ان کا غلام نافع ایک دوسرے ستون سے لگ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ صفین، رقہ کے قریب، دریائے فرات کے کنارے مغربی جانب واقع ہو، علی علیہ السلام اور معاذ کے مابین یہیں ۳۰ سالہ جنگ ہوئی تھی۔

کہ ابن اثال نکلا، خالد نے نافع سے کہا، ”خبردار تم اس سے تعرض نہ کرنا، میں لے ماروں گا، لیکن تم پشت کی طرف سے میری حفاظت کرو، اگر پیچھے سے مجھ پر دار ہو تو تم جانو!“

جب ابن اثال خالد کے سامنے آیا، خالد نے اچک کر اس پر حملہ کیا، اور اسے قتل کر دیا۔ خالد پر اس کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا، نافع نے انہیں لٹکارا، وہ نکل پڑے لیکن خالد اور نافع دونوں بھاگ نکلے، ابن اثال کے ساتھیوں نے ان کا تعاقب کیا، جب ان دونوں کو انہوں نے آگھیرا، تو ان دونوں نے ان پر حملہ کیا، آخر وہ چھٹک گئے، خالد اور نافع ایک تنگ گلی میں داخل ہو گئے اور انہیں بھلاوے میں ڈال دیا۔

یہ خبر معاویہ کو پہنچی، انہوں نے کہا، ”یہ کام خالد بن ہاجر کا ہے، جس گلی میں وہ داخل ہوا ہے اسے تہ و بالا کر دو، آخر بڑی تنگ و دو کے بعد خالد گرفتار کر لیے گئے۔ معاویہ کے سامنے لائے گئے۔ انہوں نے کہا، ”خدا تجھ سے سمجھے، تو زائر ہے؟ تو نے میرے طبیب کو قتل کر دیا؟“ خالد نے کہا، ”ہاں میں نے مامور کو قتل کر دیا لیکن آمر نچ گیا“ معاویہ نے کہا، ”تجھ پر خدا کی پھینکار خدا کی قسم اگر اس نے ایک بار بھی کلمہ پڑھا ہوتا، تو میں اس کے قصاص بنی تجھے قتل کر دیتا تیرے ساتھ نافع بھی تھا،“

”نہیں“

”وہ ضرور تھا، وہ نہ ہوتا تو یہ خدا تو یہ جرأت نہ کرتا“

معاویہ نے نافع کو بلوایا، وہ ڈھونڈھ کر لایا گیا، اسے معاویہ نے سزا کوٹے لگوائے، اور خالد کو صرف یہ سزا دی کہ اسے قید کر دیا، اور قبیلہ بنی مخزوم پر بارہ ہزار درہم ابن اثال کی دیت (خون بہا) عائد کر دی، جس میں سے چھ ہزار

بیت المال میں داخل کر دیے، اور چھو ہزار خود لے لیے، معاہدہ کے بارے میں معاویہ نے یہی اصول جاری کر رکھا تھا کہ دیت کی رقم نصف اپنے لیے، اور نصف بیت المال کے لیے، یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مندر خلافت پر متمکن ہوئے۔ انھوں نے یہ رسم شادی کہ خون بہا کی رقم میں سے فرماں روانے وقت بھی کچھ لے، اور یہ اصول بنا دیا کہ ساری رقم بیت المال میں داخل کر دی جائے۔“

جب معاویہ نے خالد بن مہاجر کو جیل بھیج دیا، تو اس نے کہا تھا:-
 ”میرے قدم آہستہ آہستہ اٹھتے ہیں، جیل میں رہنے والے قیدی کی طرح۔“

ہیں کس چیز کے ساتھ ان وادیوں میں چلوں، میرے نشان قدم کے پیچھے میرا تہمد بھی چلتا ہے۔

ان سب باتوں کو چھوڑ، کیا تو اس آگ کو دیکھتا ہے جو قبر والے پر بھڑک رہی ہے؟

یہ آگ سردی سے بچنے کے لیے نہیں جلائی گئی ہے، نہ اس سے کوئی تاپتا ہے، نہ اس سے بھاپ اٹھتی ہے۔

کیا ہے تمہاری رات کا حال، جس طرح دن ختم ہوتا ہے، وہ کیوں ختم نہیں ہوتی؟

کیا دن چھوٹے ہو جائیں گے، یا قیدی، قید و بند سے خوف زدہ رکھا جائے گا۔“

لہ معاہدہ فقہ کی اصطلاح میں ذبحی کو کہتے ہیں، جس سے اس کی جان و مال کی حفاظت کا ہمد کیا جاتا ہے، ابن اثمال نصرانی تھا۔

یہ اشعار معاویہ تک پہنچے انھوں نے اسے رہا کر دیا۔ خالد رہا ہو کر گئے آئے۔ وہاں عروہ بن زبیر سے ملاقات ہوئی، خالد نے کہا، "ابن انال کو تو میں نے قتل کر دیا لیکن ابھی ابن جریرؓ باقی ہے جو بصرے میں ابن زبیر کی ہڈیوں کو خاک میں ملا رہا ہے، اگر تجھ میں بدلہ لینے کی طاقت ہے، تو اسے قتل کر، عروہ نے اس کی شکایت ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام سے کی، انھوں نے خالد کو قسم دی کہ وہ ایسی باتیں نہ کیا کرے، وہ باز آگیا۔

(۱۷۱) دریا دل امیر

علی بن یوسف بیان کرتے ہیں کہ میں ابو دلف قاسم بن عیسیٰ الجعفی کے پاس موجود تھا اتنے میں ان کا حاجب آیا، اس نے جعیفران بن الموسوس کے لیے اذن باریابی طلب کیا۔ اس نے کہا، "میں موسوس کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ ہم نے عقل مندوں کے حقوق ادا کر دیے، اور دیوانوں کے حقوق ہم پر باقی رہ گئے۔ میں نے کہا، "میں امیر پر قربان موسوس تو بہت سے عقل مندوں سے بہتر ہے، ایسی زبان رکھتا ہے جس سے ڈرا جائے۔ قول ماثور رکھتا ہے، جو باقی رہنے والا ہے۔ خدا کے لیے اس سے نہ کھینچے، اس سے نہ آپ کو تکلیف پہنچے گی نہ اذیت، ابو دلف نے اجازت دے دی، جب موسوس اس کے سامنے پہنچا، اس نے کہا:-

سلہ ابن جریرؓ۔ حضرت زبیرؓ کا قاتل۔

عہ جعیفران بن علی بن اصغر، کنیت ابو الفضل، مولد و نشا بخداد، یہ بہت بڑا ادیب اور شاعر تھا، مقبول بھی بہت تھا۔

ابوالحسن ہمارے سردار اور آقا کا کیا شغل ہے؟ وہ کیسا ہے؟ میں نے کہا، "بہت اچھا، تم سے ملنے کا بے حد شائق ہے" اس نے کہا، "اگر بھائی خدا جانتا ہے، میں بھی اس سے ملنے کا بڑا شائق ہوں لیکن میں اس کے اہل شکر کو، ان کے شر کو، اور اصرار و شدت کو بھی جانتا ہوں، خدا کی قسم نہ وہ اسے چھوڑیں گے، نہ وہ انھیں چھوڑے گا، اس کا کرم اس کی اجازت نہیں دیتا کہ انھیں اپنی زرپاشیوں سے محروم کر دے۔ وہ نہیں چاہتا اس کے ہاں سے کوئی خالی ہاتھ نکلے" میں نے کہا، "ان باتوں کو چھوڑو، ابودلف سے ملو، اس سے بار بار طلب کرنے میں اس کا کچھ نقصان نہیں ہے۔"

"کیوں کر؟ کیا وہ خلیفہ سے بھی زیادہ دولت مند ہے؟"

"نہیں تو"

"اگر خلیفہ بھی یوہیں خرچ کرے، جیسے ابودلف خرچ کرتا ہے، اور اپنے آدمیوں کو اسی طرح کھلائے جس طرح ابودلف کھلاتا ہے تو وہ بھی دودن میں کنگال ہو جائے، خیر میرا کچھ کلام سنو۔"

"ہاں ابوالفضل کچھ سناؤ"

اس نے کہا:-

"اگر ابوالحسن قاسم کو میرا یہ پیام پہنچا دے کریں گے اس کو کسی رنجش کی وجہ سے نہیں چھوڑا ہے۔"

نہ غم دہنے کی وجہ سے، نہ کسی رکاوٹ کے باعث، اور نہ کسی دشمنی کے سبب۔

میں اس کے مال سے الگ رہتا ہوں، اور اپنی حمد و ثنا کو بے لوث رکھتا ہوں۔

”اگر وہ شخص موجودات عالم میں سب سے زیادہ سچی اور شریف ہو اور

جو قحط الرجال کے سبب بہت ہردل عزیز ہو۔

جب میں لوگوں سے کسی کے متعلق سوال کرتا ہوں تو سب

لوگوں میں قابل ستائش وہی ایک نظر آتا ہے۔

سب لوگ کہتے ہیں، وہ قاسم ہی ہے، جو اسلاف کے وقار

کو سب سے زیادہ قائم رکھنے والا ہے۔

تو ہمیشہ قابل رشک، اور پُر مسرت عالم میں رہے، تو ہمیشہ

لوگوں میں مکرّم اور معزز شمار کیا جائے“

ابو دلف نے اسے خلعت اور ایک ہزار درہم دیے۔ جب درہم اس کے

سامنے لائے گئے، تو اس نے ان میں سے صرف دس درہم لے لیے اور کہا،

”داروغہ کو حکم دے دیجیے باقی رقم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جب میں آؤں مجھے

دے دیا کرے، اور نہ شاید یہ رقم ضائع ہو جائے ابو دلف نے فاروق سے کہا اسے

ایک ہزار درہم دے دو، اور جب یہ تمہارے پاس آئے، تو جو مانگے وہ دے

دو، یہاں تک کہ موت ہم دونوں کو پیدا کر دے“ یہ سن کر جعفران رونے لگا،

ہچکیاں لے لے کر رونے لگا، اور کہا:-

”یہ جسے میں دیکھ رہا ہوں، ایک روز اسے موت آئے

گی، کیوں کہ ہر شرفنا ہوگی۔

اگر خدا کے سوا کوئی اور چیز ہمیشہ رہنے والی ہوتی، تو یہ

مایہ فضل وجود ہمیشہ باقی رہتا“

پھر وہ چلا گیا، ابو دلف نے کہا، ”تو اسے مجھ سے زیادہ جانتا ہے؟“

ایک مدت گزر گئی، ایک دفعہ جعفران مجھ سے ملا، اس نے کہا، ”اگر

ابودلف سردار ہو، پاکیزہ اطوار ہو، بڑے بڑے عطیے دینے
والا ہو، اس کے مکان کا صحن بڑا فرخ ہو۔
وہ بڑا سخی ہو، جب یکے بعد دیگرے اس کے پاس محتاج
اور نادار آتے ہیں، وہ اپنے بڑے بڑے عطیوں کو ان کے لیے
عام کر دیتا ہو۔“

میں نے ابودلف کو یہ اشعار سنائے اور وہ باتیں بھی جو میرے اور جمیفران
کے مابین ہوئی تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا، ”عرصہ ہوا جب میں اس سے ملا
تھا۔ میں نے اسے ٹھہرایا، سلام کیا، اس نے مجھ سے کہا، ”اے امیر! ہمیشہ آپ
پر خدا کی برکت نازل ہو“ پھر اس نے کہا:۔

”اے مال و دولت کی سخاوت کرنے والے، اے اعمال و انفعال
میں بزرگ و شریف۔

تو نے مجھے سوال کی ذلت سے بچالیا، امیدوں کو پورا
کرنے والی سخاوت کے سبب
زمانے کے تغیرات سے خداے بزرگ و برتر تجھے محفوظ
رکھے!“

پھر ابو جمیفران ابودلف کے پاس آئے جانے لگا، وہ ہمیشہ اس کی
نواہیوں کے بیان میں رطب اللسان رہتا تھا، یہاں تک کہ موت نے ان دونوں
کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

(۱۷۲) قتال کلابی

قتال لقب تھا، یہی مشہور ہو گیا، اس لیے کہ اس کی رعونت اور تختہ کا یہی مال تھا، پورا نام عبداللہ بن المفرجی ابن عامر، قتال، مرد میدان، شجاع اور شاعر تھا، بنی ابی بکر ابن کلاب کا ایک پیر کہن سال، جس کی کنیت ابو خالد تھی، بیان کرتا تھا۔ ایک دفعہ قتال اپنے ابن عم پربرہم ہوا، اس کے بھتیجے نے قسم کھائی کہ جب اسے دیکھے گا قتل کر دے گا، کچھ عرصے کے بعد اس نے اسے دیکھا تو تلوار سونت لی اور اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ قتال بھاگا، یہ اس کے پیچھے چھے چلا، جب اس کے قریب پہنچا، قتال نے اسے اللہ اور رحم کا واسطہ دیا، لیکن وہ ذرا بھی ملتفت نہ ہوا، اس اثنائیں کہ وہ دوڑ رہا تھا اور اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ قتال نے ایک نیزہ زمین میں گڑا ہوا دیکھا، اسے اٹھا لیا، اور زیاد کے کھینچ مارا، اور اسے قتل کر دیا، اس نے کہا۔

”میں نے زیاد کو اس حال میں کہ ہمارے اس کے مابین ایک

طویل سافت تھی، روکا، اسے میں نے خدا کا واسطہ دیا، اور شتے

لے کنیت ابو المیسیب، عہد اسلامی کا مشہور شاعر، دولت مروانہ میں، الراعی، فرزدق، اور جریر کا ہم عصر تھا، اس کا لقب قتال اس کی رعونت اور قوم کے سبب پڑ گیا تھا، بہادر بھی تھا اور شاعر بھی، حد درجہ پرت فطرت تھا، اس کے گھروالے اس کی جرائم پیشگی کے سبب اس سے بہت نالاں رہتے تھے،

ایک کتاب ہے، کتاب المصوم، اس میں چوروں کے بڑے دل چپ واقعات

درج ہیں، اس کتاب میں ان حضرات کے بھی بڑے بڑے جرائم بے نقاب کیے گئے ہیں!

کا بھی۔

جب میں نے دیکھا، وہ باز نہیں آتا، اور بگٹ بھاگا چلا آ

رہا ہے،

تو میں نے اپنا ہاتھ چمکتی ہوئی کاٹنے والی تلوار کی طرف
بڑھایا، جب وہ ہڈی پر پڑی، تو اس نے کاری ضرب لگائی۔

تلوار کا وار ایسے ہاتھ سے ہوا جس کی ماں نے کبھی قبیلے کی
خدمت نہیں کی تھی۔ جو صاحبِ عزت و جلال ہو، اور جو کبھی ذلیل
نہیں کیا گیا۔

پھر یہ بھاگا۔ مقتول کے ساتھی اس کے پیچھے دوڑے، یہ اپنی بنتِ عم
زینب کے پاس جو تالاب سے دوڑ رہی تھی آیا، جب پاس پہنچا، اس سے زینب
نے کہا:-

”ارے کم سخت یہ کیا ہوا؟“

”اپنے کپڑے مجھ پر ڈال دے؟“

زینب نے اس پر اپنے کپڑے ڈال دیے، اسے برقع پہنا دیا، وہ ہندی لگائے
ہوئے تھی، اس نے بھی ہندی اٹھائی، اور اپنے ہاتھوں میں لگالی، زینب ادھر
ادھر کہیں چلی گئی، اس کا مقصد پورا ہو گیا، جب مقتول کے عزیز زینب کے گھر
آئے تو قتال کو زینب سمجھتے ہوئے بولے:-

”وہ خبیث کہاں ہے؟“

”یہاں ٹھہرا نہیں کہیں چلا گیا۔“

جب قتال نے دیکھا کہ وہ لوگ دوڑ نکل گئے، تو اس نے دوسرا روپ بھرا اور عمارت پہنچ
لہ عمارت میں ایک پہاڑ کا نام ہے، اسے عمارت اس لیے کہتے تھے کہ اس میں لوگ بھٹک جاتے تھے!

گیا وہیں چھپا رہا، اسی پر اس نے کہا:-

”کوئی ہر جو میری قوم کے نوجوانوں کو میرا پیغام پہنچا دے، جب جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، میں نے اپنا نام زینب رکھ لیا تھا۔ میں نے اپنی داڑھی پر نقاب ڈال لیا، اور نقاب کرنے والوں کو اپنی مہندی لگی ہوئی انگلیاں دکھادیں۔“

اس نے یہ بھی کہا تھا:-

”خدا اچھی جزا دے عمایہ کو، جزا کا دینا اسی کے ہاتھ میں ہو، عمایہ ہر بھلا کے ہوئے کی جلنے پناہ ہو، وہاں اگر کوئی قوم اترے تو ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی، اگرچہ سلطان وقت اپنا سارا لشکر کیوں نہ بھیج دے۔“

وہ عمایہ میں بہت دنوں ٹھہرا، ضرورت کی چیزیں اس کا بھائی وہاں پہنچا دیا کرتا تھا، وہ وہاں ایک گھائی میں رہتا تھا، اسی میں ایک پیتا بھی پناہ گزین تھا، اپنی عادت کے مطابق پیتا سیر لینے آیا۔ جب چیتے نے اسے دیکھا تو اپنے دانت کرکراتے لگا، قتال نے میان سے تلوار نکالی، چیتا اس کے سامنے تن کے کھڑا ہو گیا، اس نے اپنے پنجے لگائے، قتال نے کمان سے تیر نکالا، اور اس کے ہاتھ پر مارا، وہ دھاڑنے لگا، قتال نے اپنی کمان کو اور اس کی تانت کو بغیر تیر لگائے ہوئے کھینچا، چیتا چپ ہو گیا، اور پھر اس سے مانوس ہو گیا۔

اس واقعہ کا راوی ابن کلبی ہے، عمرو بن شیبہ نے بھی اپنی روایت میں اس کی تائید کی ہے، وہ کہتا ہے، چیتا پہاڑی بکروں کے شکار کو نکل جاتا تھا، جو کچھ شکار کرتا تھا لے آتا تھا، اور قتال کے سامنے ڈال دیتا تھا، قتال کو جتنی ضرورت ہوتی رکھ لیتا، باقی چیتے کے آگے ڈال دیتا، جسے وہ کھا لیتا۔ کبھی

قتال نکلتا، کسی جانور کو اپنے تیر سے زخمی کرتا، ایک کے بعد دوسرے جانور پر وار کرتا، اپنا شکار غار میں لے آتا، کچھ اپنے لیے رکھ لیتا، باقی چیتے کے آگے ڈال دیتا، جب قتال گھاٹ پر آتا تو چیتا اس کی حفاظت کرتا، یہاں تک کہ وہ پانی پی لیتا، جب وہ وہاں سے ہٹ جاتا، تو چیتا آتا اور قتال اس کی حفاظت کرتا، اور وہ پانی پی لیتا، اس واقعہ کا قتال نے اپنے ایک قصیدے میں بھی ذکر کیا ہے:-

” غار میں میرا ایک دوست ہے، جو ابوالجون سے کم نہیں،
اپنے ساتھی کے ساتھ بڑا بڑا نہیں کرتا۔“

ہم دونوں اپنی سرشت کے اعتبار سے ایک دوسرے
کے دشمن ہیں، ہر ایک اپنی دشمنی میں بہت شریف ہے۔
جب ہم آپس میں ملتے ہیں تو ہماری گفتگوئے محبت
خاموش ہوتی ہے، اور نظر سرگیں نیزے کی طرح !!
ہمارے پانی کا صاف ستھرا گھاٹ ایسی جگہ پر ہے جو لوگوں
کو معلوم نہیں اس جگہ کوئی بھی اس سے پہلے نہیں آیا۔
پہاڑی بکرے ہمارے لیے موجود رہتے ہیں، جن کا ہم شکار
کر لیتے ہیں، ہم میں سے ہر ایک کو ان کی کٹی ہوئی چربی خوب
مزدہ دیتی ہے۔

میں شکار کو محبت کے برتاؤ کے سبب نشان دار کر دیتا ہوں
حالاں کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے، لیکن میں اسے پاک
کر لیتا ہوں۔“

پھر قتال پکڑ لیا گیا، ایک عرصہ دراز تک جیل میں بند رہا، ابن ہباز القرشی

اور اس کے ایک ابن عم کے مابین دشمنی تھی، اس کے ابن عم کو معلوم ہوا کہ قتال مدینے میں قید ہے، وہ اس کے پاس پہنچا، اور کہا، "اگر میں تجھے جیل سے نکال دوں، تو تو میرے ابن عم ابن ہبار کو قتل کر دے گا؟"

"ہاں کیوں نہیں!"

"میں کھانے میں رکھ کر تمہیں چھری بھیجتا ہوں، اس سے اپنی ہتھکڑیاں کاٹ ڈالنا، میں تمہاری راہ دیکھتا رہوں گا، تمہیں بچالوں گا، تمہیں گھوڑا دوں گا، جس سے تم نجات حاصل کر لو گے، تلوار دوں گا جس سے اپنی حفاظت کر سکو گے، اگر اس ترکیب سے تم نے نجات پالی تو خیر، ورنہ تمہارا نصیب"

"میں راضی ہوں"

ابن مدینہ وضو کے لیے قیدیوں کو باہر نکالتے تھے، قتال نے اس موقع پر وہی کیا جو اسے بتایا گیا تھا، قرشی آیا، اور اس نے اسے چھڑا لیا، اسے پناہ دی، یہاں تک کہ اس کی تلاش و تفتیش ختم ہو گئی، پھر قرشی نے اسے تلوار دی، قتال نے اس کے ابن عم ابن ہبار کو قتل کر دیا، اس صلے میں قرشی نے اسے ایک اچھا اڈنٹ دیا، اس پر بیٹھ کر وہ سلامتی سے کہیں نکل گیا، اس نے کہا:-

"میں نے ابن ہبار کو (قتل کر کے) دروازے پر ٹیک لگائے ہوئے چھوڑا، میرے سامنے شاہ اور اردم پہاڑ تھے۔ میں نے اسے ایسے آدمی کی تلوار سے چورنگ کیا جس کا نام نہیں بتاؤں گا، اگرچہ میرے دل میں خطرات کا ہجوم ہو"

(۱۷۳) ”ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے!“

عبیدہ بن اشعب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حسن بن حسن میرے والد کے ساتھ ہنسی مذاق کیا کرتے تھے، اس ہنسی مذاق میں اکثر وہ دیکھتے کہ حسن ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتے، جیسے کوئی نشتے میں ہو، ان پر زیادتی کرتے پھر ننگی تلوار لے آتے، انھیں دکھاتے، اور کہتے اس سے وہ انھیں قتل کر دیں گے، ایک عرضہ دراز تک یہی صورت جاری رہی، میرے والد نے طویل مدت تک وہاں کی آمدورفت بند رکھی، ایک روز مذہبھڑ ہو ہی گئی، حسن نے کہا، ”او اشعب، تو نے مجھے چھوڑ دیا، مجھ سے تعلقات منقطع کر لیے، پیمانہ وفا بھول گیا؟“ ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، اگر تلوار دکھائے بغیر آپ مجھ پر زیادتی کرتے رہتے تو میں ہرگز کنارہ کشی نہ اختیار کرتا، لیکن تلوار کے ساتھ مذاق نہیں نہہ سکتا“

”اچھا اب میں تمہیں تلوار سے الگ رکھوں گا، تم اسے کبھی نہیں دیکھو گے، اور یہ دس دینار ہیں یہ لو، اور یہ گدھی جس پر میں بیٹھا ہوں اس پر بیٹھو اور میرے ساتھ چلو۔ شرط یہ رہی کہ میرے گھر میں تم تلوار کی صورت نہیں دیکھنے پاؤ گے!“

”نہیں اس طرح نہیں، آپ کے گھر میں جتنی تلواں ہیں سب نکال دینے کا وعدہ کیجیے، قبل اس کے کہ ہم کھائیں پیئیں“

”یہ بھی ہی“

میرے والد ان کے ساتھ گئے، حسن نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا،

تلواریں نکال دیں، البتہ ایک تلوار اپنے پاس گھر میں رہنے دی، جب ہنسی مذاق کی پھر نوبت آئی، وہ گھر گئے، اور اپنی مشہور تلوار نکال لائے، انہوں نے کہا۔

”میں یہ تلوار ایک نیک کام کے لیے لایا ہوں، جو میں تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں!“

”میرے ماں باپ آپ پر قربان وہ کون سی بھلائی ہے جو اس تلوار سے عمل میں آئے گی؟ کیا آپ اپنی ہماری شرط بھول گئے؟“

”جو کچھ میں کہتا ہوں سنو! میں اس سے تمہاری جان نہیں لوں گا، نہ کوئی ایسی بات کروں گا جو تمہیں ناکوار ہو، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں پہلوؤں کے بل لٹاؤں، پھر میں تمہارے سینے پر بیٹھ جاؤں، پھر تمہاری مقلق کی کھال اپنی انگلی سے نکال لوں، اس طرح کہ نہ تمہاری کوئی رگ نکالوں گا، نہ پٹھا، نہ قتل کروں گا، میں تو زرا تلوار کو وہاں تیز کروں گا، پھر میں تمہارے سینے سے اُتر آؤں گا اور تمہیں بیسن دینا دوں گا!“

”میں آپ کو ابراہیم رسول اللہ خدا کا واسطہ دیتا ہوں، ایسا نہ کیجیے“ یہ کہنے کے والد دھاڑیں مار مار کے رونے لگے، چہنچہ چلائے لگے، اور مدد مدد پکارنے لگے، حسن اپنے حلف سے تجاوز نہیں کر رہے تھے کہ نہ انہیں قتل کریں گے، نہ حد سے آگے بڑھیں گے، مزہف کھال پر ٹوکا لگائیں گے، لیکن وہ یہ بھی کہ رہے تھے، اگر تم خوشی سے نہ سائے تو زبردستی کی جائے گی بڑی دیر تک دونوں میں یہی رد و کد ہوتی رہی، یہاں تک کہ حسن اپنے مزاج سے باز آگئے، بر ظاہر وہ والد سے خائف ہو گئے، یک بریک کہا، ”تم یوں نہیں راضی ہو گے، میں رستی لاتا ہوں، اس سے تمہیں باندھوں گا“ یہ کہنے وہ

چلے گویا رسی لینے جا رہے ہیں، اشعب بھاگے، اور دیوار سے پھاند کر اس گھر میں کود پڑے، جو ان کے اور عبداللہ بن حسن ان کے بھائی کے درمیان تھا، ان کا پانوز خمی ہو گیا، عبداللہ گھبرائے ہوئے آئے، انھوں نے ماجرا پوچھا، اشعب نے ساری رام کہانی بیان کی۔ عبداللہ ہنسے اور اشعب کو تین دینار دینے کا حکم صادر کیا، انھیں اپنے ہاں ٹھہرا کر ان کی مرہم پٹی کی، اس وقت تک انھیں روکا جب تک وہ بالکل تندرست نہ ہو گئے۔

اس واقعے کے بعد اشعب نے حسن بن حسن سے کبھی ملاقات نہیں

کی۔

زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ حسن بن حسن نے ایک دفعہ اشعب کو بلایا، اسے اپنے پاس ٹھہرایا، ایک روز انھوں نے اشعب سے کہا، میں اس بکری کی کلیجی کھانا چاہتا ہوں، یہ بکری انھیں بڑی عزیز تھی، تھی بھی بڑی خوب صورت، اشعب نے ان سے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ اسے میرے حوالے کیجیے، اس کے بدلے میں میں آپ کے لیے مدینے کی سب سے زیادہ چربی والی بکری ذبح کر دوں گا، انھوں نے کہا، میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس بکری کی کلیجی کھاؤں گا، اور تو مجھ سے مدینے کی سب سے زیادہ چربی والی بکری کا ذکر کرتا ہے؟ — اور غلام اسے ذبح کرا، غلام نے وہ بکری ذبح کر دی، اس کی کلیجی اور گوشت بھونا، جسے ان دونوں نے کھایا، دوسرے روز انھوں نے اشعب سے کہا، اور اشعب میں اپنے اس گھوڑے کی کلیجی کھانا چاہتا ہوں، یہ وہ گھوڑا تھا جس کی قیمت ہزاروں درہم تھی، اشعب نے کہا، اور میرے آقا، اس کی قیمت تو مجھے مال دار بنا دے گی، یہ مجھے دے دیجیے، خدا کی قسم میں مدینے کے جس گھوڑے

کی کلجی اپ چاہیں آپ کو کھلا دوں گا، حسن نے کہا، میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس کی کلجی کھاؤں گا، اور تو مجھے دوسرے کا لالچ دیتا ہے؟ — اور غلام نے ذبح کر "غلام نے اس کو ذبح کیا، اس کی کلجی بھونی، حسن اور اشعب نے اسے کھایا، تیسرے روز انھوں نے کہا، "اور اشعب آج میں تیری کلجی کھانا چاہتا ہوں" اشعب نے کہا، "بحان اللہ آپ آدمیوں کی کلجی کھائیں گے؟" انھوں نے کہا، "جو کھنا تھا میں تم سے کر چکا" یہ سنتے ہی اشعب بھاگا، اذپر کی منزل سے نیچے کود پڑا، اس کا ایک پاؤ بھی ٹوٹ گیا، لوگوں نے اس سے کہا، "اے بے وقوف کیا واقعی تو نے مجھ لیا تھا کہ وہ تجھے ذبح کر دیں گے؟" اس نے جواب دیا، "خدا کی قسم اگر وہ میری اور تمام دنیا کی کلجی کھانا چاہیں تو کھا کر میں گے، انھوں نے بکری اور گھوڑے کے ساتھ جو چاہا وہ کر کے رہے، یہ میرے ہونے والے انجام کی تمہید تھی!

(۱۱،۴) دھوکے باز!

غیرہ بن شعبہ کہتے ہیں، سب سے پہلے عربوں نے میری چالاکی و ہوشیارگی کا جو واقعہ جانا وہ یہ تھا، میں سفر میں تھا حیرہ جا رہا تھا، چند ساتھیوں نے مجھ سے کہا۔

"ہمارا شراب کو جی چاہ رہا ہے، اور ہمارے پاس صرف ایک کھوٹا درہم ہے"

"لاؤ وہ مجھے دو، اور دو شکیزے لے آؤ"

"اس کھوٹے درہم سے ایک شکیزہ بھی آجائے تو بہت ہے!"

"جو میں مانگتا ہوں وہ دو، ادھر ادھر کی باتیں چھوڑو"

انھوں نے ایسا ہی کیا، لیکن میرا مذاق اڑانے لگے ایک شکیزے میں میں نے تھوڑا سا پانی بھرا اور ایک کلال کے پاس گیا، اس سے کہا، "اس شکیزے بھر شراب ناپ دو!" اس نے شکیزے میں شراب بھر دی، میں نے وہی کھوٹا درہم نکالا اور اسے دے دیا، اس نے کہا، "اس شکیزے بھر شراب کی قیمت نہیں درہم ہو، اور تم یہ کھوٹا درہم دینے چلے ہو؟" میں نے کہا، "میں ٹھہرا ایک دیہاتی، میں سمجھا اس کی قیمت یہی ہوگی، اگر یہ بات نہیں ہے تو اپنی شراب لے لو!" اس نے اتنا لے لیا جتنا دیا تھا، شکیزے میں نے جتنا پانی ڈالا تھا اس کے برابر شراب رہ گئی، میں نے وہ شراب دوسرے شکیزے میں ڈال لی، نہیں اپنی پیٹھ پر رکھا اور چل دیا، میں نے پہلے شکیزے میں پھر تھوڑا پانی ڈالا، اور دوسرے کلال کے پاس گیا، میں نے کہا، "میں اس شکیزے میں ایسی شراب چاہتا ہوں! دیکھ لو میرے پاس کبھی ہے؟" اگر ایسی ہی تمہارے پاس ہو تو مجھے دے دو" اس نے اسے دیکھا، میں نے اسے اس لیے دکھا دیا کہ اسے شک نہ ہو۔ دیکھ کر اس نے کہا، "میرے پاس اس سے بھی بڑھیا مال ہے" میں نے کہا، "لاؤ!" وہ میرے پاس شراب لایا، میں نے پہلے شکیزے میں ڈال لی، میں نے پھر وہی کھوٹا درہم دے دیا، اس نے بھی پہلے کلال کی طرح باتیں کیں، میں نے کہا، "اپنی شراب لے لو" اس نے جو شراب میرے پاس تھی لے لی، وہ دیکھ رہا تھا کہ جو شراب میں نے اسے دکھائی تھی وہ اس میں ملا دی تھی، جب میں باہر آیا تو میں نے پہلی شراب میں یہ شراب بھی ملا دی، اس طرح حیرہ کے تمام کلالوں کے ہاں جا جا کر میں نے یہی کیا، یہاں تک کہ پہلا شکیزہ لبالب، اور دوسرے کا کچھ حصہ میں نے بھر لیا، اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا، دونوں شکیزے میں نے ان کے

سامنے رکھ دیے، اور اُن کا درہم بھی انھیں واپس کر دیا۔
انھوں نے کہا، "ارے کم سخت تو نے کیا کیا کیا؟" میں نے انھیں سارا
قصہ سنایا، وہ بہت متعجب ہوئے، یہ واقعہ سارے عرب میں مشہور ہو گیا، اور
آج تک مشہور چلا آ رہا ہے۔

(۱۷۵) عقیدت مند شاگرد

اسخنی موصلی کا بیان ہے کہ مجھ سے برصوبا الزائر نے کہا، "میں نے آپ کی
جو خدمت کی ہے، میرا جو آپ پر حق ہے، مجھے جو آپ سے تعلق ہے، مجھے جو آپ سے
شرفِ نیاز مندی حاصل ہے، اس کی بنا پر میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کا ایک
دن مجھے مرحمت فرمائیے۔ جو میرا جی چلے کروں، آپ کسی بات کی مخالفت نہ
کیجیے" میں نے کہا، "اچھی بات، میں تمہیں ایک دن دیتا ہوں" پھر وہ میرے
پاس آیا، اور کہا، "مجھے ایک خلعت دلوائیے" میں نے یہ بھی کیا، خلعت کے
ساتھ ایک منقش جپہ بھی اسے دیا، اس نے اسے پہن لیا، جپہ اوپر ڈال لیا،
اور کہا، "ہمارے ساتھ اس نشست گاہ میں چلیے جہاں میں آپ کے والد کے
ساتھ آیا کرتا تھا، ہم ساتھ ساتھ اس نشست گاہ کی طرف روانہ ہوئے، میں
نے اسے خوب عطر اور خوش بو سے بھرا دیا تھا۔"

جب وہ نشست گاہ کے دروازے پر پہنچا، تو اس نے اپنے تئیں
زمین پر گرا دیا، خاک اپنے منہ پر لپی، رونے لگا، اور ہائے وائے کرنے لگا،
بڑی غم کی حالت میں بین بھی کرنے لگا وہ ساری نشست گاہ میں گھومتا اور
ان جگہوں کو چومتا جہاں ابو اسخنی بیٹھا کرتے تھے، وہ برابر روتا رہا، وہاں دیتا

رہا، یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوا، پھر اس نے اپنے کپڑوں پر ہاتھ مارا، انھیں پھاڑنا شروع کیا، میں برابر اسے دلا سا دے رہا تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ رو رہا تھا، کچھ عرصے کے بعد وہ خاموش ہوا، اس نے اپنے کپڑے منگوائے انھیں پہنا اور کہا ”میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ مجھے خلعت پہنائیے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ برصوما نے اپنے کپڑے اس لیے پھاڑ دیے تاکہ اسے ان کپڑوں سے اچھا خلعت دیا جائے“ پھر کہا ”ہمارے ساتھ اپنے گھر چلیے، میں جو چاہتا تھا وہ میں نے لے لیا“ میں اپنے گھر واپس آیا، اسے ایک دن اپنے پاس ٹھہرایا، پھر ایک بہت اچھا خلعت دے کر روانہ کیا۔

(۱۶۶) ”معبد کا جنازہ ہوزر ادھوم سے نکلے!“

کردم بن معبد مغنی سولی ابن قطن کا بیان ہے، میرے والد کا انتقال ہوا، وہ اس وقت یزید بن ولید کے لشکر میں تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا، میں نے دیکھا جب ان کی نعش سلامت القس، جاریہ یزید بن عبدالملک کی طرف سے گزری، تو لوگ جنازے سے بے پروا ہو کر اس کی طرف ٹٹکی لگا کر گھورنے لگے، اس نے نعش کی چار پائی کا پایہ پکڑ لیا، وہ والد کا مرنیہ پڑھ رہی تھی، کہ رہی تھی:-

”زندگی کی قسم میں نے اپنی رات بہت کرب کے عالم میں

بیمار کی طرح گزاری۔

جب میں نے منزل کو خالی دیکھا تو میری آنکھوں سے

آنسو جاری ہو گئے۔

غم میرا رفیق بن گیا، مجھ سے اتنا قریب ہو گیا کہ ہم پہلو سے
بھی بڑھ گیا۔

مکان اپنے آقا کے (نہ ہونے سے) دیران ہو گیا ہے، وہ
ایسا آقا ہے جس سے ہم فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔

اگر ہم رنجیدہ ہوتے ہیں، اور اپنی بے کسی پر غم گین ہوتے
ہیں تو ہمیں ملامت نہ کر۔“

کردم کہتے ہیں، یزید نے میرے والد کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کینز کو یہ راگ
سکھائیں، انھوں نے سکھا دیا تھا، اسی راگ پر اس نے وہ مرنیہ پڑھا۔
میں نے دیکھا ولید بن یزید اور عمر اس کا بھائی صرف قیص اور چادر
اوٹھے والد کی نعش کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، یہاں تک کہ نعش اس کے
گھر سے باہر لائی گئی، اسی نے سارے انتظامات کیے، گھر سے قبر تک وہ
نعش کے ساتھ رہا۔

(۱۷۷) دو دوست گویے کی قبر پر!

اسحق بن یعقوب عثمانی، مولیٰ آل عثمان، اپنے والد سے روایت کرتے
ہیں، ہم عمرو بن عثمان کے صحن مکان میں یہ مقام ابطلج موجود تھے، یہ ایام حج
کے آٹھ دنوں میں سے پانچویں دن کی صبح تھی، میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک
آدمی سانڈنی پر سوار آیا، وہ بہت خوب صورت تھا، اس کے ساتھ ساز و سامان
بھی تھا، اس کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی تھا، وہ بھی سانڈنی پر سوار تھا۔
ہر ایک نے اپنے ساتھ ایک کوتل گھوڑا، اور خچر رکھ چھوڑا تھا، وہ دونوں میرے

پاس آکر ٹھہر گئے، انھوں نے میرے بارے میں دریافت کیا، میں نے اپنا عثمانی نسب بتا دیا، پھر وہ دونوں اتر آئے، انھوں نے کہا، ”ہم دونوں تمھارے ہی خاندان کے ہیں، ضرورت مند ہیں، ہماری تمنا ہے کہ وہ ضرورت ہو سکے تو آپ ہی پوری کر دیں۔ قبل اس کے کہ ہم حج میں مشغول ہوں“ میں نے کہا، ”آپ دونوں کی وہ کون سی ضرورت ہے؟“ انھوں نے کہا، ”ہمیں ایسا آدمی چاہیے جو ہمیں عبید بن سریح کی قبر پر پہنچا دے“ میں ان دونوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، اور انھیں محلہ بنی قارہ میں لے گیا، جو بنی خزاعہ کا تھا۔ محلے والے موالی عبید بن سریح تھے، وہاں میں نے ایک ایسا آدمی ڈھونڈھا، جو ان کی رفاقت کرے، اور دسم میں ابن سریح کی قبر پر انھیں لے جائے، میری ملاقات ابن ابی دباکل سے ہوئی، میں نے اسی کو ان دونوں کے ساتھ کر دیا۔ ابن ابی دباکل نے بعد میں مجھے بتایا کہ وہ جب ان دونوں دوستوں کو ابن سریح کی قبر پر لے گیا، تو ان میں سے ایک اپنی سواری پر سے اتر پھر اس نے اپنے چہرے سے عمامہ اٹھایا، دیکھتا کیا ہوں عبید اللہ بن سعید بن عبد الملک سامنے کھڑا ہے، اس نے اپنی سانڈنی ذبح کر دی، وہ درد ناک آواز میں بڑے اچھے انداز کے ساتھ ذیل کا مرثیہ گانے لگا۔

”ہم دسم میں ایک قبر پر رُکے، اس نے ہمیں غم گین کر دیا،
ہم نے وہ ایام ماضی یاد کیے، جب وہ ہمارا ساتھی تھا۔
پلکوں کے کنارے لہریز ہو گئے، اُمنڈتے ہوئے آنسوؤں
کے سیلاب سے جو متواتر آ رہا تھا۔

جب رُخسار کے میدان سے آنسو زرا ٹھہ جائیں، تو
آنسوؤں کے بعد خون نکلتا ہے، جو آنسوؤں کے پیچھے بہتا ہے،

اور آنکھوں! اگر تم خوش بخت ہونا چاہتی ہو، تو ہم دہاڑیں مارنا
 کر جیسا کہ مرثیہ پڑھیں، اس کے لیے ہم جتنا بھی روئیں کم ہو۔“
 پھر اس کا ساتھی اُترا، اس نے بھی اپنی ساندنی ذبح کی، قرشی نے
 اس سے کہا، ”ابو یحییٰ کا کوئی راگ سناؤ!“ وہ گانے لگا۔
 ”اے دونوں آنکھوں! تم مجھے خوش بخت کرو، ڈبڈبائے اور
 بہتے ہوئے آنسوؤں سے، ایسے آنسوؤں سے جو بہت بہنے
 والے ہوں!“

اہل حساب نے مجھے غم گین اور شتاق بنا کر چھوڑ دیا،
 وہ ایسے گھر والے ہیں جو موت کا مچھا کرتے ہیں، موت
 پر ان کے بعد کوئی عتاب نہیں ہو۔

میری رفاقت کرو، میں ابھی طرح جانتا ہوں، جس نے
 موت کو چھکھ لیا وہ کبھی واپس نہیں آ سکتا۔

اس مقام مجھ میں کتنے ہی بوڑھے، پاک دامن، اور
 نوجوان تھے، وہ لوگ مختلف مقامات میں دفن ہو گئے۔

افسوس! ان کے بعد میں اکیلا رہ گیا، اور میرے ساتھیوں
 نے مجھے ملول کر دیا۔“

ابن ابی دہاگل کہتا ہے، ”خدا کی قسم اس نے ابھی تین شعر بھی اس قصیدے
 کے نہیں پڑھے ہوں گے کہ اس کا ساتھی بے ہوش ہو کر گر پڑا، جب حواس
 درست ہوئے تو وہ اپنے خچر کی زین ٹھیک کرنے لگا، وہ ابھی چڑھا نہیں تھا
 کہ میں نے اس سے پوچھا، ”یہ کون ہے؟“ اس نے کہا، ”ایک جذامی“
 لہ ابو یحییٰ، ابن سیرج کی کیفیت تھی۔

میں نے پوچھا، ”اس کا نام؟“ اس نے بتایا، ”عبداللہ بن ابی المنتشر!“
 تقریباً ایک گھنٹے تک قریشی اسی حالت میں پڑا رہا، پھر اسے افاتہ
 ہوا، جذامی اس کے چہرے پر پانی چھڑکنے لگا، اس نے غضب تک ہو کر کہا، ”تم
 ہمیشہ اپنے اوپر ایسی مصیبتیں ڈالا کرو، اور اسی طرح تکلیف میں مبتلا رہا کرو“
 پھر اس نے گھوڑا اس کے قریب کر دیا، وہ گھوڑے پر چڑھ گیا، جذامی نے
 خرمی سے ایک پیالہ اور پانی کا برتن نکالا، پیالے میں اس نے ابن مسریج کی قبر
 کی مٹی بھر دی، اور پانی کے برتن سے اس پر پانی ڈالا، پھر کہا، ”لو اب یہ حریرہ
 پیو!“ اس نے پی لیا، پھر اس نے بھی دیا ہی کیا اور خچر پر سوار ہو گیا، مجھ
 سے پیچھے بٹھایا، ہم لوگ چلے، ان دونوں نے ایک دوسرے سے کسی ایسی بات
 کا ذکر نہیں کیا، جو گزر چکی تھی، نہ میں نے ان کے چہرے پر کوئی ایسی بات
 دیکھی جو پہلے دیکھی تھی، ہم مکے کی گھاٹی کے پاس پہنچے، انھوں نے کہا، ”او
 خزاعی اُتر!“ میں اُتر پڑا، لہذا ان نے جذامی سے اشارے اشارے میں
 کچھ کہا، اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا، اس میں کچھ تھا، میں نے دیکھا تو
 میں دینار تھے، وہ دونوں چلے گئے، میں پھر ابن مسریج کی قبر پر واپس آیا، دو
 اذنتوں پر میں نے ان دونوں سائڈنیوں کا سامان بار کیا، جنھیں انھوں نے
 فروغ کیا تھا، یہ سامان میں نے تیس دینار میں فروخت کر دیا۔

(۱۷۸) فنِ غنا کا ”قرآن“!

ابراہیم بن محمد الشافعی کہتے ہیں، کہ مندہ خیاط مشہور گویا ارفع مخزومی کے
 پاس آیا، اس کے عقل و فضل کی بڑی دھاک تھی، اس سے ارفع نے کہا۔

”کہاں سے آرہے ہو؟ اور کہاں کا قصد ہو؟“
 ”ایک قرشی کی مجلس سے ایک سطلے پر آپ کو حکم بنانے حاضر ہوا ہوں“
 ”وہ کیا بات ہو؟“

”میں اس آدمی کے پاس تھا، اسی اثنا میں اس مجلس میں انتظاراً ^{بخطین}
 اعدہ صغیر اور اعلیٰ، آئیں، ان دونوں کنیزوں نے ایک دوسری کو ابن
 مسریج کا یہ راگ سنایا۔“

”میں ایک گھڑی بھی کیوں کر زندہ رہوں گا؟ اس تکلیف
 کے ساتھ عورات کی صورت میں نمودار ہوئی۔
 کسی شخص نے نیند کا مزہ اچکھا، اور آرام سے رات گزاری
 لیکن میں تو ایسا بد بخت ہوں کہ میری نیند بیداری سے بدل
 دی جاتی ہے“

ان دونوں نے یہ راگ ساتھ ساتھ گایا، ہم میں اس بات میں اختلاف
 پیدا ہوا کہ ان دونوں میں کون اچھا گاتی ہے؟ ہم سب اس پر راضی ہو گئے
 کہ آپ کو حکم بنائیں، اب آپ ان دونوں کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کیجئے۔“
 اٹل کچھ دیر بنا موش بیٹھا رہا، اہل حجاز کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی بات
 کا فیصلہ کرتے ہیں، تو پہلے کچھ دیر سوچتے ہیں پھر فیصلہ کرتے ہیں، جب ثالث
 فیصلہ کر دیتا ہے تو وہ مان لیا جاتا ہے، جسے وہ گرا دیتا ہے وہ ساقط تسلیم کر لیا جاتا
 ہے، جسے وہ فضیلت دیتا ہے وہ افضل مان لیا جاتا ہے، بشرطے کہ ہر دو فریق اس
 کی رائے مان لیں، اٹل کو یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ ایک گروہ کو راضی کرے اور
 دوسرے کو برجم کرے، اس نے سند سے کہا، ”مجھے بتائیے وہ دونوں کس
 طرح گاتی ہیں؟ یہ بھی بتائیے گائے ہیں ان دونوں کا سلک کیا ہے؟ جیسا آپ

نے سنا ہو بتا دیجیے، پھر میں فیصلہ کروں گا، سندہ نے کہا ”یہ جطین کینز تو اپنے لحن کو چباتی ہے، جس طرح نوجوان گھوڑا اپنی لگام چباتا ہے، پھر وہ اپنا راگ کھوپری میں لے جاتی ہے اور اسے تھسوں سے نکالتی ہے، وہ عن غنائی بھی ہے، خدا کی قسم جب وہ ابتدا کرتی ہے تو اعتدال کے ساتھ مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ وہ فارغ نہیں ہو پاتی کہ میں چوکتا ہو جاتا ہوں، گویا میں خواب میں اس کے راگ کو دیکھ رہا ہوں، اور یہ صفا رالعلقین، دونوں میں اپنے گلے اور راگ کے اعتبار سے زیادہ اچھی ہے، اور راگ کو لوٹنا بھی خوب جانتی ہے، خدا کی قسم اسے جس کسی نے مشاودہ اپنے نفس کو کھویٹھا، دین کو ضائع کر دیا، یہ ہے میرے نزدیک معاملہ، اب تم ای بھائی بنو مخزوم، جو چاہو فیصلہ کر دو“ اس نے کہا، ”میں نے فیصلہ یہ کیا ہے کہ وہ دونوں سرکی دو آنکھوں کی طرح ہیں، جس سے بھی نظر ڈالو گے دیکھو گے، اگر دنیا میں سعید بن مرتج کا کوئی فرزند ہوتا تو یہی دونوں ہوتیں۔“ اس فیصلے سے سب لوگ راضی اور خوش ہو کر چلے گئے۔

مالک بن ابی سح کہتا ہے، میں نے ابن مرتج سے لوگوں کے اس قول کے بارے میں پوچھا کہ فلاں اچھا گاتا ہے، اور فلاں بُرا گاتا ہے، فلاں صحیح گاتا ہے، فلاں غلط گاتا ہے، اس نے کہا، ”اچھا اور صحیح گانے والا وہ ہے جو الحان کو پورے طور پر ادا کرے، انفاس کو بھر دے، وزن میں عدل قائم رکھے، الفاظ کو درست رکھے، صحیح بات پہنچاتا ہے، اعراب درست لگاتا ہے، لمبے نغموں کو ٹھیک گائے، مختصر نغموں کے مقاطع پر بھی عبور رکھے، اجناس ایقاع کو بھی ٹھیک بنا ہے، زبردہم کے مواقع کو اچھی طرح ادا کرتا ہے، تار پر جو ضربیں لگتی ہیں ان کے اتار چڑھاؤ سے بھی واقف ہو!“

یہ قول میں نے سجد کے سامنے پیش کیا، اس نے کہا، ”اگر فنِ خنا کا

(۱۷۹) ایک بات!

فضل بن عباس ہاشمی جو قثم بن جعفر بن سلیمان کی اولاد میں سے ہیں اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ناہض بن ثومہ کلابی میرے دادا قثم کے پاس آتا، اور ان کی مدح کیا کرتا، میرے دادا اسے اس کا صلہ دیتے، وہ نرا گنوار تھا، بالکل وحشی، لیکن باتیں بڑے مزے کی کرتا تھا، ایک روز بیان کرنے لگا، ہم لوگ شام کے ایک مقام پر پہنچے، میں نے اپنے ایک دوست کے ہاں جانے کا ارادہ کیا جو خالد بن یزید بن معاویہ کی اولاد میں سے تھا، وہ حلب میں رہتا تھا، جب میں وہاں آیا تو اس کے پاس گیا، اس کی مدح کی اور صلہ پایا۔

ناہض کا بیان ہے، میں ایک دیہات میں گیا، جس کا نام ”قریبہ“ بکر بن عبد اللہ ہلالی“ تھا، میں نے دیکھا وہاں بہت سی جھونپڑیاں پاس پاس بسی ہوئی ہیں، بہت سے لوگ آرہے ہیں اور جا رہے ہیں، ان کے بدن پر شوخ رنگ کے کپڑے ہیں، میں نے اپنے دل میں کہا، آج شاید عید ہو یا عید الفطر ہوگی، یا عید النضی، پھر خیال آیا، اپنا گھر بار چھوڑ کر صفر کے مہینے میں میں بصرے آیا، اس سے پہلے دو عیدیں گزر چکی ہیں اب یہ کیسی عید ہے؟ اسی اثناء میں کہ غرق فکر و حیرت کھڑا تھا، میرے پاس ایک آدمی آیا، اس نے میرا ہاتھ پکڑا، اور ایک کٹادہ گھر میں لے گیا، اس نے مجھے ایک کمرے میں پہنچایا جہاں فرش سجے ہوئے تھے، اور چادریں بھی ہوئی تھیں، ان

پرایک نوجوان بیٹھا تھا، جس کی زلفیں کندھوں پر پڑی ہوئی تھیں، لوگ اس کے ارد گرد جمع تھے، میں نے خیال کیا، یہی وہ امیر ہے جس کے بارے میں ہم سنتے آئے ہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے بیٹھتا ہے اور لوگ اس کے سامنے حاضر ہوتے ہیں، میں نے اس کے سامنے جا کر کہا، "اسلام علیک یا امیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اس آدمی نے میرا ہاتھ کھینچا اور کہا، "بیٹھو یہ امیر نہیں ہے" میں نے کہا، "پھر یہ کون ہے؟" اس نے کہا، "دوٹھا!" میں نے کہا، "اس بدبخت کو اس کی ماں روئے، میں نے باویہ میں بہت سے دوٹھا دیکھے ہیں، وہ تو بڑے سادہ تھے" اتنے میں چند آدمی اندر آئے، وہ کچھ چیزیں لیے ہوئے تھے جو ہلکی چیزیں تھیں وہ تو ہاتھوں میں تھیں جو بھاری تھیں انھیں وہ گھسیٹ رہے تھے۔

دوٹھا ہمارے سامنے لایا گیا، لوگوں نے اسے حلقے میں لے لیا، پھر ایک سفید چادر لائی گئی، اور ہمارے سامنے ڈال دی گئی، میں سمجھا کپڑا ہے، ارادہ ہوا، لوگوں سے ایک ٹکڑا اپنی قمیص بنانے کے لیے مانگ لوں، میں نے اس کی بناوٹ ایسی باریک اور عمدہ دیکھی کہ اس کا تانا بانا تک ظاہر نہیں ہوتا تھا، جب لوگوں نے اسے اپنے سامنے پھیلا لیا، تو وہ تیزی سے پھٹنے لگا، وہ کپڑا نہیں اصل میں روٹی کی ایک قسم تھی، جسے میں نہیں پہچانتا تھا، پھر بہت سا کھانا لایا گیا، شیریں بھی اور نمکین بھی، گرم بھی اور ٹھنڈا بھی، میں نے بھی خوب ہاتھ مارے، مجھے کیا معلوم تھا، کچھ پھل پھول آئے والے ہیں، پھر ایک قریبے میں شرابِ سُرخ لائی گئی، میں نے کہا، "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اندیشہ ہے، یہ مجھے قتل نہ کر دے، میرے پہلو میں ایک ناصح مشفق تشریف رکھتے تھے، خدا انھیں جزائے خیر دے، وہ

مجھے مجلس میں برابر نصیحت کرتے رہے، انہوں نے کہا، "اگر اعرابی تو نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھا لیا، اب اگر تو نے کچھ پیا تو تیرے پیٹ کو تکلیف ہوگی۔" جب اس نے پیٹ کا نام لیا، تو مجھے کچھ یاد آ گیا، جس کے بارے میں میرے باپ نے مجھے وصیت کی تھی، اور خاندان کے دوسرے بزرگوں نے بھی ہدایت کی تھی انہوں نے کہا تھا، "جب تک تیرا پیٹ سخت ہو تو برابر زندہ رہے گا، اور جب وہ سخت نہ رہے تو بس وصیت کرنے لگتا۔"

میں نے تھوڑی سی شراب پی تاکہ اپنی بسیار خوری کا مداوا کروں پیتے پیتے میں نے بہت زیادہ پی لی، اتنی پی لی، جس کی مجھے امید نہیں تھی اب مجھے بسیار خوری کی تکلیف ہونے لگی، جسے میں نہیں پہچانتا تھا، اور، رونا بھی اُٹنے لگا، جس کا سبب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ مجھ پر ایسی واردات کبھی نہیں گزری تھی، میں ایسا خیال کرنے لگا کہ ہر بات میرے اختیار میں ہو، اگر میں چاہوں کہ اس چھت تک پہنچ جاؤں تو میں پہنچ سکتا ہوں، اگر میں شیر سے برداڑا ہوں تو اسے بھی قتل کر دوں، پھر میں اپنے ناصح کی طرف متوجہ ہوا، میرے دل میں آئی کہ اس کے دانت توڑ دوں، اس کی ناک کاٹ لوں، کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا کہ اسے گالیاں دوں، ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ چار شیطان ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے ان میں سے ایک اپنی گردن میں ایک گانے کا فارسی آلہ جس کے دونوں کنارے مزین تھے، لٹکائے ہوئے تھا، اس آلہ کا وسط پتلا تھا جو نائٹ سے جکڑا ہوا تھا۔ پھر دوسرا نمودار ہوا، اس نے اپنی آستین سے ایک کالا ناتوس نکالا جو ہاتھی کی سونڈ کی طرح تھا پھر اسے اپنے منہ میں رکھ لیا، اور ایسی آواز نکالی، کہ خانہ خدا کی قسم اس سے عجیب آواز میں نے کبھی نہیں سنی تھی جب ان کا مشغلہ ختم ہو گیا تو اس نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی۔

آلہ میں جو سوراخ تھا، اس پر اپنی انگلیاں جمائیں، پھر ایسی آوازیں نکالیں جو پہلی آوازوں سے مختلف تھیں۔ پھر دوبارہ جب اس نے انگلیوں کو حرکت دی، تو اور زیادہ عجیب طرح کی آوازیں نکالیں۔ مناسب، اور ملتی جلتی اللہ جانتا ہے ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا خود ناقوس بول رہا ہے، پھر تیسرا برآمد ہوا۔ اس کی آواز بھونڈی اور بھدی تھی، یہ سیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، اس کے پاس مجیرہ تھا، وہ اسے تھپتھپانے لگا، اور پہلے دو آدمیوں کی طرح نئی نئی آوازیں نکالنے لگا۔ پھر چوتھے نے شروع کیا، یہ صاف سُتھری قمیص پہنے ہوئے تھا، پاجامہ بھی اُجلا تھا، موزے البتہ پھٹے ہوئے تھے، ایک موزے کی پنڈلی بھی نثار دتھی۔ وہ اُچھلنے لگا، گویا پتھووں کی پیٹھ پر کود رہا ہے، پھر وہ زمین پر اس طرح گر پڑا گویا بے ہوش ہے۔ میں نے کہا، "رت کعبہ کی قسم یہ پاگل ہے" وہ ابھی اپنی جگہ سے اٹھا نہیں تھا کہ سب سے زیادہ قابل رشک بن گیا، میں نے دیکھا لوگ دھڑا دھڑا سے درہم دے رہے ہیں۔

ہمارے پاس عورتوں نے پیام بھیجا کہ ہم کو بھی اپنے کھیل سے محفوظ کرو، لوگوں نے ان چاروں کو وہاں بھیج دیا۔

ہم ان کی آواز دُور سے سُن رہے تھے، ہمارے پاس ایک سیدھا سادہ نوجوان بیٹھا تھا، جس کی طرف لوگ توجہ نہیں کر رہے تھے، لیکن تھوڑی دیر میں اس کے لیے حمد و ثنا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ وہ نوجوان اٹھا اور ایک لکڑی لایا جس کے وسط میں کچھ گرہیں تھیں، اس میں چار دھاگے تھے ان دھاگوں کے درمیان سے اس نے ایک لکڑی نکالی، اسے اپنے کان کے پیچھے رکھ لیا، اس نے کان کو رگڑا، اور لکڑی سے جو اس کے ہاتھ میں تھی، ناگوں کو حرکت دی، ایسی آواز پیدا ہوئی، خدا کی قسم گویا کوئی بہت اچھی

مغنیہ گارہی ہو، میں نے کلبے کو کبھی ایسی چیز دیکھی ہوگی۔ وہ نوجوان اس پر
گایا، گانا مجھے بہت بھایا، میں اپنی جگہ پر بیٹھا نہ سکا، اچکا اور اس کے سامنے
جا بیٹھا۔ میں نے کہا۔

”میرے ماں باپ تم پر قربان، یہ کیا چیز ہو؟ میں نے تو اسے دیکھا تو
کے پاس کبھی نہیں دیکھا، نہ ایسی عجیب مخلوق نظر سے گزری؟“
”یہ بربط ہو!“

”میرے ماں باپ تم پر قربان، یہ نیچے جو تاگا ہو یہ کیا ہو؟“
”زیر کہتے ہیں اسے!“

”اور جو اس کے پاس ہو وہ؟“
”وہ شنی ہو!“

”اور یہ تیسرا؟“
”یہ مثلث ہو!“

”اور یہ سب سے اوپر والا؟“
”اسے ہم کہتے ہیں“

”سب سے پہلے میں اللہ پر ایمان لایا، پھر تم پر، پھر تمہارے فن
پر، پھر بربط پر، پھر ہم پر!“

خدا کی قسم، میرے والد ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے، ناہنض کو ان کی
ہنسی پر تعجب ہوا، اس کے بعد بار بار وہ یہ قصہ بیان کرتے تھے، اور اپنے
اہل مجلس کو خوش کرتے تھے، وہ اسے دہراتے تھے، اور لوگ ہنسی کے
مارے بے حال ہو ہو جاتے تھے۔

ملاحظات !

افغانی کے پہلے حصے کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے یہ کتاب عربی لٹریچر کا اعلیٰ شرب چراغ ہے، بد ظاہر یہ داستا نوں اور روایتوں کا مجموعہ ہے لیکن حقیقتہً یہ اموی اور عباسی عہدِ حکومت کے صفحات کی ایک تصویر گویا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد، جو حکومتِ الہی کا پہلا اور شاید آخری نمونہ تھا مسلمانوں کی خلافتِ حکومت میں منتقل ہو گئی۔ اب ان کے خلفا وہ نہ رہے تھے جو راتوں کو گشت کے لیے نکلتے تھے، جن کے دن ستم کشوں کی دادرسی میں صرف ہوتے تھے جن کی شب یا الہی میں بسر ہوتی تھی، اور جن کا روز ہمتِ ملکی میں صرف ہونا تھا۔ جو عوام میں اس طرح گھل مل کر رہتے تھے کہ آقا اور غلام میں تمیز ناممکن ہو جاتی تھی۔ جن کی زندگی اتنی سادہ ہوتی تھی کہ ممالکِ غیر کے سفیر انھیں باؤل نظر "امیر المؤمنین" سمجھنے میں تامل کرنے تھے، لیکن جن کے رعبِ دیدہ بے جاہ و تجمل اور عظمت و جلالت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ملوک و سلاطین ان کے نام سے لرزتے تھے۔ طاقت والے اور زور والے ان کے ذکر سے کانپتے تھے۔ جن کا عدل سرمایہ دار اور بے نوا میں کوئی امتیاز نہیں کرتا تھا۔ جن کی مساوات غلام اور سلطان میں کوئی تفریق نہیں کرتی تھی۔ جو اپنی ناداری کے سبب فاقے کرتے تھے، لیکن جو بیت المال کے "بینجنگ ایجنٹس" نہیں بنے ہوئے تھے۔ جو انصاف کرتے تھے، قرآن و حدیث کی بنیاد پر نظامِ حکومت استوار کرتے تھے پھر بھی یومِ جزا کے خوف سے لرزتے رہتے تھے۔ اُس دن سے ڈرتے رہتے تھے جب ایک ایک بات کا، ایک ایک کام کا ہر عمل

کا محاسبہ کیا جائے گا، جب فیصلہ نہ سب پر ہوگا۔ نہ امارت پر، نہ شکوہ خسروی پر، بلکہ اس کی بنیاد صرف تقویٰ ہوگی، ان خلفاء کے بجائے، اب جو ملوک و سلاطین آئے، کہلاتے اپنے تئیں خلیفہ تھے، لیکن تھے ارباب دنیا، صرف ملوک، سلطان، بادشاہ

یہیں سے ملوکیت کا سوتا پھوٹتا ہے، یہیں سے اسلام کے نخلِ جمہوریت پر تیشے اور آرے چلتے ہیں، یہیں سے مسلمانوں کا "خلیفہ" عجم کے فرماں رواؤں کی طرح ٹھاٹھ، تجھل، اور شان کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اب وہ جس پوش جھوپڑی میں نہیں رہتا، فلک بوس محلوں میں رہتا ہے، اب اس کا دربار مسجد میں نہیں ہوتا، ایوان زرنگار میں "باادب" با ملاحظہ، ہوشیار کے نعروں، ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ اب وہ عوام کے دوش بہ دوش نماز نہیں پڑھتا، مسجد میں اپنے لیے ایک "مقصورہ" رکھتا ہے۔ اب وہ آنکھ بند کر کے انصاف نہیں کرتا، اپنوں کو دیکھتا ہے، سیاسی مصلحتوں کو دیکھتا ہے، اقتدار کے وقت کو دیکھتا ہے۔ اب وہ اپنے جانشین کا انتخاب جمہور اُمت پر نہیں چھوڑتا، اصحابِ فکر و رائے پر نہیں چھوڑتا، اربابِ عزم و سیاست پر نہیں چھوڑتا، بلکہ اپنے بیٹے کو اپنا "ولی عہد" منتخب کر لیتا ہے، مخالفوں کو نوکِ شمشیر سے خاموش کرتا ہے، اختلاف رکھنے والوں کے لیے گوشہٴ قبر کا انتظام کرتا ہے، غیر متحد لوگوں کی زہرِ ہلال اور اچانک حملے سے مدارات کرتا ہے، وہ اپنے جانشین کے لیے یہ بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ وہ صاحبِ تقویٰ ہو، اہل اللہ ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو۔ صرف اتنا کافی سمجھتا ہے کہ وہ اس کا لختِ جگر ہے۔ ان میں اور ان میں کتنا فرق تھا؟ کتنا عظیم الشان فرق!!

اموی اور عباسی فرماں رواؤں نے دنیا میں جنت کے مزے حاصل

کر لیے،

ہر روز، روزِ عید تھا۔ شبِ شبِ برات

درہمیں اور دیناروں کا انبار لگا ہوا ہے، حسین و جمیل کینز نہیں دست بستہ اور صف بند سامنے حاضر ہیں، جامِ دور میں ہے، محفلِ جمعی ہوئی ہے، نغمے کی آواز ناہیدِ فلک تک جا رہی ہے، چنگ و رباب کی فردوسِ گوش آواز، حسنِ رعنا اور جمالِ عشوہ طراز کی جلوہ آرائی، شوقِ بے پروا، اور چشمِ بے محابا کی فتنہ سامانی عام ہو رہی تھی، قصر و بارگاہ کا ایک ایک چپہ دمانِ باغ بان و کفِ گل فروش بنا ہوا ہے۔ کسی مطرب کا نغمہ پسند آیا، اور لاکھوں دینار بخش دیے۔ کسی سفینہ کی ڈبھائی اور اسے فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔ کسی گویے کا راگ مرغوب خاطر ہوا، اسے اتنا کچھ دے دیا کہ تنگیِ داماں کی شکایت زباں پر آجائے کسی کا حسنِ نگاہ پر چڑھا، اور خزانے کی تھیلیاں کھول دی گئیں۔

یہ حال صرف فرماں رواؤں ہی کا نہیں تھا، "الناس علی دین ملوکہم" بالکل تاباں حقیقت ہے۔ ان اقدار کے امر اور وسابھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہی کینزوں کا بھر مٹ، وہی راگِ راگنیوں سے شغف، وہی بات بات پر سونے اور چاندی سے خواہش اور آرزو کا سودا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اس زلزلے میں فقر و فلاکت کے منہوم سے بھی لوگ ناواقف تھے۔ بے کاری اور بے روزگاری کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ حسرت اور بے چارگی کے ذکر سے بھی ان کے کان نا آشنا تھے۔ دولت کی پیداوار اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ غیر مساوی تقسیم دولت کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

بہر حال یہ ایک دور تھا، خلافتِ راشدہ اور حکومتِ الہی کے دور سے اگرچہ بالکل مختلف اور متضاد، لیکن دوسرے فرماں رواؤں اور کشور

کشاؤں کے مقابلے میں بے انتہا برتر اور بہتر۔ اسی دور کے منعمات کا یہ ایک مختصر
سامرغ ہے۔

گرچہ تھے صفحہ ہستی پہ ہم اک حرف غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

اصل افغانی متعدد طویل و ضخیم مجلدات میں ہے، یہ صفحات اس کے منتخب
خلاصے کا ترجمہ ہیں۔ یہ خلاصہ حشو و زوائد سے پاک ہے، تمام دل چسپ اور قابل
ذکر باتیں اس میں آگئی ہیں۔

یہ پہلا حصہ، روایات ادبی پر مشتمل ہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے ان روایات
پر رد و قدح ہو سکتی ہے، پھر بھی مندرجہ تالیفوں کے مقابلے میں اس کتاب
کا معیار روایت بدرجہا بلند ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے جو کسی دوسری
مروج تاریخ میں نہیں ملے گی کہ ہر روایت راویوں کے پورے سلسلہ اسماء
کے ساتھ موجود ہے۔ ہر وقت اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کون راوی کیسا ہے اور
اس کی روایت کا کیا پایہ ہے؟ یہ طرز بالکل اس اسلوب کی نقل ہے، جس کا التزام
محدثین کرام نے روایت حدیث میں رکھا تھا، اور جس نے "اسرار الرجال"
کا ایک شان دار دفتر مرتب کر دیا۔ جرح تو حدیث کے راویوں اور روایتوں پر
بھی ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے، پھر ان روایات پر بھی اگر جرح ہو تو مقام حیرت نہیں
دوسرا حصہ تاریخی روایات پر مشتمل ہے۔ وہ اس حصے سے زیادہ مستند ہے
اس کا ترجمہ بھی شروع کر چکا ہوں، والا تمام بید اللہ تعالیٰ!

دیکس احمد جعفری (مدوی)

ایڈیٹر روزنامہ ہندستان، بمبئی نمبر ۸

۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء